سیرت المصطفیٰ
صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم
جلد اوّل

سیرتُ المُصطفیٰ

صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّمَ

جلد اوّل

خاکپائے اطہر محمدؐ ابراہیم میر سیالکوٹی

قیمت (عہ) بلاجلد ۱۲ر

تعداد ۱۰۰۰

باردوم

التماسِ مصنف

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اَلحمدُ لِلّٰہِ علی نعمائہٖ والصلوٰۃُ والسلامُ علی سیّدِ انبیائہٖ وسندِ اصفیائہٖ وعلی مَن تبعہٗ مِن اولیائہٖ امّا بعدُ حضورِ پُر نور سرورِ عالم فخرِ اولادِ آدم (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) کے سوانح و سیر کی جمع و تالیف کا شرف اس ذرہ بے مقدار کو آگے زمانۂ جوانی میں بھی حاصل ہوا۔ اس کتاب کا نام تاریخ نبوی تھا۔ جو اختصار پسندوں کیلئے بہت مفید ثابت ہوئی۔ جہاں تک میرا علم ہے۔ یہ کتاب اس موضوع پر اُردو زبان میں اکثر کتب مصنفہ سے بہت پہلے کی تصنیف ہے۔ کتاب رحمۃ للعالمین، سیرت النبی، سیرت خیر البشر وغیرہا سب کتابیں اس کے بعد کی تصانیف ہیں۔ اس نئی کتاب سیرت المصطفیٰ کے لکھنے کی ضرورت یوں پڑی کہ تاریخ نبوی کی اشاعت کے بہت عرصہ بعد کچھ خیالات میں ترقی، کچھ معلومات میں وسعت ہوئی۔ تو میں نے چاہا کہ اس کی طبع ثانی میں بسبب تحقیقات و معلومات اضافہ کر کے کتاب کو ایک نئی طرز و ترتیب پر لکھوں۔ سو آج وہ خدا کے فضل سے آپ کے سامنے ہے۔

ماخذ

۱۔ اس کارِ عظیم کے انجام دینے کیلئے بڑے بھاری کتب خانہ کی ضرورت ہے۔ جو مختلف الفنون کتب کے ذخیرہ کا جامع ہو۔ پھر اسقدر کثیر التعداد کتب کی ورق گردانی اور انکے مضامین کا استحضار اور پھر انتخاب در صورت اختلاف کے وقت تحقیقِ حق کوئی آسان کام نہیں ہے۔ اور بالخصوص فنِ سیر میں تو ایک خاص مشکل ہے کہ اس کی کتابوں کی روایات کی محدثانہ طریق پر تنقید نہیں کی گئی اور احادیث میں جو اُمور مذکور ہیں اُن میں مورخانہ نظر سے واقعات کی ترتیب بجز غزوات کے مذکور نہیں۔ اِلّا نادراً۔

۲۔ اس محنتِ شاقہ کے وقت اس کم مایہ کوتاہ فہم نے اصولِ ذیل کو خصوصیت سے ملحوظ رکھا ہے کہ ذاتِ برحق پاک ہے۔ انسانی ہستی میں اُسکا رسولِ برحق بھی پاک ہے۔ قصور یا تو ضعفِ روایت کا ہوگا یا فہم کا۔ اگر دونوں صحیح ہوں تو اعتراض ناممکن۔ بس انہی اصول کو ذہن میں رکھ کر اس کتاب کو مطالعہ کریں۔ وما توفیقی الّا باللہ۔

میں ہوں خدا کے حبیب پاک کا خاکپا

محمد ابراہیم میر سیالکوٹی

یا عزیز ۔ یا جبار

لَقَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ عَزِيْزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ حَرِيْصٌ عَلَيْكُمْ بِالْمُؤْمِنِيْنَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ

دیباچہ طبع ثانی

کتاب سیرت المصطفیٰ جلد اوّل

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَالسَّلَامُ عَلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ وَعَلٰى اٰلِهِ الْاَطْهَارِ وَاَعْرَاسِهِ اِمَامِ اهل الاوطار ورهطه الاخيار، اَمَّا بَعْدُ آنحضرت کی سیرت پاک پر بہت سی کتابیں لکھی گئیں اور لکھی جا رہی ہیں خدا تعالیٰ سب مصنفین مخلصین کو جزائے خیر دے آمین لیکن اس کتاب سیرت المصطفیٰ میں چند ایسے مباحث نہایت تحقیق سے لکھے گئے ہیں جن سے دیگر اردو کتب سیرت بالکل خاموش ہیں مثلاً آنحضرت کے آبا و اجداد کے حالات اور ان کے مذہب کی تحقیق کہ وہ مشرک نہ تھے بلکہ دین ابراہیم پر قائم تھے، دایہ حلیمہ سعدیہ کے گھر میں آپ کے پرورش پانے کے بعض حالات اور آپ کو آپ کی رضاعی ہمشیرہ شیما کی لوریاں۔ آنحضرت کی چچی اور حضرت علیؓ کی والدہ حضرت فاطمہ اسدیہؓ کے حالات آپ کی والدہ ماجدہ آمنہ خاتونؓ اور آپ کے والد حضرت عبداللہؓ کے حالات اور یہ کہ وہ بھی دین ابراہیمی پر قائم تھے وغیرہ وغیرہ۔ طبع اول کی اشاعت بڑے سائز پر مع فہرست ۳۴۶ صفحات پر تھی جو ہاتھوں ہاتھ نکل گئی۔ اب طبع دوم شہری کتابوں کے سائز پر آپ کے سامنے ہے۔ امید ہے آپ اس سے علمی حظ اور قلبی سرور حاصل کریں گے۔

بندہ ضعیف حافظ محمد ابراہیم میر سیالکوٹی مصنف سیرت المصطفیٰ

طرزِ تحریر و طریقِ بیان

بِسْمِ اللّٰہِ وَالْحَمْدُ لِلّٰہِ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی رَسُوْلِ اللّٰہِ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ حِزْبِ اللّٰہِ اَمَّا بَعْدُ میں نے اس کتاب میں "طرزِ تحریر و طریقِ بیان" کے متعلق امورِ ذیل کو ملحوظ رکھا ہے (۱) سیرت و تاریخ کی کتابوں میں عبارت سادہ ہونی چاہئے تاکہ واقعہ اپنی صورت و نوعیت سے خود اثر ڈالے اگر مضمون کو عبارت آرائی سے رنگین کیا جائے تو اس میں مصنف کے تکلف و تصنع کا وہم ہو سکتا ہے کہ اُسنے اپنی صنعت سے واقعہ کو ایسے سانچے میں ڈھال دیا ہے ہاں طرزِ بیان دلکش اور عبارت شستہ اور معنی خیز ہونی چاہئے جس سے پڑھنے والے کے دماغ میں واقعہ کی اصلی صورت کا نقشہ اُتر سکے (۲) واقعات پر رائے زنی کے وقت علل و اسباب پر بحث کرتے ہوئے حالات و اجزائے واقعہ کے خلاف محض خود ساختہ وجوہ پر فیصلہ نہ دینا چاہئے جیسا کہ یورپ کے بعض متعصب مصنفین خصوصاً "سر ولیم میور" کی روش ہے (۳) بعض مصنفین سیرت نے "فنِ سیرت" کو آنحضرت صلعم کے فضائل و خصائل اور اہم تاریخی واقعات کے بیان تک محدود رکھا ہے لیکن (خدا کے فضل سے) سیرت المصطفےٰ ایک ایسی کتاب ثابت ہوگی کہ اس میں فضائل و خصائل اور سیاسی و تاریخی واقعات کے ساتھ ساتھ اشاعتِ اسلام اور اُسکے مناسب حال آیاتِ قرآنیہ کا نزول سب کچھ مذکور ہوگا۔ کیونکہ آنحضرت کی بعثت سے اصل مقصود اعلائے کلمۃ اللہ ہے گویا یہ کتاب ضمناً ایک پہلو میں قرآن شریف کے بعض مقامات کی تفسیر کا کام بھی دے گی۔ جس طرح کہ تاریخ حافظ ابن کثیرؒ اور سیرتِ ابن ہشامؒ اور امام ابن قیمؒ کی "زاد المعاد" ہے جَزَاھُمُ اللّٰہُ عَنَّا جَزَاءً حَسَنًا۔ (مصنف)

سیرت المصطفےؐ

جلد اوّل

دیباچہ

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

اَلۡحَمۡدُ لِلّٰہِ الَّذِیۡ خَلَقَ الۡاِنۡسَانَ وَاَسۡبَغَ عَلَیۡہِ نِعۡمَہٗ ظَاھِرَۃً وَّ بَاطِنَۃً بِالۡفَضۡلِ وَالۡاِحۡسَانِ ۔ وَبَعَثَ فِیۡ کُلِّ اُمَّۃٍ رَسُوۡلًا مِّنۡھُمۡ فِیۡ اَیِّ وَقۡتٍ شَآءَ مِنَ الزَّمَانِ یَعۡرِفُوۡنَ وَیُشَاھِدُوۡنَ اَحۡوَالَہٗ فِیۡ کُلِّ حِیۡنٍ وَّاٰنٍ ۔ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ الۡاَتَمَّانِ الۡاَکۡمَلَانِ عَلٰی اَعَمِّھِمۡ دَعۡوَۃً وَّ اَکۡثَرِھِمۡ اُمَّۃً وَّ اٰخِرِھِمۡ بِالزَّمَانِ ۔ فَیَامَنۡ یَّقۡفُوۡا اَثَرَہٗ وَیَقۡتَدِیۡ بِھَدۡیِہٖ فَیَفُوۡزَ بِالۡجِنَانِ وَیَنۡجُوۡ مِنَ النِّیۡرَانِ ۔ وَعَلٰی اٰلِہِ الطَّاھِرِیۡنَ وَاَصۡحَابِہِ الشَّاھِدِیۡنَ الۡمُبَلِّغِیۡنَ اِلٰی مَنۡ بَعۡدَھُمۡ مِنۡ اَھۡلِ الۡاِیۡمَانِ وَعَلٰی اِخۡوَانِہٖ مِنَ النَّبِیِّیۡنَ وَسَائِرِ عِبَادِ اللّٰہِ

الصَّالِحِیْنَ مَادَامَ اللّٰہُ دَیَّانٌ ۰ وَدَامَ الْقَمَرَانِ ۰

اَمَّا بَعْدُ

(۱) یہ ایک متوسط کتاب ہے جو ہادیٔ عالم مُحمّد رسُول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حالات میں، اُن انگریزی دان اور اُردو خوان اصحاب کے لئے لکھی گئی ہے۔ جو اپنی ضمیر کی کشش اور دل کی رغبت سے سچائی کے رستے کی جُستجو میں ہیں۔ عام اِس سے کہ وہ مسلمان ہیں یا عیسائی اور ہندو ہیں یا برہمو۔ چھُوت ہیں یا اچھُوت۔ تاکہ وہ آپ کی پیروی سے پاکیزگی اور پرہیزگاری کی زندگی گذار سکیں اور موت کے بعد خدا کے سامنے ہونے پر اُس کے غضب سے بچتے ہوئے اُس کی رحمت کے سائے میں جگہ پادیں اَللّٰھُمَّ اَرِنَا الْحَقَّ حَقًّا وَّارْزُقْنَا اِتِّبَاعَہٗ۔

(۲) اِس مقصد کے لئے میں نے پیغمبرِ خدا محمّد مصطفیٰ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حالات کو اس لئے پیش کرنا چاہا ہے کہ انبیاء علیہم السلام کا طریقِ زندگی ہر جہت سے دیگر لوگوں سے ممتاز ہوتا ہے۔ اسی وجہ سے وہ سب کے پیشوا

اور راہنما ہوتے ہیں اور دیگر سب کیا چھوٹے کیا بڑے کیا خویش اور کیا بیگانے کیا امیر کیا غریب کیا شاہ کیا گدا کیا علماء و عقلاء اور کیا صلحاء و اولیاء کیا لکھے پڑھے اور کیا بے پڑھے سب کے سب زندگی کے ہر شعبہ میں ان کی تعلیم و ہدایت اور ان کے نمونہ عمل کے محتاج ہوتے ہیں اور چونکہ انکی بعثت سے مقصودِ خداوندی یہی ہے کہ دیگر سب لوگ ان کی پیروی کریں اس لئے خدا تعالیٰ ان کی اخلاقی اور روحانی تربیت اپنی خصوصی عنایت و حفاظت سے کرتا ہے چنانچہ حضرت پیغمبر صاحب صلعم نے فرمایا "مجھے میرے پروردگار نے آداب سکھائے اور خوب اچھی طرح سکھائے[1]"۔

۳۔ انبیائے سابقین کی سیرت نہ بچا ان کی آوردہ کتاب بھی اُن کے امتیوں سے محفوظ نہ رہ سکی بلکہ وہ خود اُن کی تعلیم کے خلاف اسی گمراہی میں جا پڑے جس سے نکالنے کے لئے وہ نبی مبعوث ہوئے تھے مگر ہمارے پیغمبر محمد صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سیرت اور تعلیم اور آپ کی آوردہ کتاب مِنْ وَعَنْ اَصَالَۃً مکمل طور پر روز روشن کی طرح عیاں ہے اور گم شدگی اور اختلاط و تحریف کے غبار سے بالکل محفوظ ہے کیونکہ آپ خاتم النبیین ہیں اور آخری نبی کی سیرت و تعلیم اور اس کی

---

[1] کنز الحقائق میں حدیث ہے اَدَّبَنِیْ رَبِّیْ فَاَحْسَنَ تَادِیْبِیْ "مجھے میرے رب نے ادب سکھایا تو خوب سکھایا" دصنعانی) ۱۲ منہ

آوردہ کتاب پر تاریکی اور گم شدگی کی حالت نہ آنی چاہیئے اس لئے آج دنیا جہاں میں صرف آپ ہی کی سیرت بہ وثوق ویقین کیا جا سکتا ہے اور اگر جزوی طور پر دیگر انبیاء کے حالات کی بھی تصدیق کر سکتے ہیں تو اس کا صحیح ذریعہ بھی آپ ہی کی ذاتِ اقدس ہے لہذا نمونہ عمل میں آپ ہی کی سیرت کو پیش کیا جا سکتا ہے۔

۴۔ دنیا میں جتنی تعداد میں اور جتنی مختلف زبانوں میں اور جتنے مختلف مذاہب۔کے مصنفوں کے قلم سے پیغمبر اسلام صلعم کے حالات لکھے گئے ہیں اولاد آدم میں سے کسی دیگر کے نہیں لکھے گئے نہ کسی پیغمبر کے نہ کسی بادشاہ کے نہ کسی صاحب علم و دانش کے نہ کسی دیگر صاحب کمال کے خصوصًا جس تحقیق و تنقید اور جس تفصیل و تشریح سے آپؐ کی زندگی کے واقعات اور آپ کے اقوال و افعال منضبط کئے گئے ہیں اس کی نظیر ابتدائے آفرینش دنیا سے اس وقت سنہ ۱۳۶۰ھ/۱۹۴۱ء تک نہیں پائی گئی بلکہ اس کا عشر عشیر بھی نہیں پایا گیا۔

۵۔ آپؐ کی زندگی کا ہر پہلو اور اس کی ہر شاخ ایسی مکمل اور ایسی روشن ہے کہ نہ تو اس پر کسی قسم کے اضافے کی گنجائش ہے اور نہ اس پر کسی قسم کی تاریکی آ سکتی ہے اور آپ کے حالات کے متعلق خدا تعالیٰ نے یہ خصوصی عنایت

اس لئے بھی کہ آپؐ کا فیض ہدایت دنیا میں دائم قائم رہے
چنانچہ آپ نے اس دنیا سے رخصت ہونے کے دنوں میں
اپنے صحابہؓ سے یوں خطاب کیا تھا میں تم کو نہایت روشن
مذہب پہ چھوڑ چلا ہوں جس کی رات اس کے دن کی طرح
(روشن[1]) ہے۔ پس ہم علاوہ دیگر چند وجوہ فضیلت کے اس
لحاظ سے بھی آپؐ کو دنیا کا سب سے بڑا آدمی کہہ سکتے
ہیں لہٰذا آپؐ کی زندگی ہر طبقہ کے آدمی کے لئے بہتر رہنما ہے
۶۔ اس کی تشریح بطور خلاصہ کے یوں ہے کہ انسان پر
یتیمی و مسکینی اور محتاجی کے دن بھی آتے ہیں اور اُس پر
غنا اور آسائش کی بہار بھی آتی ہے وہ کبھی [illegible] و مقہور
اور زیر دست ہوتا ہے اور کبھی حاکم و آقا بن جاتا ہے
کبھی وہ عیالدار ہے اور کبھی تنہا فاقہ مست۔ اگر ایک وقت
اس کا تعلق سازگار دوستوں ہمسایوں اور [illegible] داروں
سے ہے۔ تو دوسرے وقت اُسے خونخوار دشمنوں اور موذی
بد اندیشوں سے بھی واسطہ پڑ جاتا ہے غرض انسان پر مختلف
اوقات میں مختلف اور متضاد حالات وارد ہوتے رہتے ہیں
اگر ان سب حالات میں اس کی زندگی خدا کی رضا جوئی اور
خوف اور طہارت نفس پر گذرتی ہے اور ایک حالت دوسرے

---

[1] رواہ احمد عن عرباض بن ساریہؓ دترتیب مسند احمدؒ مطبوعہ مصر جلد ۱ صفحہ ۲۴۱

وقت کی حالت کو نہیں بدلتی اور وہ خدا کی مقرر کردہ مدود سے تجاوز نہیں کرتا تو کہا جائے گا کہ وہ شخص بڑا باخدا ہے اور اس کی زندگی با اصول ہے اور اسے زندگی کے ہر طور میں اپنا نصب العین خوب ملحوظ ہے پس ایسی زندگی بیشک پاکیزہ زندگی ہے اور وہ اس قابل ہے کہ دیگر انسان اس کی پیروی کر کے انسانی کمال اور دینی و دنیوی برکتیں اور اخلاقی و روحانی سعادتیں حاصل کریں وَاللّٰهُ الْمُوَفِّقُ وَالْهَادِيْ ؏

آمدم برسر مطلب

سب جانتے ہیں کہ آپؐ یتیم پیدا ہوئے[۱]۔ چھ برس کی عمر میں مادر مہربان بھی فوت ہو گئیں۔ آٹھ سال کی عمر کو پہنچے تو دادا کا بھی انتقال ہو گیا اور چچا کی کفالت میں آئے۔

غرض آپؐ نے یتیمی و مسکینی میں پرورش پائی اس کے بعد حضرت خدیجہؓ سے نکاح کرنے پر اور اسلامی فتوحات کے زمانہ میں آپ پر غنا اور آسودگی کا زمانہ بھی آیا لیکن اس میں بھی آپؐ کی طرز زندگی سادہ اور زاہدانہ ہی رہی۔ عام

[۱] بنابر قول مشہور۔ ورنہ امام سہیلیؒ نے علامہ دولابی وغیرہ سے نقل کیا ہے کہ اکثر علماء اس بات پر ہیں کہ آپ اپنے والد ماجد کی وفات کے وقت گود مادر میں تھے (روض الانف ج ۱۔ ص ۱۰۷) ۱۲ منہ

طور پر اسی سادہ لباس ۔ اسی جو کی روٹی، کھجور اور ستو اور پانی پر گذارہ کرنے سے آگے نہ بڑھی اگر آپؐ نے کسی وقت اچھا لباس پہنا یا اچھا کھانا کھایا تو اول تو وہ بطور ندرت تھا۔ دیگر یہ کہ وہ تکلف سے نہیں تھا۔ بلکہ ویسا ہی میسر آنے پر خدا کی نعمت کو قبول کرنے کے لئے تھا اور یہی سادگی کے معنے ہیں کہ جیسا ملا اسی پر قناعت کی نہ تکلف کرکے اچھے کی رغبت اور نہ کبر و نخوت کی وجہ سے ادنیٰ خوراک یا پوشاک سے نفرت۔

اسی طرح کبھی آپ پر وہ زمانہ تھا کہ مکہ شریف میں تبلیغ توحید پر دشمنوں کے ہجوم اور ان کے بُرے منصوبوں اور بد اندیشیوں اور طرح طرح کی ایذاؤں اور تکلیفوں کے زیر اثر دن رات گذارنے پڑتے تھے آپؐ کو اور آپؐ کے اصحابؓ کو اتنا بھی امن نہیں تھا کہ کسی کھلی جگہ پر خدائے واحد کی عبادت بھی کرسکیں حتیٰ کہ مخالفینِ توحید نے ایک عرصہ تک آپؐ سے تعلقات و مراسم توڑ رکھے تھے[1] لیکن واہ رے حوصلہ! کہ آپنے اِس مدت مدید میں ہر قسم کے مظالم نہایت استقامت و صبر سے برداشت کئے لیکن ایک دن بھی نہ تو انتقام میں

---

[1] جب آپ عرصہ قریباً تین سال تک شہر سے باہر مع دیگر بنی ہاشم کے شعب ابی طالب میں جا رہے تھے (سیرت النبی) ۱۲ منہ

زبان کھولی نہ کسی پر ہاتھ دراز کیا اور نہ اپنے فرض تبلیغ رسالت میں مداہنت کی۔ لوگ ایذا پہنچاتے رہے اور آپ خدا کا پیغام پہنچاتے رہے پھر بھی مخالفین کی عداوت دن بدن بڑھتی گئی اور آخر آپؐ کو اپنے مظلوم پیروؤں کے لئے کوئی مرکز بنانے کے لئے تیرہ ١٣ سال کی طویل مدت کے بعد اپنا آبائی شہر مکہ شریف چھوڑنا پڑا اور مدینہ طیبہ میں جاکر پناہ لینی پڑی لیکن اسی ہجرت کے آٹھویں سال جب آپؐ بموجب کشفی قول حضرت سلیمانؑ کے دس ہزار قدسیوں[1] کے ساتھ فاتحانہ شان سے مکہ میں داخل ہوئے اور بہت سے موذی دشمن قیدیوں کی صورت میں قطار باندھے آپؐ کے حضور میں پیش کئے گئے تو آپؐ نے ان سے پوچھا کہ آج تم کو مجھ سے کیا امید ہے کہ میں تم سے کیا سلوک کروں گا؟ تو وہ دشمن آپؐ کی کریمانہ خصلت پر نظر کرتے ہوئے اور اپنی ایذاؤں اور مظالم کو فراموش کرتے ہوئے پکار اٹھے آپؐ ہمارے صاحب کرم بھائی ہیں اور صاحب کرم بھائی (عبداللہ) کے بیٹے ہیں ہم کو آپ سے خیر (نیکی دکرم دعفو) ہی کی امید ہے" آپؐ نے سب مظالم کو فراموش کر دیا۔ اور ان کی امید کو ان کی خواہش کے مطابق پورا کرتے ہوئے فرمایا:۔

---

[1] غزل الغزلات ۵، ۱۲ منہ

"آج تم پر کسی قسم کی ملامت نہیں جاؤ تم سب آزاد ہو"[1]

آپ پر ہر قسم کے ظلم ہو چکے تھے آپ نے اس وقت اپنے دشمنوں پر پورا قابو اور اقتدار پالیا تھا جو چاہتے اور جیسا چاہتے اُن سے کر سکتے تھے لیکن باوجود اس کے کس چیز نے ایسے موذی دشمنوں کو معافی دلوائی ؟ آپ کی اسی جبلی کریم النفسی اور طبعی رحدلی نے جو صرف متواضع و منکسر المزاج شخصوں کو نصیب ہوتی ہے اور مغرور و متکبر اس سے کچھ بھی بہرہ نہیں پا سکتے۔

غرض آپ اپنی زندگی کی ہر حالت میں خدائے تعالےٰ کی رضا جوئی اور تقوےٰ و طہارت اور اخلاقِ فاضلہ اور عاداتِ حسنہ کو محفوظ رکھے رہے۔

فقر و فاقہ میں آپ کا شیوہ قناعت رہا مصیبت اور مظلومی میں صابر رہے حکومت کے وقت آپ کا دستور و آئین عدل و انصاف رہا اور باوجود کثیر العیال اور کثیر الاشغال اور مجاہد فی سبیل اللہ ہونے کے خدا کی عبادت یعنی پنجگانہ مفروضہ نماز اور رمضان کے روزوں اور نمازِ تہجد یعنی شب بیداری میں اور منزلِ قرآن میں کبھی فتور و قصور نہیں کیا کیونکہ آپ

[1] کامل ابن اثیر وغیرہ جلد ۲ صفحہ ۹۶ ۔ ۱۲ منہ

کی جملہ عادات حسنہ دائمی تھیں اور اخلاق کا لفظ لغتِ عرب میں انہی عادات پر بولا جاتا ہے جو دائمی ہوں عارضی اور وقتی کو خلق نہیں بلکہ ہیئات کہتے ہیں اسی لئے خدا تعالےٰ نے آپ کی تعریف ان الفاظ میں کی ہے۔ وَاِنَّکَ لَعَلٰی خُلُقٍ عَظِیْمٍ (ن ۴) یعنی بیشک آپ نہایت اعلےٰ اخلاق پر ہیں۔

جس طرح آپ نکاح سے پہلے حالتِ تجرد میں اپنے اوقات خدا کی یاد میں گذارتے تھے اسی طرح حضرت خدیجہ سے نکاح کر چکنے کے بعد بھی خدا کی یاد سے غافل نہیں ہوئے۔ بلکہ غار حرا میں خلوت نشینی کر کے ذکر خدا میں مشغول رہتے تھے اور پھر جب مدینہ شریف میں آپؐ کے گھر میں نو بیبیاں تھیں اس وقت بھی بیویوں کے تعلقات کی وجہ سے پنجوقتی فرض نماز کی امامت اور نمازِ تہجد اور رمضان کے فرض روزوں اور غیر رمضان کے نفلی روزوں اور جہاد فی سبیل اللہ میں اور تبلیغ دین اور امتیوں کو تعلیم احکام شریعت میں کبھی کوتاہی نہیں ہونے دی ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہؓ جو عمر میں سب سے چھوٹی تھیں آپ کو ان سے پیار بھی زیادہ تھا آپ کے شعبان کے نفلی روزوں اور نمازِ تہجد پر ہمیشگی کی روایات زیادہ تر انہی سے مروی ہیں (مشکوٰۃ وغیرہ) اور اسی طرح آپؐ کی شب بیداری کی روایات آپ کی دیگر ازواجِ مطہرات مثل ام سلمہؓ

اور امام حیبتہؒ وغیرہما سے بھی مروی ہیں (بخاری مسلم وغیرہما)

پس اس وجہ سے کہ پیغمبر اسلام کی زندگی نہایت پاکیزہ گذری ہے اور وہ ہم تک نہایت معتبر ذرائع سے بالتفصیل پہنچی ہوئی ہے۔ مسلمان لوگ خصوصًا آپؐ کے خلفائے راشدین باوجود سب سے بڑھ کر فاتح ہونے سب سے بڑی سلطنت کے مالک ہونے اور سب سے اعلیٰ تمدن رکھنے کے اپنی زندگی کے کسی شعبہ اور کسی حالت میں بھی سوائے اپنے ہادیٔ برحق کے نمونۂ عمل کے کسی دیگر قانونِ ملکی یا رسومِ قومی یا رواجِ زمانہ کے محتاج نہیں ہوئے اور نہ مسلمان ان امور میں کسی دیگر کی اقتدا جائز جانتے ہیں اور نہ کسی اور کی طرف التفات کرتے ہیں بلکہ ان کا قول یہ ہے۔

ہوتے ہوئے مصطفیٰ کی گفتار
مت دیکھ کسی کا قول و کردار

اور اسی خوبی کی وجہ سے آپؐ جمعہ اور عیدین۔ بلکہ نکاح کے خطبہ میں بھی سامعین کے مجمع عظیم میں باوازِ بلند فرمایا کرتے تھے خَیْرُ الْھَدْیِ ھَدْیُ مُحَمَّدٍ (صلعم) یعنی سب سے بہتر طرزِ زندگی محمد (صلعم) کی طرز زندگی[۱] ہے۔

---

[۱] صحیح مسلم وغیرہ کتب حدیث ۱۲ منہ

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے آباؤ اجداد

باب اول - فصل اول

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ عَلٰى نَعْمَآئِهٖ وَلَهُ الشُّكْرُ عَلٰى آلَآئِهٖ وَالصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلٰى سَيِّدِ اَنْبِيَآئِهٖ وَسَنَدِ اَصْفِيَآئِهٖ وَعَلٰى اٰلِهٖ وَاٰبَائِهٖ وَاَصْحَابِهٖ وَخُلَفَآئِهٖ وَمَنْ تَبِعَهٗ مِنْ اَوْلِيَآئِهٖ اِلٰى يَوْمِ لِقَآئِهٖ

اَمَّا بَعْدُ

تمہید نبی کریم صلعم کی پاک سیرت کے متعلق اردو زبان میں تحریرًا و تقریرًا بہت کچھ بیان ہوتا رہا ہے لیکن آپ کے آباؤ اجداد امجاد کے حالات میں قلمیں اور زبانیں قریبًا بند ہیں (اِلَّا مَاشَآءَ اللّٰهُ) جس کی وجہ غالبًا یہ ہے کہ وہ زمانہ اسلام سے پیشتر ہوئے اس لئے مسلمان اسلامی نقطۂ نگاہ سے اُس زمانہ کے کفرو شرک ظلمت وجہالت کا رونا روئیں یا ان کے گنوں کے گیت گائیں اس خیال نے علماء ومصنفین کی نگاہ کے سامنے ایک سدِّ ذوالقرنینی کھینچ دی اور ہمالیہ کا پہاڑ کھڑا کر دیا اور ان مقتدر ہستیوں اور نامور شخصیتوں کے حالات پردہ خفا میں چھپے رہے۔ اور اسی وجہ سے ذاتی طور پر ان سے کوئی الفت ومحبت اور جذب و

عقیدت بھی پیدا نہ ہو سکی اور نہ لوگوں میں ان کی عظمتِ شان اور جلالتِ قدر کا سکہ جم سکا کیونکہ جب تک کسی کی زندگی کے واقعات اور اس کے بزرگ کارنامے معلوم نہ ہوں اُس سے اُنس محبت پیدا نہیں ہو سکتی۔

عوام میں ان کی بزرگی کی نسبت صرف یہی کافی سمجھا گیا کہ وہ آنحضرت رسُول کریم صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے دادا پردادا تھے لیکن اس تصیر کا نقش بھی اس خیال سے دب کر رہ گیا کہ وہ کنزد جاہلیت کے زمانہ میں ہونے اور فیضِ نبوّت سے مستفیض نہ ہو سکے۔

کچھ اپنی نسبت

گو یہ خاکسار عَیار زمانہ میں کوئی خاص خصوصیت یا امتیازی درجہ یا علمی کمال نہیں رکھتا بلکہ معمولی شُد بُد کے درجے پر ہے۔ لیکن اَلحمدُ لِلّٰہ کہ جس حالت پر بھی ہوں اُس پہ ہونے سے پہلے سے خدائے وہاب نے محض اپنے فضل وکرم سے مجھ ذرّۂ بیمقدار کو اپنے رسُول پاک صلعم کے والدین اور ان سے اوپر کے آباؤ اجداد امجاد سے کمال محبت وعقیدت بخشش کی ہوئی ہے اور میری نظر میں ان کی عظمت و حرمت ہمیشہ بیحد رہی ہے حتیٰ کہ مختلف کتب کی ورق گردانی اور مطالعہ نے اور واقعات سے مردم شناسی کے

نور نے اس فطری ودیعت پر جلوہ افروز ہو کر مجھے اس حقیقت پر پہنچا دیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے آباؤ اجداد شرافتِ خاندانی کے امتیاز کے ساتھ جود و سخا۔ شجاعت و شہامت، عدل و انصاف عفت و پاکدامنی۔ حمیت و غیرت وغیرہ وغیرہ اخلاق فاضلہ سے بھی آراستہ تھے۔ اور ان کی اضداد یعنی بخل و بے فیضی۔ نامردی و بزدلی۔ ظلم و بے دادی۔ فحش کاری و تردامنی بے حمیتی و بے غیرتی ایسے رذیلے اخلاق اور کمینے افعال و حرکات سے مبرا تھے۔

میری یہ رائے محض اس حسن ظنی و خوش اعتقادی سے نہیں کہ وہ آنحضرت صلعم کے آباؤ اجداد ہیں بلکہ اس وجہ سے بھی کہ وہ نبی کریم صلعم کے آباء ہونے کے علاوہ ذاتی طور پر بھی قابلِ احترام و نامور ہستیاں تھیں ہاں یہ ضرور ہے کہ قدرت کی غیب بین نگاہ اور حکمت بین نظر نے اُن کی تربیت ایسے رنگ میں اس لئے کی تھی کہ خلاصۂ موجودات فخر کائنات کی ذات با برکات اصلاب و ارحام طاہرہ سے پیدا ہو۔

اس موضوع کی اہمیت

خاکسار اس موضوع کو خاص اہمیت سے بیان کیا کرتا ہے۔ اور اب بھی اُسی نظر سے لکھتا ہے اس کی

وجہ یہ ہے کہ ایک دفعہ مظفر پور (بہار) میں آریوں سے "الہام وید" پر مباحثہ تھا خاکسار نے آریہ مناظر[1] سے عرض کیا کہ اس امر کا علم کہ فلاں شخص کو خدائے تعالیٰ کی طرف سے الہام ہوا صرف اس ملہم کے بیان و دعوے سے معلوم ہو سکتا ہے کہ وہ یہ کہے کہ مجھ کو الہام ہوتا ہے اور اس کا یہ کہنا ایک دعوے ہے جس میں صدق و کذب ہر دو امر کا احتمال ہے یعنی ہو سکتا ہے کہ اس کا یہ دعوےٰ واقعہ میں حق ہو۔ اور ہو سکتا ہے کہ کذب و افترا ہو پس صدق و کذب کی تمیز کے لئے اس دعوےٰ کے علاوہ کسی دیگر شہادت و معیار کی ضرورت ہے اور ظاہر ہے کہ بہترین شہادت اس مدعی کے شخصی کوائف و خصائل ہو سکتے ہیں پس اگر وید کسی ایک مقدس انسان یا جماعت پر نازل ہوئے تو ان مقدسین کی شخصیت معلوم ہونی چاہیئے تاکہ جن کوائف کے رو سے اس وقت کے مکلفین پر الٰہی حجت پوری ہوئی ہم بھی ان پر نظر کر سکیں کیونکہ ہم کو بھی ویدوں پر ایمان لانے کی دعوت دی جاتی ہے اس کا جواب آریہ مناظر کے پاس اخیر وقت تک سوائے اس کے کوئی نہ تھا کہ ان کو اپنی آخری ٹرن (بار) میں صاف الفاظ میں اقرار کرنا

---

[1] پنڈت رامچندر جی دہلوی ۱۲ منہ

پڑا کہ ہم ان کی شخصیت اور کوائفِ زندگی کے متعلق کچھ بھی بیان نہیں کر ...

خاکسار نے نعرہ تکبیر کی للکار میں اٹھ کر کہا ؎

بلائیں زلفِ جاناں کی اگر لیں گے تو ہم لینگے

سلئے جناب! ہم یہ امور اس لئے دریافت کرتے ہیں کہ ہمنے اپنے رسُول ونبی (صلوات اللہ علیہ وسلامہٗ) کو انہی کے رُو سے پہچانا بلکہ یعنے خداتعالےٰ سے اطلاع پاکر آپؐ نے ہم کو خود رہنمائی کی کہ تم مجھ کو اس نظر سے پہچانو چنانچہ قرآن شریف میں ارشاد ہے۔ اَمْ لَمْ يَعْرِفُوْا رَسُوْلَهُمْ فَهُمْ لَهٗ مُنْكِرُوْنَ (مومنون پ۱۸) "یعنے کیا یہ (اہل مکہ) اپنے رسُول (محمدؐ) کو جانتے پہچانتے نہیں کہ ناواقفی کی وجہ سے اُن کا انکار کرتے ہیں"۔

تفسیر معالم میں اِس آیت کی تفسیر میں حضرت ابن عباسؓ کا قول نقل کیا ہے کہ آپ نے کہا:۔

"کیا نہیں پہچانا انہوں نے محمدؐ صلعم کو بچپن میں بھی اور جوانی میں بھی اور بڑی عمر میں بھی اور پہچانا انہوں نے آپ کی نسب کو بھی اور آپ کے صدق کو بھی اور آپ کی امانتداری کو بھی اور عہد دیانت کو بھی" (جلد ۳ صفحہ ۱۱۶)

نیز فرمایا، فَقَدْ لَبِثْتُ فِيكُمْ عُمُرًا مِنْ قَبْلِهٖ ۚ أَفَلَا تَعْقِلُونَ (یونس پ۱۱) " یعنی (اے پیغمبر!) ان لوگوں سے کہئے کہ) میں (اس دعویٰ نبوت و نزول کلام الٰہی سے پیشتر) ایک (طویل) عمر (چالیس سال)، تم ہی میں رہا ہوں. تو کیا تم (میرے صدق و کذب کو) سمجھ نہیں سکتے"؟

آپؐ قریش کے نامور خاندان بنی ہاشم کے روشن چراغ ہیں مکہ کے نامی گرامی سردار عبدالمطلب کے پوتے ہیں آپؐ کا بچپن سنجیدہ عادتوں سے مزیّن ہے آپ کی جوانی عفت و طہارت کے دامن میں گزری اہل شہر سب اپنے اور بیگانے آپ کو صادق و امین کہہ کر پکارتے تھے غرض آپؐ کسی لحاظ سے بھی گمنام نامعلوم نہ تھے۔ نہ نسب کے رو سے نہ طرز زندگی کے لحاظ سے جن حالات سے اُس وقت کے لوگوں نے آپ کو پہچانا وہ آج تک محفوظ ہیں حالات و کوائف آج کے لوگوں کے لئے بھی رہبر ہو سکتے ہیں:۔ رَبَّنَا آمَنَّا بِمَا أَنْزَلْتَ وَاتَّبَعْنَا الرَّسُولَ فَاكْتُبْنَا مَعَ الشَّاهِدِينَ ○

اس تقریر کا اثر حاضرین پر بیحد ہوا اور مسلمان بے انداز خوشی سے آریہ سماج یعنی مقامِ مباحثہ سے فتحیاب ہو کر واپس ہوئے۔ میں خود اس مضمون سے بہت محظوظ ہوا۔ اور میرے فطری جذبہ عقیدت اور مطالعہ کتب کے

اثر کو اس فتح عظیم نے اور قوت دی اور میں علم الیقین سے درجہ عین الیقین پر پہنچ گیا کہ واقعی خدا کے رسولؐ کی عظمت وشان میں آپ کے اجداد امجاد سونے پر سہاگے کا کام دیتے ہیں لہذا میں نے ضروری خیال کیا کہ اس مضمون کی اشاعت کر کے لوگوں کی توجہ اس طرف مبذول کروں وَاللّٰہُ الْمُوَفِّق

سلسلۂ نسب

محمدؐ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم بن عبد اللہ بن عبد المطلب (شیبہ) بن ہاشم (عمرو) بن عبد مناف (مغیرہ) بن قصیٰ (زید) بن کلاب بن مُرّہ بن کعب بن لوی بن غالب بن فہر بن مالک بن نضر (قیس) بن کنانہ بن خزیمہ بن مُدرکہ (عمرو) بن الیاس بن مضر بن نزار بن معد بن عدنان -

یہاں تک تو سب متفق ہیں لیکن اس سے اوپر حضرت اسمٰعیل علیہ السلام تک کتنی پشتیں ہیں؟ اس میں نساب اور مورخین مختلف[1] ہیں کسی نے کم کسی نے زیادہ بتائیں

---

[1] اس اختلاف کی دو صورتیں ہیں تعداد آبا میں کمی بیشی اور بعض اسماء میں اختلاف صورت اول کا حل اس طرح ہے کہ سلسلہ نسب میں بعض اشخاص بہت مشہور اور نامور ہوتے ہیں اور بعض کم اور بعض بالکل مشہور نہیں ہیں

امام طبریؒ نے رسول اللہ صلعم کا سلسلۂ نسب بیان کرتے ہوئے حضرت اسماعیل علیہ السلام تک سب کا ذکر کیا ہے جن میں ہوتے سو بعض اوقات نسبت کے وقت اوپر کے نامور باپ دادا کا ذکر کر دیا جاتا ہے اور غیر مشہور کا نہیں کیا جاتا علم حدیث میں اسماء الرجال پر نظر رکھنے والوں کو اس کی مثالیں کثرت سے مل سکتی ہیں ابن شہاب ابن حزم میں اسی قسم کی اضافتیں ہیں اور اسی لئے آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو بھی ابن عبدالمطلب کہتے تھے اور آپ خود بھی اپنے آپ کو ابن عبدالمطلب کہتے تھے حالانکہ عبدالمطلب آپ کا دادا تھا۔ یہ اس لئے تھا کہ آپؐ کے والد عبداللہ شروع جوانی میں فوت ہو گئے اور سوائے عبدالمطلب کا بیٹا ہونے کے کوئی شہرت حاصل نہ کر سکے اور عبدالمطلب صاحب اپنے وقت میں ایک مسلّم سردار اور بہت مشہور و نامی گرامی رئیس تھے۔

پس جس نسّاب نے آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے اجداد کا استقصار کیا اس کے بیان میں تعداد زیادہ آئی اور جس نے چیدہ و نامور اشخاص پر اکتفا کی اس کے بیان میں تعداد گھٹ گئی اور صورتِ دُوُم کا حل اس طرح ہے کہ بعض اشخاص اپنے اصلی نام کے سوا دوسرے نام سے زیادہ مشہور ہوتے ہیں اور بعض ایک سے زیادہ ناموں سے مشہور رہتے ہیں تو کسی نے اس کا ذکر کسی نام سے کیا۔ دوسرے نے اسی کا ذکر دوسرے نام سے کیا تو پڑھنے سننے والے نے سمجھ لیا کہ یہ اور ہے اور وہ اور ہے حالانکہ شخص ایک ہی ہے صرف نام میں اختلاف ہے اسی لئے ہم نے آپؐ کے نسب نامے میں بعض آباء کے مشہور نام کے بعد دوسرے نام بھی خطوط ہلالی میں لکھ دیئے ہیں مثلاً عبدالمطلب کہ ان کا اصلی نام یہ نہیں ہے بلکہ شیبہ ہے اور ہاشم کہ ان کا بھی یہ اصلی نام نہیں

سے تین طریق سے کوئی چالیس آباؤ اجداد کے نام لکھے ہیں۔ اور یہی گنتی تعداد میں سب سے زیادہ اور اعتبار میں سب سے بڑھ کر ہے۔

بلکہ اصلی نام عمرو ہے۔

دیگر یہ کہ زبانوں کے اختلاف کے سبب تلفظ اور حروفِ کتابت میں فرق پڑ جاتا ہے مثلاً حضرت اسماعیل علیہ السلام کے بارہ بیٹوں کے نام جو بائیبل میں کتاب پیدائش میں ہیں اگر ان کا مقابلہ ان ناموں سے کریں جو امام طبریؒ نے اپنی تاریخ میں ذکر کئے ہیں تو کتنا فرق معلوم ہوتا ہے۔

دیگر یہ کہ حضرت اسماعیلؑ کا زمانہ بہت بعید ہے اور دور تک کے سلسلۂ نسب میں ناموں کی تعداد اور تعیین میں اختلاف ہو جانا کوئی بعید بات نہیں ہے اس کے نظائر ہم روزمرہ دیکھتے سنتے رہتے ہیں چونکہ عدنان کا حضرت اسماعیل علیہ السلام کی نسل سے ہونا سب نسابوں کے نزدیک مسلّم تھا اور وہ ایک نامور شخص تھا اس لئے اس سے اوپر حضرت اسماعیلؑ تک سب اجداد کے نام بالضرورت نہ جانتے تھے بلکہ مشہور مشہور اشخاص کے نام لے کر مختصراً ذکر کر دیتے تھے علامہ ابن خلدون مغربی اپنی تاریخ میں جو کچھ فرماتے ہیں اس کا خلاصہ یہ ہے۔

"نسب دان علماء کے اتفاق سے عدنان کی نسب حضرت اسماعیلؑ تک صحیح ہے اور اس کے اور حضرت اسماعیلؑ کے درمیان جو آباؤ اجداد ہیں ان کی تعداد قلت وکثرت میں مختلف ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نسب عدنان تک نسب دان علماء کے اتفاق سے صحیح ہے۔ ۱۲ منہ (بقیہ جلد ثانی)

خاندانی حیثیت

حضرت ابراہیم (علیہ السلام) کے بیٹے حضرت اسماعیل (علیہ السلام) نے اپنی والدہ ماجدہ حضرت ہاجرہ (علیہا السلام) کے ملکِ عرب میں کوہستانِ فاران[1] میں آباد ہوئے یہیں خدا تعالےٰ نے اُن کے بیٹے کے لئے ایک چشمہ نمودار کیا جس کا نام آخر کار چاہِ زمزم ہوا یہاں پر ایک شہر بھی آباد ہو گیا جس کا نام بکہ یا مکہ[2] ہوا اسی کے قریب منیٰ میں حضرت اسماعیلؑ ذبیح اللہ کی یادگار خدا کی قربانگاہ مقرر ہوئی اس میں دونوں باپ بیٹے حضرات ابراہیم و اسماعیل (علیہما السلام) نے خدا کے حکم سے کعبہ از سرِ نو تعمیر کیا اور اس کا نام بیت اللہ رکھا کہ یہ خالص خدا کی عبادت کے لئے بنایا گیا تھا جیسا کہ مولٰنا حالی مرحوم نے کہا ہے

وہ دنیا میں گھر سب سے پہلا خدا کا خلیل ایک معمار تھا جس بنا کا

انبیائے سابقین (علیہم السلام) کو بھی اسی گھر کے حج کا حکم تھا جس کسی نے حج کیا اسی کا کیا حضرت شعیب[3] حضرت موسیٰ علیہما السلام نے اسی گھر کا حج کیا حضرت عیسےٰ علیہ السلام بھی آخری زمانہ میں نازل ہوں گے تو اسی گھر کا حج کریں

---

[1] کتاب پیدائش باب ۲۱ درس ۲۱ [2] کتاب پیدائش ۲۱/۲۹ [3] زبور ۸۴/۶

گئے (صحیح مسلم)

حضرت اسماعیلؑ کے بارہ[۱۲] بیٹے تھے۔ نبیت[۱] (نابت)، قیدار[۲]، ادبیل[۳]۔ مبسام[۴]۔ مسمع[۵]۔ دومہ[۶]۔ منشا[۷]۔ حدر[۸]۔ تیمہ[۹]۔ الطور[۱۰]۔ نفیس[۱۱] اور قدمہ[۱۲] لہ

یہ سب اپنی امتوں کے بارہ رئیس[۲] تھے یہ سب عرب کے مختلف علاقوں میں آباد ہوئے۔ عرب کے کئی ایک شہران کے نام پر آباد ہوئے جو اُن کا نشان بتاتے ہیں مثلاً دومۃ الجندل۔ تیما۔ قدوم وغیرہ وغیرہ۔

عرب کے کل قبائل نبیت اور قیدار کی نسل سے ہیں[۳] باقیوں کی نسل کا حال مابعد کے زمانوں میں معلوم نہیں ہوا قیدار کی نسل سے کوئی چالیسویں پشت میں ایک شخص عدنان ہوتے جو بہت نامور اور مشہور تھے ان کی نسل کثرت سے

لہ ہم نے ان ناموں کا یہ تلفظ اور رسم الخط بائیبل کی کتاب پیدائش باب ۲۵۔ درس ۱۳ کے موافق لکھا ہے تاکہ عیسائیوں پر حجت ہو اور اسی طرح اس کتاب میں جہاں کہیں اہل کتاب کی کتابوں کے حوالے دیے جائیں گے۔ وہاں پر یہی غرض ہوگی عربی تواریخ مثلاً ابن جریر ابن خلدون ابن اثیر اور حافظ ابن کثیرؒ میں ان ناموں کا تلفظ اور رسم الخط کسی قدر مختلف ہے جو عبرانی اور عربی دو زبانوں کے اختلاف کے سبب پیدا ہو گیا ہے۔

۲ لہ کتاب پیدائش ۲۵/۱۶ ۱۲ منہ

۳ لہ ابن جریر جلد اول صفحہ ۱۶۱۔

ہوئی اور ملک میں ہر طرف پھیل گئی اور خوب اقتدار پایا انہی کی نسل سے آنحضرت (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) ہیں[1]۔ اگرچہ آپ کے آبائی خاندان قریش کا حضرت ابراہیمؑ کی نسل سے ہونا ثبوتِ شرافت کے لئے کافی ہے لیکن ہم اس جگہ یہ ظاہر کرنا چاہتے ہیں کہ آپؐ کے سلسلۂ نسب کی ایک ایک کڑی جس سے آپ پیدا ہوئے اپنے اپنے وقت میں نہایت نامور اور معزز شخصیت تھی۔ شیخ محمد خضری مصری نہایت عمدگی سے اِس مضمون کو بیان کرتے ہیں:۔

(۱) "آپ کے سب آباء واجداد اور آپ کی سب مائیں یعنی والدہ اور نانیاں اور دادیاں پاکباز تھیں اور آپ ایسے ہی

---

[1] ازالہ شبہ۔ بعض مورخین نے ذکر کیا ہے کہ عدنان کی نسبت بھی اختلاف ہے کہ وہ نبیت کی اولاد سے ہیں یا قیدار کی سے یہ ان کی غلط فہمی ہے وجہ غلطی کی یہ ہوئی کہ نبیت نام دو شخصوں کا ہوا ہے ایک تو حضرت اسماعیلؑ کے پہلوٹھے بیٹے کا دوسرا آپ کے دوسرے بیٹے قیدار کے بیٹے کا نام بھی نبیت تھا (دیکھو تاریخ طبری جلد دوم صفحہ ۱۹۳-۹۲)۔ انہی کی نسل سے عدنان تھے نسب نامہ پر صحیح نظر نہ رکھنے سے یہ غلطی پڑ گئی کہ یہ نبیت حضرت اسماعیلؑ کے بیٹے ہیں حالانکہ وہ آپ کے بیٹے قیدار کے بیٹے ہیں۔ فافہم ولا تغفل ۱۲ منہ

پاک باپوں کی پشتوں سے اور ایسی پاک ماؤں کے رحموں میں منتقل ہوتے چلے آئے حتیٰ کہ خدا تعالیٰ نے (پیدا کرکے) آپ کو دنیا جہان کا، ہادی باہدایت بنانا پسند کیا "

(۲) اور اے قاری! تو آپ کے سب آباؤ اجداد کو نہایت بزرگ اور قابل تکریم پائے گا ان میں کوئی بھی رذیل اور کمینہ نہیں ہوا بلکہ وہ سب کے سب سردار اور قائد ہوئے ہیں اور اسی طرح آپ کے آباؤ اجداد کی مائیں بھی نہایت بلند قدر قبیلوں سے تھیں"

(۳) " ان میں سے ایک جوڑ بھی ایسا نہیں ہوا جن کا جوڑ شرعی نکاح سے نہ ہوا ہو"

(۴) " اور یہ شرافتِ نسبی اور طہارتِ ولادت شروطِ نبوت سے ہے (نور الیقین صفحہ)

آنحضرتؐ کے آبا کا مجمل بیان

پیغمبر صلعم کے والد عبد اللہ نہایت خوبصورت اور نیک سیرت تھے قریشی نوجوانوں میں ان کا کوئی جواب نہیں تھا۔ نسب کی بلندی صورت کی خوبی طبیعت کی سنجیدگی و شرافت مزاج کی متانت اور کیریکٹر کی طہارت کی وجہ سے کئی گھروں میں ان کو دامادی میں لینے کی آرزو تھی رشتہ گندرتے تو لوگوں

کی آنکھیں تکتی کی تکتی رہ جاتیں ان کی پیشانی میں نور تھا جو دیکھنے والوں کے دل کو آنکھ کے رستے کھینچ لیتا تھا چنانچہ بعض واقعات ہم آئندہ اِن کے مفصّل حالات میں ذکر کریں گے انش،

اسی طرح آپ کی والدہ بی بی آمنہ خاتون - خاندانی شرافت اور اخلاقِ طہارت اور حسنِ صورت اور خوبیِ سیرت اور شرافتِ طبع اور سنجیدگی مزاج اور خدا داد عقل و تمیز میں قریشی لڑکیوں میں اپنا جواب نہیں رکھتی تھیں جیساکہ آئندہ انشاء اللہ مفصّل ذکر ہوگا۔

آپ کا دادا عبدالمطلب اور پردادا ہاشم بڑے نامی سردار تھے دور و نزدیک تمام ملک میں اپنوں میں پرایوں میں بلکہ نواحِ عرب کے بادشاہوں اور رئیسوں کے درباروں میں بھی نہایت عزت واحترام سے دیکھے جاتے تھے تمام لوگ اپنے نزاعی امور میں اِن کی طرف رجوع کرتے تھے اور جو کچھ ان کی زبان سے نکلتا اُسے بسر وچشم منظور کر لیتے تھے حج کا انتظام انہی کے متعلق تھا اور وہ حجاج کے آرام و آسائش کے لئے سب امورِ مفوضہ کو ایسے احسن طریق پر انجام دیتے تھے کہ تمام ملک میں ان کی تعریف کے گیت گائے جاتے تھے علاوہ ان قومی خدمات کے اُن کا دسترخوان اتنا وسیع تھا کہ اپنے

بہائے شہر دار و مسافر اس سے یکساں فیضیاب ہوتے تھے عام سخاوت اور فیض رسانی نے ان ہر دو کو تمام لوگوں کی نظر میں عزیز و معزز کر رکھا تھا (ملخص از بلوغ الارب ج ۱ ص ۲۵۳)

بعض مفسرینؒ نے سورتِ شعراء پارہ (۱۹) کی آیت وَتَقَلُّبَكَ فِي السّٰجِدِيْنَ میں سَاجِدِیْن سے آپ کے آباء واجداد مراد لئے ہیں (تفسیر معالم وغیرہ)

پس مناسب ہے کہ ہم ان میں سے بعض بڑی بڑی شخصیتوں کا کسی قدر تفصیل سے ذکر کریں تاکہ ظاہر ہو جائے کہ "ایں خانہ ہمہ آفتاب است" وَاللہ الموفق

حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ الصّلوٰۃ والسّلام

(۱) حضرت ابراہیمؑ کا نسب نامہ دس ۱۰ واسطوں سے حضرت نوحؑ سے اور تیرہ ۱۳ واسطوں سے حضرت ادریسؑ سے اور ستر ۱۷ واسطوں سے حضرت شیثؑ سے جا ملتا ہے جو حضرت آدمؑ کے تیسرے بیٹے تھے

(۲) بائیبل کی پہلی کتاب (پیدائش) میں حضرت ابراہیمؑ پر خدا تعالٰے کی مہربانیوں کا ذکر بہت ہے لیکن اُن کی نبوّت اور ان کے تبلیغی مشن (دعوت الی اللہ اور تعلیم شریعت) کے متعلق کچھ بھی مذکور نہیں جس سے پتہ لگ سکے۔ کہ

اُن پر خدا تعالیٰ کی یہ مہربانیاں اس لئے تھیں کہ وہ حضرت نوح ؑ کے بعد خلقت میں ضلالت و بت پرستی شائع ہو جانے پر بحکم خدا اس کی توحید کے علمبردار ہوئے اور انہوں نے اشاعت توحید میں سخت سے سخت مصائب برداشت کیں حتیٰ کہ اپنا جسم و جان آتش نمرود کے لئے وقف کر دیا جس سے خدا تعالیٰ نے آپ کو بال بال بچا لیا اور کوئی بھی گزند نہ پہنچنے دیا۔ فَاَنْجٰهُ اللّٰهُ مِنَ النَّارِ (عنکبوت پ ۲۰ ع ۲)

(۳) بائیبل میں آپ کے ترکِ وطن اور ہجرت کا بھی ذکر ہے لیکن اس کے سبب میں ایک حرف بھی مرقوم نہیں کہ یہ ہجرت دین کو بچانے اور خدا کی عبادت امن سے کرنے کے لئے تھی۔ یا یونہی آرام و آسائش یا تلاش معاش کیلئے تھی کیونکہ جب جابروں اور ظالموں کے جبر و استبداد کے سبب خدا کے پرستاروں پر خدا کا نام لینے اور اس کی عبادت امن سے کرنے کے لئے ان کے وطن میں زمین تنگ ہو جاتی ہے تو وہ بموجب حکم يٰعِبَادِيَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنَّ اَرْضِيْ وَاسِعَةٌ فَاِيَّايَ فَاعْبُدُوْنِ (عنکبوت پ ۲۱ ع ۲)[1] ہجرت و ترکِ وطن کرتے ہیں اور خدا کا نام اور اس کی عبادت نہیں چھوڑتے ایسے لوگوں کے لئے خدا تعالیٰ کا حتمی وعدہ ہے لَنُبَوِّئَنَّهُمْ

[1] یعنی اے میرے ایماندار بندو! بیشک میری زمین بہت فراخ ہے پس میری عبادت کرنا ۱۲

فِی الدُّنْیَا حَسَنَۃً ط وَلَاَجْرُ الْاٰخِرَۃِ اَکْبَرُ مَا (النحل پ۱۴ ع۶)[1] لیکن جو لوگ تلاش معاش میں وطن چھوڑیں اور کسی دوسری زمین میں بود و باش اختیار کر لیں ان کے ساتھ خدا تعالیٰ کے یہ وعدے نہیں ہیں۔

غرض بائیبل میں حضرت ابراہیمؑ کے ترکِ وطن یا دیگر امور کے متعلق جو کچھ بھی مذکور ہے وہ بطور قصہ کہانی کے ہے جس سے اُن کی نشان نبوت اور تبلیغ احکام اور خدا کی راہ میں تحمل مصائب پر کچھ روشنی[2] نہیں پڑتی، اور اگر کچھ معلوم ہو سکتا ہے تو یہی کہ آپ نے کال سے بیحال ہو کر تلاش معاش کے لئے وطن چھوڑا۔

---

[1] پوری آیت کا ترجمہ یوں ہے۔ اور جن لوگوں نے ہجرت کی اللہ کی راہ میں بعد مظلوم ہونے کے البتہ ہم ان کو ضرور ضرور دنیا میں بھی نیک جگہ دیں گے اور البتہ اجر آخرت کا بہت بڑا ہے ۱۲ منہ

[2] ہم اس موقعہ پر اپنے ناظرین کی خدمت میں التماس کرتے ہیں کہ وہ خدا کے لئے ہمارے بیان بالا کو ذہن میں رکھ کر اور ایک نبی اللہ کی شان کو خاطر میں رکھ کر بائیبل کی کتاب پیدائش کے بارھویں باب سے سولھویں باب تک نہایت دلچسپی سے مطالعہ کریں۔ پھر اس کے بعد قرآن شریف میں سے سورت عنکبوت کا دوسرا اور تیسرا رکوع بغور مطالعہ کریں تو آپ کو واضح ہو جائے گا کہ قرآن شریف انبیاءؑ کی غرض بعثت کو ملحوظ رکھ کر ان کی تاریخ کو محفوظ رکھنا چاہتا ہے کہ لوگ انکی اقتدا کریں اور بائیبل میں انکے بیانات صرف قصہ و کہانی کے طور پر مذکور ہیں بلکہ بعض انبیاءؑ کے بعض واقعات ایسے بھی مندرج ہیں جنکے پڑھنے سے شرم آتی ہے والعیاذ باللہ ۱۲ منہ

حضرت ابراہیمؑ کے نسب نامہ سے واضح ہے کہ حضرت آدمؑ کے بعد تین انبیاء اللہ ہیں شیثؑ ادریسؑ اور نوحؑ علیہم السلام، اور آپ کی اولاد اور اولاد در اولاد میں جو انبیاء ہوئے ان کی تعداد خدا جانے حتیٰ کہ خاتم النبیین بھی انہی کی اولاد سے ہوئے جن کے سوانح قدسیہ سے یہ اوراق زیب پا رہے ہیں۔ اس سے ظاہر ہے کہ حضرت ابراہیمؑ کا خاندان تمام تر آفتاب و مہتاب ہے پس کسی شخص کی نسب کا حضرت ابراہیمؑ سے مل جانا تمام شرافتوں (دینی و دنیوی) کا ضامن ہے چنانچہ فرمایا۔ وَلَقَدِ اصْطَفَيْنَاهُ فِي الدُّنْيَا وَإِنَّهُ فِي الْآخِرَةِ لَمِنَ الصَّالِحِينَ (البقرہ پ ۱ ع ۱۶)[1]

حضرت ہاجرہ علیہا السّلام

حسب بیان بائیبل حضرت ابراہیمؑ کی تین بیویاں تھیں۔ سارہؓ (سری)، جو آپ کے چچا ہاران کی بیٹی تھیں ہاجرہؓ شاہِ مصر کی بیٹی تھیں اور بائیبل میں ایک غرض سامنے رکھ کر ان کو مصری لونڈی کہا گیا ہے اور قطوراؓ جس سے آپ نے حضرت سارہؓ کی وفات کے بعد شادی کی[2] یہ

---

[1] اور البتہ تحقیق چنا ہم نے اس کو دنیا میں اور بے شک وہ آخرت میں بھی صالحین سے ہے۔ ۱۲ منہ [2] کتاب پیدائش باب ۲۵ آیت اوّل ۱۲ منہ

بھی شاہزادی تھیں۔

سب سے پہلے حضرت ہاجرہؑ کے بطن مبارک سے حضرت اسمٰعیلؑ پیدا ہوئے ان کے تیرہ ۱۳ سال بعد حضرت سارہؑ کے بطن مبارک سے حضرت اسحاقؑ پیدا ہوئے اور قطورہؑ سے بھی کئی ایک بیٹے پیدا ہوئے لیکن ان میں سے کسی کا نبی ہونا معلوم نہیں ہوا۔

حضرت سارہ اور ان کے فرزند حضرت اسحاق علیہما السلام کے متعلق مسلمان ایک حرف بھی نہیں کہہ سکتے کیونکہ ان کی تعریف قرآن شریف میں بیش از بیش ہے۔ اور بنی قطورہ میں سے کسی کا نبی ہونا معلوم نہیں ہوا اس لئے ان کے ذکر کی ضرورت نہیں۔ باقی رہے حضرت ہاجرہؑ اور حضرت اسمٰعیل علیہما السلام سو اُن کی اولاد سے ہمارے نبی کریم صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم ہیں اور آپ ہی کی ذاتِ بابرکات ہماری اس کتاب کا موضوع ہے اس لئے ہم ان کے حالات کسی قدر تفصیل سے لکھتے ہیں اور مصنفین کتب موسویہ نے (جن کو غلطی سے توریت سمجھا گیا ہے) حضرت ہاجرہ کی شان کو گھٹانے کے لئے بنا بر حسد خاندانی جو کچھ غلط بیانی کی ہے اُسے بھی جگہ بجگہ نمایاں کرتے جائیں گے (وباللہ التوفیق)

بائیبل میں حضرت ہاجرہ علیہا السلام پر اُن کی اولاد

پر بھی خدا تعالیٰ کی بہت سی برکتوں کا ذکر ہے لیکن اُن کی حیثیت کو ایسی طرح پر گھٹایا گیا ہے کہ عیسائیوں کو حضرت ہاجرہ سے اور اُن کی اولاد سے ان انعامات واکرامات کے باوجود بھی کوئی اُنس وحسنِ اعتقاد پیدا نہیں ہوسکا بلکہ برخلاف اس کے ایک قسم کی نفرت و غلظت پیدا ہوگئی ہے جو اُس وہمی خود ساختہ منقصت کے ہوتے بھی پیدا نہیں ہونی چاہیئے تھی کیونکہ مذہبی دائرہ میں جس پر خدا تعالےٰ کے روحانی انعام و اکرام پائے جائیں وہ لائق عقیدت اور قابل محبت و تعظیم ہوتا ہے چاہے دُنیوی نقطہ نگاہ میں وہ کون ہے اور اس کی حیثیت کیا ہے؟ مثلاً سب جانتے ہیں کہ ابولہب صنادیدِ قریش سے تھا اور بہت مالدار تھا۔ اور حضرت بلالؓ قریشیوں کے زرخرید غلام تھے اور حضرت عیسیٰؑ کے بعض حواری ماہی گیر تھے اور آپ کی تکذیب کرنے والے یہودی انبیاء زادے تھے۔ تو کیا خدا کی نگاہ میں یہ سب برابر ہیں۔

بائیبل کی کتاب پیدائش میں حضرت ہاجرہؑ کو حضرت سارہؑ کی لونڈی کہا گیا ہے لیکن اُن کی وجہ ملکیت کے متعلق بتایا نہیں گیا کہ آیا آپ نے ان کو کہیں سے خریدا تھا یا ورثہ یا ہبہ میں پایا تھا یا مالِ غنیمت میں حاصل کیا تھا

بغیر ثبوت و دلیل کے کسی کو غلام کہہ دینا اور لوگوں کی نظروں میں اس کی حیثیت کو گھٹا دینا جائز نہیں ہے بلکہ کذب اور ناراستی کی تشہیر ہے۔ جو بہت مذموم صفت ہے۔

بائیبل کی کتاب پیدائش کے سولہویں باب میں لکھا ہے

(۱) "اور سرّی ابرام کی جورو کوئی لڑکا نہ جنی اور اس کی ایک مصری لونڈی تھی جس کا نام ہاجرہ تھا (۲) اور سرّی نے ابرام سے کہا کہ دیکھ خداوند نے مجھے جننے سے باز رکھا آپ میری لونڈی کے پاس جایئے شاید اس سے میرا گھر آباد ہووے۔" [۱]

اس سے پیشتر بارہویں باب میں حضرت ابراہیمؑ کے سفر مصر کا بھی ذکر ہے لیکن اس میں مطلقاً مذکور نہیں کہ حضرت سارہؑ نے حضرت ہاجرہؑ کو مصر سے خریدا۔ بائیبل میں حضرت ہاجرہؑ کا ذکر سب سے پہلے اسی مقام (یعنی سولہویں باب) میں آیا ہے۔ پس مصنف کتاب پیدائش کا (جو محققین کے نزدیک حضرت موسیٰؑ کے قریباً تین سو سال بعد لکھی گئی)

[۱] اس باب کی پہلی اور دوسری آیت میں تو حضرت ہاجرہؑ کو لونڈی کہا گیا ہے لیکن اس سے آگے تیسری آیت میں صاف الفاظ میں حضرت ہاجرہؑ کے لئے جورو کا لفظ لکھا ہے حیرانی ہے کہ ایک عورت بیک حالت میں ایک شخص کی لونڈی بھی ہو اور اس کی جورو بھی ہو۔ ۱۲۔ میر سیالکوٹیؒ

بغیر دلیل کے اتنا لکھ دینا کہ حضرت ہاجرہؑ حضرت سارہؑ کی لونڈی تھیں اہل تحقیق کے نزدیک موجب حیرانی ہے اب سنئے کہ محققین اہل اسلام کے نزدیک حضرت ہاجرہؑ شاہی خاندان سے تھیں چنانچہ علامہ قسطلانیؒ شرح صحیح بخاری میں بصیغہ جزم فرماتے ہیں کَانَ اَبُوْهَا جَرُ مِنْ مُلُوْكِ الْقِبْطِ یعنی ہاجرہؑ کا باپ ملوکِ قبط سے تھا اور حافظ ابن حجرؒ نے فتح الباری میں اور علامہ عینی نے عمدۃ القاری میں جو بصیغہ یُقال کہا ہے تو صیغہ مجہول کبھی عام صحت وشہرت پر بھی بولا جاتا ہے اور تضعیف نہیں گنا جاتا جیسا کہ بعض ایسی تعلیقات صحیح بخاری میں بھی ہیں (مقدمہ فتح الباری صفحہ ۱۶/۱۴)

پس اس کے معنی یہ ہوں گے کہ عام طور پر کہا جاتا ہے کہ وہ ملوک قبط کے خاندان سے تھیں اسی طرح مولوی عنایت رسول صاحب مرحوم چڑیاکوٹی نے اس کے متعلق ایک خاص رسالہ بنام النصوص الباہرہ لکھا ہے[۲] - اور اس میں بعض مفسرین توریت کی تصریحات سے ثابت کیا ہے کہ حضرت ہاجرہؑ شاہِ مصر کی بیٹی تھیں جو انہوں

[۱] قسطلانی جلد ۵ ص ۲۴۳ مطبوعہ مصر [۲] یہ رسالہ خطبات احمدیہ میں خطبہ اولیٰ کے ضمن میں ص ۱۶۳ سے ص ۱۷۰ تک چھپ چکا ہے ۱۲

نے حضرت سارہؑ پر خدائی انعامات واکرامات کا مشاہدہ کر کے ان کی خدمت میں دیدی تھیں۔

تنبیہا بائیبل کے اندراج اور عیسائی قوم کے عام پروپاگنڈا سے بڑے بڑے لوگوں کو بھی مغالطہ لگ گیا ہے حتیٰ کہ بعض نے لکھ دیا ہے کہ حضرت ہاجرہؑ لونڈی تھیں لیکن یہ خیال کرنا چاہیئے کہ بائیبل کی کتاب پیدائش جس میں یہ اندراج ہے الہامی نہیں ہے۔ وہ ایک انسانی تصنیف ہے اور اس کے مصنف[1] نے اس کا کوئی صحیح یا غلط ماخذ بتایا نہیں۔ پس صرف کتاب پیدائش کا اندراج جو خود محتاج ثبوت ہے وجہ ثبوت میں پیش نہیں ہو سکتا اور حدیث بخاری میں جو اَخْدَمَهَا هَاجَرَ آیا ہے اس میں بھی حضرت ہاجرہؑ کے لونڈی ہونے کی دلیل نہیں کیونکہ یہ تو فریقین کے نزدیک مسلّم ہے کہ شاہِ مصر نے حضرت ابراہیمؑ کو بہت سے تحائف اور مال ودولت دے کر رخصت کیا تھا پس اَخْدَمَهَا هَاجَرَ

---

[1] اول تو یہ بھی متعین نہیں کہ ان کا مصنف کون ہے؟ کیونکہ مفسرین توریت کی اس میں کئی رائیں ہیں اور پھر یہ کہ اس میں کئی ایک مقامات پر کمی بیشی بھی ہو جانی مسلّم ہے (دیکھو تفسیر لوبل صاحب مطبوعہ لندن ۱۸۰۱ء) ۱۲ منہ۔

کے صحیح معنے یہی ہیں کہ حضرت ہاجرہؑ کو حضرت سارہؑ کی خدمت میں دے دیا اور قابل تعظیم بزرگوں اور پیشواؤں کے متعلق ایسا ہی محاورہ ہے اس میں حضرت ہاجرہؑ کی شخصیت وحیثیت کے متعلق کوئی امر بھی فیصلہ کن نہیں ہے خسر اپنے واجب التعظیم داماد کے سامنے اپنی بیٹی کی بابت یہ کہہ دے کہ یہ آپ کی لونڈی ہے یہ آپ کی خادمہ ہے بلکہ وہ بی بی اگر اپنے خاوند کو بزبان خود بھی کہے کہ میں آپ کی خادمہ ہوں میں آپ کی لونڈی ہوں تو یہ سب باتیں بطور مجاز بہ سبیل تواضع ہوں گی نہ کہ حقیقتِ نفس الامری پس اَخْذَمَهَا هَاجَرَ میں مجازی معنی ہیں اور ایسے الفاظ سے ہر ایک کے دل میں وہی معنے آتے ہیں جو سابقاً اس کے ذہن میں مرتسم ہوتے ہیں جن مصنفوں کے دماغ پر عیسائیوں کے پروپاگنڈا کا اثر پڑ چکا تھا انہوں نے اگر مصنفِ توریت کے ماخذ کی پڑتال نہ کی اور اَخْدَمَهَا کے معنے لونڈی کئے تو یہ ان کے فہم کی بات ہے نہ از جنس کلام ثبوت۔

اسی طرح حضرت ابراہیمؑ کی تیسری بیوی حضرت قطورہؓ کے حسب نسب کی بابت بھی مصنفِ کتاب پیدائش نے کچھ نہیں بتایا جس سے صاف واضح ہو جاتا ہے کہ مصنف

نے حضرت ابراہیمؑ کے حالات دکوائف حضرت ابراہیمؑ کی شخصیت کی عظمت کو ملحوظ رکھ کر نہیں لکھے بلکہ لوگوں کی نظر میں صرف حضرت اسحٰقؑ اور بنی اسحٰق کی عظمت بٹھانے کے لئے لکھے ہیں حضرت اسحٰقؑ اور ان کی اولاد کی عظمت میں شک نہیں لیکن یہ عظمت حضرت ابراہیمؑ سے شروع ہوتی ہے پس حضرت ابراہیمؑ اور ان کے اہلبیت سب کی عظمت بیان کرنی چاہیئے جیسا کہ صحیح بخاری میں حضرت یوسفؑ کی نسبت آنحضرتؐ کے کلمات طیبات ہیں اَلْکَرِیْمُ ابْنُ الْکَرِیْمِ ابْنِ الْکَرِیْمِ ابْنِ الْکَرِیْمِ یُوْسُفُ بْنُ یَعْقُوْبَ بْنِ اِسْحٰقَ ابْنِ اِبْرَاھِیْمَ یہ ہے انبیاء علیہم السلام کی قدردانی اور ان کی تعظیم وتکریم کی نشانی۔

غرض مصنف کتاب پیدائش نے ایک سائیڈ (جانب) کو سامنے رکھا اور دوسری سے چشم پوشی کر دی۔ جو ایک محقق مؤرخ کی شان کے لائق نہیں۔

حالانکہ حضرت قطورہؓ بھی شاہزادی تھیں۔ چنانچہ حافظ ابن حزم قرطبیؒ کتاب الفصل میں فرماتے ہیں:۔ د

لہ صحیح بخاری کتاب الانبیاء باب اَمْ کُنْتُمْ شُھَدَآءَ اِذْ حَضَرَ یَعْقُوْبَ الْمَوْتُ

یعنی بزرگ بزرگ کا بیٹا وہ بھی بزرگ کا بیٹا اور وہ بھی بزرگ کا بیٹا۔ یعنی یوسف بن یعقوب بن اسحٰق بن ابراہیم (علیہم السلام) ۱۲ منہ

فِی کُتُبِھِمْ اَنَّ قَطُوْرَۃَ ھٰذِہٖ بِنْتُ مَلِکِ الرَّبَذِ وَھُوَ مَوْضِعُ عُمَانَ اَلْیَوْمَ بِقُرْبِ الْبَلْقَاءِ یعنی انہی کی کتابوں میں مذکور ہے کہ یہ قطورہؓ شاہِ ربذ کی بیٹی تھیں اور ربذ وہ مقام ہے جسے آج عُمان کہتے ہیں اور وہ بلقار کے قریب ہے۔

حضرت ہاجرہؓ اور اُن کے فرزند حضرت اسمٰعیلؑ پر الٰہی برکات

کتاب پیدائش میں سے حضرت ہاجرہ اور حضرت اسمٰعیل (علیہما السلام) کے متعلق بعض اقتباسات جن کو ہمارے موضوع اور عنوانِ باب سے تعلق ہے حسب ذیل ہیں۔

باب ۱۶ (۱۰) پھر خداوند کے فرشتے نے اسے (ہاجرہؑ کو) کہا کہ میں تیری اولاد کو بہت بڑھاؤں گا کہ وہ کثرت سے گنی نہ جائے گی۔ (۱۱) اور خداوند کے فرشتے نے اسے کہا کہ تو حاملہ ہے اور ایک بیٹا جنے گی اس کا نام اسمٰعیل (خدا سنے گا) رکھنا کہ خداوند نے تیرا دکھ سُن لیا (۱۵) اور ہاجرہؑ

---

[1] کتاب الفصل ج اول صفحہ ۱۳۶ مطبوعہ مصر ۱۲ منہ

ابرامؑ (ابراہیمؑ) کے لئے بیٹا جنی اور ابرامؑ نے اپنے بیٹے کا نام جو ہاجرہؑ جنی اسمٰعیلؑ رکھا (۱۶) اور جب ابرامؑ کے لئے ہاجرہؑ سے اسمٰعیلؑ پیدا ہوا تب ابرامؑ چھیاسی برس کا تھا۔

باب ۱۷ (۹) پھر خدا نے ابرام سے کہا کہ تو اور تیرے بعد تیری نسل پشت در پشت میرے عہد کو نگاہ رکھیں (۱۰) اور میرا عہد جو میرے اور تمہارے درمیان اور تیرے بعد تیری نسل کے درمیان ہے جسے تم یاد رکھو سو یہ ہے کہ تم میں سے ہر ایک فرزند نرینہ کا ختنہ کیا جائے (۱۱) اور تم اپنے بدن کی کھلڑی کا ختنہ کرو اور یہ اس عہد کا نشان ہوگا۔ جو میرے اور تمہارے درمیان ہے۔ (۱۲) تمہاری پشت در پشت ہر لڑکے کا جب وہ آٹھ روز کا ہو ختنہ کیا جائے گا۔ کیا گھر کا پیدا ہوا کیا پردیسی سے خریدا ہوا جو تیری نسل کا نہیں (۱۳) لازم ہے کہ تیرے خانہ زاد اور تیرے زر خرید کا ختنہ کیا جائے اور میرا عہد تمہارے جسموں میں عہد ابدی ہوگا (۱۴) اور وہ فرزند نرینہ جس کا ختنہ نہیں ہوا وہی شخص اپنے لوگوں سے کٹ جائے۔ کہ اس نے میرا عہد توڑا (۱۸) اور ابرام (ابراہیمؑ) نے خدا سے کہا کہ کاش کہ اسمٰعیلؑ تیرے

حضور جیتا رہے (۱۹) تب خدا نے کہا کہ بے شک تیری جورو سترہ تیرے لئے ایک بیٹا جنے گی تو اس کا نام اضحاقؑ رکھنا۔ اور میں اُس سے اور بعد اُس کے اُس کی اولاد سے اپنا عہد جو ہمیشہ کا عہد ہے قائم کروں گا (۲۰) اور اسمٰعیلؑ کے حق میں میں نے تیری سُنی۔ دیکھ میں اُسے برکت دُوں گا اور اُسے برومند کروں گا اور اُسے بہت بڑھاؤں گا اور اُس سے بارہ سردار پیدا ہوں گے اور میں اسے بڑی قوم بناؤں گا۔ (۲۳) تب ابرہام نے اپنے بیٹے اسمٰعیلؑ اور سب خانہ زادوں اور اپنے سب زرخریدوں کو یعنے ابرہام کے گھر کے لوگوں میں جتنے مرد تھے۔ سب کو لیا اور اسی روز اُن کا ختنہ کیا جس طرح خدا نے اس کو فرمایا تھا (۲۴) جس وقت ابرہام کا ختنہ ہوا وہ ننانوے برس کا تھا (۲۵) اور جب اُس کے بیٹے اسمٰعیل کا ختنہ ہوا وہ تیرہ برس کا تھا (۲۶) سو اسی روز ابرہام اور اس کے بیٹے اسماعیلؑ کا ہوا۔ (۲۷) اور اُس کے گھر کے مرد۔ کیا گھر کے پیدا کیا پردیسیوں سے خریدے سب کا اُس کے ساتھ ختنہ ہوا۔

حضرت ہاجرہؑ اور حضرت اسمٰعیلؑ کی ہجرت اور اس میں اُن پر خُدا کی برکت

کتاب پیدائش باب ۲۱ آیت ۱۴ "تب ابرہام نے صبح سویرے اُٹھ کر روٹی اور پانی کی ایک مشک لی اور ہاجرہ کو اس کے کاندھے پر دھر کر دی اور اس لڑکے کو بھی اور اُسے رخصت کیا (۱۵) اور جب مشک کا پانی چُک گیا تب اس نے اس لڑکے کو ایک جھاڑی کے نیچے ڈال دیا۔ (۱۶) اور آپ اس کے سامنے ایک تیر کے ٹپّے پر دور جا بیٹھی کیونکہ اُس نے کہا مَیں لڑکے کا مرنا نہ دیکھوں سو وہ سامنے بیٹھی اور چِلّا چِلّا کے روئی (۱۷) تب خدا نے اُس لڑکے کی آواز سُنی اور خدا کے فرشتے نے آسمان سے ہاجرہؑ کو پُکارا اور اُس سے کہا کہ اے ہاجرہ تجھ کو کیا ہُوا؟ مت ڈر کہ اُس لڑکے کی آواز جہاں وہ پڑا ہے۔ خُدا نے سنی (۱۸) اُٹھ اور لڑکے کو اُٹھا اور اُسے اپنے ہاتھ سے سنبھال کہ مَیں اس کو ایک بڑی قوم بناؤں گا۔ (۱۹) پھر خدا نے اُس کی آنکھیں کھولیں اور اُس نے

پانی کا ایک کنواں[1] دیکھا اور جاکر اُس مشک کو پانی سے بھر لیا اور لڑکے کو پلایا (۲۰) اور خدا اُس لڑکے کے ساتھ تھا۔ اور وہ بڑھا اور بیابان میں رہا کیا اور تیر انداز ہو گیا (۲۱) اور وہ فاران کے بیابان میں رہا اور اس کی ماں نے ملک مصر سے ایک عورت اُس سے بیاہنے کو لی"

باب ۲۵ (۱۳) اور یہ اسمٰعیل کے بیٹوں کے نام ہیں مطابق ان کے ناموں اور نسبوں کی فہرست کے، اسمٰعیل کا پلوٹھا نبیت[1] اور قیدار[2] (قیدار[2]) اور ادبئیل[3] اور مبسام (۱۴) اور مشماع[5] اور دومہ[6] اور مسّا[7] (۱۵) اور حدر اور تیما[8] اور یطور[9] اور نفیس[10] اور قدمہ[11] (۱۶) یہ اسمٰعیل کے بیٹے ہیں

اور ان کے نام ان کی بستیوں اور قلعوں میں یہ ہیں اور یہ اپنی اُمتوں کے بارہ رئیس تھے (۱۷) اور اسمٰعیل کی حیات کے برس ایک سو سینتیس ۱۳۷

---

[1] جس کا نام بعد میں زمزم ہوا اور وہ آج تک مکہ شریف میں موجود ہے اور اس میں کلام نہیں کہ حضرت اسمٰعیلؑ کا ہجرتی وطن مکہ شریف ہے اور یہیں حطیم میں ان کی قبر شریف ہے اس کنوئیں اور شہر مکہ کا ذکر جسے بکہ بھی کہتے ہیں حضرت داؤدؑ کی زبور نمبر ۸۴ میں بھی ہے ۱۲ منہ

[2] قیدار کی نسل سے ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم ہیں ۱۲ منہ

تھے کہ وہ جان بحق تسلیم ہوا اور مرگیا اور اپنے لوگوں میں جا ملا (۱۸) اور وے حویلہ سے سور تک جو مصر کے سامنے[1] اس راہ میں ہے جس سے اسور[2] کو جاتے ہیں بستے تھے، اُن کا قطعہ زمین اُن کے سب بھائیوں کے سامنے پڑا تھا۔

قربانی

حضرت اسمٰعیلؑ کی یا حضرت اسحٰقؑ کی؟

یہود و نصاریٰ نے حضرت اسحٰقؑ کی قربانی کے متعلق اس قدر حیرتناک پروپاگنڈا کیا کہ بڑے بڑے نامی مصنفین اسلام بھی اس کے اثر میں آگئے لیکن شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ اور حافظ ابن قیم اور حافظ ابن کثیر (رحمہم اللہ) نے بال کی کھال اُتار کر حقیقت منکشف کر دی۔ سو پہلے ہم کتاب پیدائش میں سے قربانی کی تصریح ذکر کرتے ہیں اس کے بعد خود اسی مصنف کی اپنی تحریر سے اس کی غلط بیانی ظاہر کریں گے (انشاء اللہ)

---

[1] یعنی عرب و حجاز ۱۲ منہ [2] یعنی ملک شام (سیریا) کو جاتے ہیں ۱۲ منہ

کتاب پیدائش باب ۲۲ میں ہے :۔

ان باتوں کے بعد یوں ہوا کہ خدا نے ابرہام کو آزمایا اور اسے کہا کہ اے ابرہام وہ بولا کہ دیکھ میں حاضر ہوں (۲) تب اس نے کہا کہ تو اپنے بیٹے ہاں اپنے اکلوتے بیٹے کو جسے تو پیار کرتا ہے اضحاق کو لے اور زمین موریاہ میں جا اور اسے وہاں پہاڑوں میں سے ایک پہاڑ پر جو میں تجھے بتلاؤں گا۔ سوختنی قربانی کے لئے چڑھا"

اگرچہ اس حوالہ میں حضرت اسحاقؑ کے نام کی تصریح ہے لیکن ربط عبارت پر غائر نظر ڈالنے سے صاف کھل جاتا ہے کہ یہ لفظ مصنف کا الحاق کردہ ہے اور خدا کی وحی سے نہیں ہے علاوہ اس کے اسی وحی کے اپنے الفاظ کے خلاف ہے کیونکہ وحی الٰہی کے الفاظ یہ ہیں :۔ " اپنے اکلوتے بیٹے کو" تفصیل حسب ذیل ہے :۔

مصنف کتاب پیدائش کی تصریحات سے ثابت ہے کہ حضرت اسمٰعیلؑ حضرت اسحٰقؑ سے تیرہ چودہ برس بڑے تھے چنانچہ حضرت اسمٰعیلؑ کی پیدائش کے متعلق لکھا ہے[1] "(۱۶) اور جب ابرام کے لئے ہاجرہ سے اسمٰعیل پیدا ہوا تب ابرام چھیاسی ۸۶ برس کا تھا" اور حضرت اسحٰقؑ کی پیدائش

---

[1] کتاب پیدائش باب ۱۶ : ۱۶ ، ۱۲ منہ ۔

کے متعلق لکھا ہے :۔ "۵) اور جب اُس کا بیٹا اضحاق اُس سے پیدا ہوا تو ابرہام سَوْ برس کا تھا[1]"

نیز حاشیہ بائیبل[2] میں جو پیشتر مسیحؑ سے سنوں کا شمار بتایا گیا ہے اُس میں حضرت اسمٰعیلؑ کی پیدائش کے سنہ میں سنہ ۱۹۱۱ء ق م بتایا گیا ہے اور حضرت اسحٰقؑ کی پیدائش کے سنہ میں سنہ ۱۸۹۸ء ق م بتایا گیا ہے اس سے بھی دونوں کی عمر میں تیرہ ۱۳ برس کا تفاوت ظاہر ہے ۔

کتاب پیدائش کا ایک اور حوالہ بھی ملاحظہ کیجئے کہ جب خدا تعالےٰ نے حضرت ابراہیمؑ کو ختنہ کا حکم کیا[3] اور آپ نے اُس حکم کی تعمیل کی تو اس کی بابت کتاب پیدائش میں یوں مرقوم ہے "۲۴) جس وقت ابرہام کا ختنہ ہوا وہ ننانوے ۹۹ برس کا تھا (۲۵) اور جب اُس کے بیٹے اسمٰعیل کا ختنہ ہوا وہ تیرہ ۱۳ برس کا تھا[4]"

لیکن حضرت اسحٰقؑ کی پیدائش اور آپ کے ختنہ کی

---

[1] کتاب پیدائش باب ۲۱ : ۵ ۔ ۱۲ منہ

[2] مطبوعہ مشن سٹیم پریس لودیانہ وائلی برادرز بار ہفتم سنہ ۱۹۰۸ء ۱۲ منہ

[3] اور اسی مقصد کو ملحوظ رکھ کر ہم نے سابقاً حضرت اسمٰعیلؑ کے ذکر کے اثنا میں عہدِ ختنہ کو مفصل ذکر کیا ہے ۔ ۱۲ منہ ۔

[4] ۔ دیکھو کتاب پیدائش باب ۱۷ : ۲۴ ۔ ۱۲ منہ ۔

بابت اُسی کتاب پیدائش میں یوں مرقوم ہے (۴) اور ابرہام نے جیساکہ خدا نے اسے حکم دیا تھا اپنے بیٹے اضحاق کا جب وہ آٹھ دن کا ہوا ختنہ کیا۔ (۵) اور جب اُس کا بیٹا اضحاق اُس سے پیدا ہؤا تو ابرہام سَو برس کا تھا[1]

اِن دونوں حوالوں سے صاف ظاہر ہے کہ حضرت اسحٰقؑ حضرت اسمٰعیلؑ کے ختنہ کے بھی ایک سال بعد پیدا ہوئے پس اکلوتا بیٹا اور بکر اولاد یعنی پلوٹھا اور وحید اور only Son (اکیلا بیٹا) حضرت اسمٰعیلؑ ہے۔

پس جب خدا کی وحی یہ ہے کہ "اپنے اکلوتے بیٹے کو لے" اور اکلوتے کے معنے لغتِ اردو[2] میں اکیلے کے ہیں اور حضرت اسحٰقؑ اکلوتے بیٹے نہیں ہیں بلکہ ان سے تیرہ یا چودہ برس پیشتر حضرت اسمٰعیل پیدا شدہ ہیں تو اضحاق کا لفظ یقیناً الحاقی ہے[3]۔

---

[1] دیکھو کتاب پیدائش باب ۲۱: ۴ و ۵ ۱۲ منہ۔ [2] دیکھو اردو نوراللغات اور اردو لغات فرہنگ فرذری ۱۲ منہ۔ [3] انگلش ترجمہ بائیبل میں (Thy only son) کے لفظ ہیں اور عربی ترجمہ بائبل میں وَحِیْدَکَ اور ایک ترجمہ عربی میں بحوالہ امام ابن قیم بِکْرَکَ کا لفظ بھی ہے اور انگریزی میں only اور عربی میں وَحِیْد اکیلے کو کہتے ہیں اور بکر پلوٹھے کو کہتے ہیں اور یہ مسلّم ہے کہ حضرت ابراہیمؑ کا پلوٹھا بیٹا حضرت اسمٰعیلؑ ہے نہ اسحٰقؑ ۱۲ منہ

حافظ ابن قیمؒ زاد المعاد میں آنحضرت صلعم کے سلسلۂ نسب کے بیان میں فرماتے ہیں:۔

اور علمائے صحابہ و تابعین اور ان کے بعد کے علماء کے نزدیک جو قول درست ہے اس کے مطابق حضرت اسمٰعیلؑ ہی ذبیح ہیں۔ اور یہ قول کہ وہ حضرت اسحٰقؑ ہیں بیس سے زیادہ وجوہات سے باطل ہے اور میں نے (اپنے استاذ معظم) شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ قدس اللہ روحہ کو فرماتے سنا کہ یہ قول (یعنی حضرت اسحٰقؑ کی قربانی کا قول) اہل کتاب سے لیا گیا ہے باوجودیکہ یہ انہی کی کتاب کی تصریح سے باطل ہے کیونکہ اس میں (مرقوم) ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیمؑ کو امر کیا کہ اپنا پلوٹھا بیٹا ذبح کرے اور ایک عبارت میں وَحِیۡدَكٗ کا لفظ ہے یعنے اپنے اکلوتے بیٹے کو۔ اور اس میں اہل کتاب (یہود و نصاریٰ) اور مسلمانوں کو ہرگز شک نہیں کہ حضرت ابراہیمؑ کی اولاد میں سے حضرت اسمٰعیلؑ ہی پلوٹھے ہیں اور (جن لوگوں نے مسلمانوں میں سے کہا کہ وہ حضرت اسحٰقؑ ہیں) ان کو اس بات نے غلطی میں ڈالا کہ جو توریت ان کے ہاتھوں میں ہے اس میں (مرقوم) ہے کہ اپنے بیٹے اسحاقؑ کو ذبح کر۔ امام ابن تیمیہؒ نے فرمایا کہ یہ الحاق ان کی تحریف و کذب سے

ہے کیونکہ یہ "اِذْبَحْ بِکْرَکَ وَ وَحِیْدَکَ" یعنی ذبح کر اپنا پلوٹھا اور اپنا اکلوتا بیٹا" کے متناقض ہے یہود نے اس شرف و بزرگی پر بنی اسمٰعیل کا حسد کیا اور انہوں نے یہ بات پسند کی کہ یہ شرف اُنہی (بنی اسرائیل) کے لئے ہو۔ الخ (جلد اول مطبوعہ مصر صفحہ ۱۶۱)

اسی طرح حافظ ابن کثیرؒ نے اپنی تفسیر اور اپنی تاریخ کبیر میں نہایت تفصیل و تصریح کے ساتھ اس مسئلہ کو بیان کیا ہے۔ تاریخ کی اُن کی تصریحات حسب ذیل ہیں:۔

۱۔ جس نے یہ کہا کہ ذبیح حضرت اسحٰقؑ ہیں اُس نے بنی اسرائیل کے ناقلین سے لیا جنہوں نے توریت و انجیل میں (بعض جگہ) تبدیل اور (بعض جگہ) تحریف اور (بعض جگہ) ناجائز تاویل کر ڈالی اور مزید یہ کہ) جو کچھ بھی ان کے پاس از جنس تنزیل ہے اس کا بھی خلاف کیا کیونکہ وہ حضرت ابراہیمؑ کو "اپنے پلوٹھے بیٹے" اور بوجب ایک روایت کے "اپنے اکلوتے بیٹے" کو ذبح کرنے کا امر ہوا تھا۔ کوئی بھی لفظ (بکر یا وحید) ہو منصوص دلیل سے وہ حضرت اسمٰعیلؑ ہیں کیونکہ ان کی کتاب کی نص ہے کہ حضرت اسمٰعیلؑ تب پیدا ہوئے جب حضرت ابراہیمؑ کی عمر چھیاسی سال کی تھی اور حضرت اسحٰقؑ حضرت خلیل اللہؑ کی

عمر کے سو سال گذر جانے کے بعد پیدا ہوئے پس لا محالہ پلوٹھا بیٹا حضرت اسماعیلؑ ہے۔ اور وہی بہر حال صورتاً و معناً اکلوتے ہیں[1]۔"

اسی طرح حافظ ابن کثیرؒ نے اپنی تفسیر میں بھی بیان کیا ہے اور مولانا شبلیؒ مرحوم نے سیرت النبیؐ میں اس امر کے متعلق جو کچھ لکھا ہے وہ ہمارے نزدیک سب سے زیادہ تحقیق و تدقیق اور جامعیت سے لکھا ہے فَجَزَاهُ اللّٰهُ عَنَّا وَعَنْ سَائِرِ الْمُسْلِمِيْنَ جَزَاءً حَسَنًا ط

حضرت اسمٰعیلؑ کے اوصاف قرآن مجید میں

عہد قدیم کی کتابیں انبیاء بنی اسرائیل کے مذکورات سے پُر ہیں[2]۔ لیکن حضرت اسمٰعیلؑ کے حالات میں ان کی نبوت کے متعلق ایک حرف بھی نہیں لکھا کیونکہ ان کتابوں

---

[1] تاریخ حافظ ابن کثیر البدایۃ والنہایۃ جلد اول صفحہ ۱۹۱ مطبوعہ مصر ۱۲ منہ

[2] بعض مذکورات اچھے ہیں اور بعض نہایت مذموم جو انبیاء علیہم السلام کی شان کے لایق ہرگز نہیں ہیں اس سے صاف ظاہر ہے کہ ان مصنفین نے شان نبوت کو ملحوظ رکھ کر واقعات کی تحقیق و تنقید میں کوئی بھی زحمت نہیں اٹھائی اناپ شناپ واہی تباہی قصوں سے کتاب کا حجم بڑھا دینے میں کوئی بھی خوبی نہیں ہے فافہم ۱۲ منہ۔

کے مصنفین سب کے سب اسرائیلی ہیں اور حضرت اسمٰعیلؑ کے متعلق ہم جدی ہونے کی شراکت و رقابت نے اُن کی نظر کے سامنے ایک گاڑھا پردہ کر دیا ہے کتاب پیدائش سے ہم کو دو باتیں ثابت ہو چکی ہیں :-

۱۔ حضرت ابراہیمؑ نے اپنے فرزندِ اکبر حضرت اسماعیلؑ کے لئے نہایت آرزو مند دل سے دعا کی (باب ۱۷ : ۱۸)

۲۔ خدائیتعالےٰ نے اپنی مہربانی سے وہ دعا قبول فرمائی اور حضرت اسمٰعیلؑ کو برکت دینے کا وعدہ فرمایا (باب ۱۷۔۲۰)

پس مصنف کا فرض تھا کہ اُس برکت کی تفصیل میں ان کی نبوت اور خصائلِ نبوت کا بھی ذکر کرتا جس طرح خدائیتعالےٰ نے حضرت اسحٰقؑ کے متعلق بھی برکت دینے کا وعدہ فرمایا (باب ۲۲ : ۱۷) اور مصنف نے خوب دل کھول کر اُس کی تفصیلات بیان کیں مصنفوں نے اپنے خاندان کی برکات بیان کر دیں اور حضرت اسمٰعیلؑ کی نسبت چشم پوشی کی حالانکہ جب کتاب کو نسلِ ابراہیمؑ کی برکات سے زینت دینی ہے اور حضرت اسمٰعیلؑ خاندانِ ابراہیمؑ کے سب سے پہلے روشن ستارہ ہیں اور ان کے حق میں برکت دینے کا وعدہ بھی ہو چکا ہے تو اس وعدہ کے تحقق و وقوع کا ذکر کتاب کے متن کو دو بالا کر دیتا اس

کے برخلاف قرآن مجید کو دیکھئے کہ آنحضرت صلعم جن پر خدائیتعالیٰ کی طرف سے وہ نازل ہوا بنی اسمٰعیل سے ہیں وُہی جدّی ہونے کی رقابت پیش نظر ہو سکتی تھی لیکن سبحان اللہ کہ حضرت اسحٰق ؑ اور اُن کے خاندان کے بزرگ انبیاء کا ذکر کس شان سے کیا ہے بلکہ کتاب پیدائیش اور کتاب سیموئیل میں بعض انبیاء ؑ کے متعلق جو شرمناک واقعات درج ہیں اُن کے مقابلہ میں اُن کی ازحد تعریف کی ہے جس سے قرآن مجید کو ماننے والا انسان ایک منٹ کے لئے بھی اُن شرمناک واقعات کو اپنے دل میں جگہ نہیں دے سکتا یہ اس لئے ہے کہ قرآن مجید کلام خدا ہے اور خدائیتعالیٰ کو نبوت اور انبیاء علیہم السّلام کی عزت وتعظیم منظور ہے عام اس سے کہ وہ انبیاء ؑ آلِ ابراہیم ؑ سے ہیں، یا اُن سے پہلے دیگر خاندانوں سے۔

خیر یہ تو قرآن مجید کا حال ہے خود آنحضرت صلعم کی زبانِ مبارک کی فرمودہ احادیث طیبہ جو صحت اسانید سے کتب حدیث صحیح بخاری اور صحیح مسلم وغیرہما میں مذکور ہیں اُن میں انبیائے بنی اسرائیل کے فضائل میں کافی ذخیرہ موجود ہے ہم اس جگہ بنظر اختصار صرف ایک حدیث کو درباره نقل کرتے ہیں امید ہے کہ

حاشیہ بر صفحہ ۵۳

ہمارے ناظرین اُس سے بدرجہ کمال محظوظ ہوں گے۔ صحیح بخاری میں ہے کہ آنحضرت صلعم نے فرمایا اَلْکَرِیْمُ ابْنُ الْکَرِیْمِ ابْنُ الْکَرِیْمِ ابْنُ الْکَرِیْمِ یُوْسُفُ بْنُ یَعْقُوْبَ بْنِ اِسْحٰقَ بْنِ اِبْرَاھِیْمَ[1] سبحان اللہ! کیا شان بیان کی اور کس انداز سے بیان کی۔ یہ ہے ابراہیمؑ اور اُن کے خاندان کی عزت کو ملحوظ رکھ کر بات کرنا

رجوع بمقصد اب ہم اپنے اصل مقصد کی طرف رجوع کر کے حضرت اسمٰعیلؑ کے اوصاف بیان کرتے ہیں جو قرآن مجید میں مذکور ہیں۔

۱۔ قرآن مجید میں اُن کو وعدے کے سچے اور رسول اور نبی نماز اور زکوٰۃ کا حکم کرنے والے اور پسندیدہ خدا کہا گیا ہے (سورت مریم پ ۱۶)

۲۔ قرآن مجید میں اُن کو صابر و حلیم کہا گیا ہے (صافات پ ۲۳)

(۳) قرآن مجید میں اُن کو مِنَ الْاَخْیَارِ کہا گیا ہے (ص پ ۲۳)

(۴) قرآن مجید میں اُن کو مِنَ الصّٰبِرِیْنَ۔ مِنَ

---

[1] صحیح بخاری کتاب الانبیاء ۱۲ منہ۔ حاشیہ صفحہ ۵۳ دوبارہ اس لئے کہ سابقًا یہ حدیث صفحہ ۱۹ پر اسی کتاب میں گذر چکی ہے۔

الصّٰلِحِیْنَ کہا گیا ہے (انبیاء پ۱۷)

ان اوصاف میں حضرت اسمٰعیلؑ کے کمالات کا مرقع کھینچ دیا گیا ہے اور یہ وہ اوصاف ہیں جو لازمۂ نبوت ہیں تقویٰ و طہارت، صدق و امانت صبر و استقامت حلم و صلاحیت ایسے اوصاف ہیں کہ جس شخص کے متعلق علم ہو جائے کہ یہ اوصاف اُس میں موجود ہیں یا موجود تھے تو فطرتِ سلیمہ اس کی طرف رغبت کرتی ہے اور محبت سے اُس کی پیروی اختیار کرتی ہے۔

حضرت اسمٰعیلؑ کے اوّلیات

کئی ایک امر ہیں جو پہلے پہل حضرت اسمٰعیلؑ نے کئے چنانچہ حافظ ابنِ کثیرؒ اپنی تاریخ کبیر میں فرماتے ہیں:-

"۱۔ علمائے نسب و تاریخ نے بیان کیا کہ سب سے پہلے حضرت اسمٰعیلؑ نے گھوڑے کی سواری کی۔ آپ سے پہلے وہ وحشی (جنگلی) تھے۔ آپ نے انکو مانوس کیا۔ اور ان پر سواری کی۔"

اس کے بعد حافظ صاحبؒ نے ایک مرفوع حدیث بھی بیان

---

[1] جلد اول صفحہ ۱۹۲ ذکر حضرت اسمٰعیلؑ ۱۲ منہ

کی ہے کہ رسول خدا صلعم نے فرمایا "تم گھوڑے لو اور ان کو خوب پالو کیونکہ وہ تمہارے باپ اسمٰعیلؑ کی میراث ہے۔"

"اس سے پہلے یہ گھوڑے وحشی تھے آپ نے ان کو اس پکار سے پکارا جو خدا نے آپ کو عطا کی تھی[1] تو ان جانوروں نے آپ کی پکار قبول کی"

"(۲) فصیح عربی زبان میں سب سے پہلے آپ ہی نے کلام کیا۔"

اس کے بعد بھی حافظ صاحب ممدوح نے ایک مرفوع حدیث ائمہ اہلبیتؑ کے واسطہ سے بیان کی۔ کہ آنحضرت صلعم نے فرمایا اول جس نے اپنی زبان فصیح عربی زبان سے کھولی وہ حضرت اسمٰعیلؑ ہیں جب کہ وہ چودہ[۱۴] برس کے تھے"

باپ بیٹے کی ملاقاتیں

مصنف کتاب پیدائش نے ایک بڑا ظلم یہ کیا

[1] یعنی خدا نے آپ کو اس بات کا معجزہ عطا کیا تھا کہ آپ جنگلی جانوروں کو بلائیں تو وہ آپ کی آواز پر آپ کے پاس آ جائیں اور آپ سے مانوس ہو جائیں ۱۲ منہ

ہے کہ حضرت ابراہیمؑ کے حضرت اسمٰعیلؑ اور اُن کی والدہ ماجدہ کو بیابانِ فاران میں چھوڑ جانے کے بعد حضرت ابراہیمؑ کا پھر کبھی وہاں پر آنا بالکل ذکر نہیں کیا جس کے یہ معنی ہیں کہ حضرت ابراہیمؑ معاذاللہ ایسے سرد مہر تھے کہ نہ تو بہن سالی کے وقت دعائیں مانگ کر لئے ہوئے بیٹے کے لئے اُن کا دل پسیجا اور نہ اپنی بیوی کی خبر گیری کا خیال آیا حالانکہ آپ نے اس فرزند کے لئے نہایت آرزومند دل سے دُعا کی تھی اور خدائیتعالےٰ نے وہ دُعا قبول بھی فرما لی تھی اور ساتھ ہی اُسے برکت بخشنے کی بشارت بھی سنا دی تھی۔

اِس سے صاف ظاہر ہے کہ کتاب پیدائش کا مصنف[1] حضرت ہاجرہؑ اور اُن کے مبارک فرزند اسمٰعیلؑ ہی کے حالات سے چشم پوشی نہیں کرتا بلکہ وہ حضرت ابراہیمؑ کی عظمت شان اور فرائض شناسی کو بھی ملحوظ نہیں رکھتا

[1] کتاب پیدائش کے مصنف کا نام ہم اس لئے ظاہر نہیں کرتے کہ مفسرین بائبل کے نزدیک یہ معلوم نہیں کہ موسےؑ کی ان پانچ کتابوں کے مصنف متعدد ہیں یا ایک پھر یہ کہ وہ متعدد یا ایک کون کون ہیں دیکھو تفسیر انگریزی پول صاحب مطبوعہ لنڈن سنہ ۱۸۰۱ء اور "عہد عتیق کی کتابیں" بزبان اردو مولفہ پروفیسر رابرٹسن مطبوعہ لاہور سنہ ۱۹۱۲ء (باقی صفحہ ۵۸ پر)

کیونکہ اگر حضرت ابراہیمؑ عمر بھر اس ویرانے کا رُخ نہ کریں جس میں وہ اپنے پیارے بیٹے اور اُس کی والدہ کو بحکم خدا چھوڑ آئے تھے تو یہ ان کی شان کے لائق نہیں کیونکہ آپ نہایت اونچے درجے کے نبی اللہ بلکہ جد انبیاء ہیں خدا کے حکموں کو سر آنکھوں پر رکھنے والے اور اپنے فرائض مفوضہ کو بہتر صورت میں بجا لانے والے۔ نہایت شفقت و رحمت والے۔ غیروں کی مہمان نوازی کے سبب ابوالضیفان کے معزز لقب سے ملقب ہیں۔ صاحب عزت و وقار اور ذی ثروت و مال ہیں۔ پھر یہ کس طرح ہو سکتا کہ ایسے روشن چراغ کو جسے دعائیں مانگ مانگ کر لیا ہے اور خدا تعالیٰ نے اس مولود مسعود کو برکت دینے کی بشارت بھی سُنا دی ہے اس کی خبر گیری سے ایسا تغافل کریں اس کے تو یہ معنے ہیں کہ معاذ اللہ اُن کے دِل پر اپنی

(بقیہ صفحہ ۵۶)۔ یہ رابرٹسن صاحب اپنی کتاب کے صفحہ ۳۹ میں تحریر فرماتے ہیں "پیدائش کی کتاب اپنے مصنف کا کچھ پتہ نہیں بتاتی" غرض یہ کتابیں انسانی تصانیف ہیں نہ کہ وحی ربانی پھر یہ کہ اُن انسانوں کے متعلق بھی معلوم نہیں کہ وہ کون تھے اور کیسے تھے اور وہ کس زمانہ میں ہوئے۔ اتنی جہالتوں کے ہوتے ان کو کلام خدا ماننا صرف مسیحی محققین کا کام ہے قربان جائیں قرآن کے کہ ایک لفظ بھی مشکوک نہیں ۱۲ منہ

دُعاؤں اور اُن کی قبولیت اور خدائی بشارتوں کا کچھ بھی اثر نہیں اور اپنی ایسی بابرکت بیوی کو جس سے بڑھاپے میں آپ کی امیدیں برآئیں بغیر طلاق کے اِس طرح معلقہ کر دینا کہ عمر بھر اس کی خبر بھی نہ کریں۔ اور اپنے فرائض کو بجا نہ لائیں حضرت خلیل اللہ (صلوات اللہ علیہ وسلامہ) کی شانِ اقدس سے بعید ہے نیز یہ کہ جب حضرت ابراہیمؑ کو بشارت مل چکی ہے کہ یہ مولود مسعود بابرکت ہوگا۔ اور آپ اس کی پیدائش کے لئے رَبِّ هَبْ لِیْ مِنَ الصّٰلِحِیْنَ سے دعا کرتے ہیں تو گویا اس کے لئے پہلے ہی سے وصفِ صلاحیت (جو صحیح اعتقادات اور اعمالِ صالحہ اور اخلاقِ فاضلہ سب امور کا جامع ہے) طلب کرتے ہیں تو اگر اس کے پیدا ہونے کے بعد اس کی تربیت منہاج نبوت پر نہ کریں تو گویا معاذاللہ آپ نے اپنی سب آرزوئیں برباد اور خدا کی بشارتوں پر پانی پھیر دیا۔ اگر کہا جائے کہ حضرت ہاجرہؑ آپ کی بیوی نہیں بلکہ (معاذاللہ) لونڈی تھیں اس لئے ان کے احوال کی پرداخت نہیں کی گئی تو اول تو ہم سابقًا ثابت کر آئے ہیں کہ حضرت ہاجرہؑ کو لونڈی کہنا بلا دلیل ہے ومن ادعیٰ فعلیہ البیان۔ دوم یہ کہ حضرت اسمٰعیلؑ تو بیٹے تھے کیا

اِن کی بھی پرواہ نہ تھی سوم یہ کہ مصنف کتاب پیدائش نے خود حضرت ہاجرہؑ کو حضرت ابراہیمؑ کی زوجہ (بیوی) لکھا[1] ہے۔ جس طرح سارہؑ کو زوجہ (بیوی) لکھا ہے اسی طرح حضرت اسمٰعیلؑ کو متعدد جگہ حضرت ابراہیمؑ کا بیٹا لکھا[2] ہے۔ جس طرح کہ حضرت اسحٰقؑ کو بیٹا لکھا ہے پس بیٹے اور بیوی کی طرف سے ایسا استغنا ایک نبی اللہ بلکہ جدِ انبیاءؑ کی شان کے خلاف ہے۔

اچھا اگر مصنف کتاب پیدائش نے اس امر میں کوتاہی کی ہے تو خدا تعالیٰ نے دُوسرے طریق سے حقیقت کو نمایاں کر دیا اور اس پر پردہ نہیں رہنے دیا۔ تاریخی سلسلہ میں حافظ ابن کثیرؒ کی تاریخ البدایۃ والنہایۃ اُن کی تفسیر کی طرح ایک ممتاز حیثیت رکھتی ہے آپ اُس میں فرماتے ہیں:۔

"اور حضرت ابراہیمؑ کے (اسمٰعیلؑ کے پاس) آنے کی دفعات کے متعلق سوائے تین بار کے مذکور نہیں۔ پہلی بار تب جب اسمٰعیلؑ نے حضرت ہاجرہؑ کی وفات کے بعد اپنی شادی کی

---

[1] کتاب پیدائش باب ۱۶: ۳ ترجمہ عربی میں زوجہ اور ترجمہ اُردو میں جورو اور ترجمہ انگریزی میں Wife لکھا ہے ۱۲ منہ۔

[2] کتاب پیدائش باب ۱۶: ۱۵ و باب ۱۷: ۲۳، ۲۵، ۲۶ و باب ۲۱: ۱۱، ۱۲۔ ۱۲ منہ۔

اور یہ کس طرح ہو سکتا ہے کہ آپ نے اُن کو لڑکے کی صغر سنی سے لے کر اس کے نکاح کرنے کی عمر تک جیساکہ مذکور ہے چھوڑے رکھا حالانکہ یہ بھی ذکر کیا جاتا ہے کہ آپ کو طَیّ ارض کا معجزہ بخشا گیا تھا اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ آپ جب اُن کے احوال پُرسی کے لئے آتے تھے تو براق پر سوار ہو کر آتے تھے پس (اندریں حالات) کس طرح ہو سکتا ہے کہ آپ اُن کے احوال کی نگرانی کو نظر انداز کر دیں" (جلد اوّل صفحہ ۱۵۷)

حافظ ابن کثیرؒ کی یہ بات آب زر سے لکھنے کے قابل ہے کہ ایک نبی اللہ جسے خدا تعالیٰ نے اعجازی کمالات و اسباب سے نوازا ہو اپنے فرائض کو کس طرح نظر انداز کر سکتا ہے۔ تین دفعہ کے آنے کا ذکر ہے۔ اُس میں تین ہی دفعہ کے آنے کی تحدید نہیں ہے کیونکہ بہت دفعہ ایسا ہوتا ہے کہ کوئی واقعہ کثرت سے وقوع میں آتا ہے لیکن روایات میں اُن سب کا استقصا نہیں کیا جاتا بہرحال اِن تین دفعات سے مصنفِ کتابِ پیدائش کی مُہر خاموشی ٹوٹ گئی اور ثابت ہو گیا کہ حضرت ابراہیمؑ اپنی بیوی اور اپنے فرزند دلبند کی احوال پرسی و نگرانی کے لئے مکہ شرفہا میں وقتاً فوقتاً آتے رہے جہاں

پر وہ آباد تھے۔[1]

بنائے خانہ کعبہ

ایک دفعہ آمد پر جیسا کہ "تاریخ ابن کثیر میں اور صحیح بخاری میں ہے حضرت اسمٰعیلؑ آبِ زمزم کے پاس ایک درخت کے نیچے (شکار کے لئے) تیر بنا رہے تھے کہ حضرت ابراہیمؑ (حسبِ عادت) اُن کے دیکھنے کو آئے۔ اس ملاقات کا نقشہ جو باپ بیٹے کے تعلق پدری و فرزندی کے جذبات کی ترجمانی پر شامل ہے ان الفاظ میں کھینچا گیا ہے۔ فَلَمَّا رَاٰهُ قَامَ اِلَیْهِ فَصَنَعَا كَمَا يَصْنَعُ الْوَلَدُ بِالْوَالِدِ وَالْوَالِدُ بِالْوَلَدِ یعنی جب حضرت اسمٰعیلؑ نے حضرت ابراہیمؑ کو آتے دیکھا تو اُن کی طرف اٹھ کھڑے ہوئے۔ پس دونوں نے اس طرح کیا جس طرح بیٹا اپنے باپ سے

---

[1] اگر کہا جائے کہ اتنی دور سے بار بار آتے رہنا تھا تو ان کو یہاں بیابان میں چھوڑا ہی کیوں؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ یہ کام خدا کے حکم سے کیا گیا اور اس میں وہ مصلحتیں تھیں جو بناء کعبہ اور تولدِ خاتم المرسلین کے متعلق رکھی تھیں جن کا ظہور آخر کار ہوا۔ اسی کی نسبت مولٰنا حالی مرحوم کی مسدس کا یہ بند یاد رکھیں۔

وہ دنیا میں گھر سب سے پہلا خدا کا ۔۔۔ خلیل ایک معمار تھا جس بنا کا
ازل سے مشیت نے تھا جس کو تاکا ۔۔۔ کہ اس گھر سے ابلے گا چشمہ ہدیٰ کا

اور باپ اپنے بیٹے سے کرتا ہے (سبحان اللہ عجب کیفیت پیدا ہوئی ہوگی) یعنی پیار و معانقہ اور دیدہ بوسی وغیرہ پھر حضرت ابراہیمؑ نے کہا (بیٹا) اسمٰعیلؑ! مجھے خدا نے ایک حکم دیا ہے۔

سعادتمند فرزند (نے کہا ابا جان!) پھر جو کچھ خدائے تعالیٰ نے فرمایا ہے اس کی تعمیل کیجئے۔

حضرت ابراہیمؑ۔ اس میں میری مدد کرنی ہوگی

فرزند ارجمند:۔ بدل و جان حاضر ہوں۔

حضرت ابراہیمؑ۔ خدا نے مجھے حکم کیا ہے کہ یہاں پر ایک گھر (اس کی عبادت کے لئے) بناؤں سامنے کی طرف ایک اونچی جگہ کی طرف اشارہ کرکے کہا (وہ اونچی جگہ کونسی تھی؟ طوفانِ نوحؑ کے وقت خانہ کعبہ کی عمارت جو آدمؑ علیہ السلام نے بنائی تھی شہید ہوگئی تھی یہ کھنڈرات اور مٹی کے ڈھیر اس کے آثار تھے) الغرض دونوں باپ بیٹے (حسب نشان دہی حضرت جبرئیلؑ کے) بنیادیں کھڑی کرنے لگے حضرت اسمٰعیلؑ اینٹ پتھر پکڑاتے جاتے تھے۔ اور حضرت ابراہیمؑ عمارت بناتے جاتے تھے اور دونوں خلوصِ دل سے دُعا کرتے تھے۔ رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّآ اِنَّكَ اَنْتَ السَّمِیْعُ الْعَلِیْمُ (یعنی اے ہمارے رب ہم سے (یہ عمل)

قبول فرما۔ بیشک تو (دعاؤں کا) سننے والا اور (نیتوں کا) جاننے والا ہے۔[1]

تفصیل بالا بتا رہی ہے کہ حضرت ابراہیمؑ نے متعدد دفعہ مکہ شریف کا سفر کیا بالخصوص بناءِ خانہ کعبہ اور حج اور مناسک حج کا قائم کرنا وہاں پر اُن کی بڑی یادگاریں ہیں۔ اور اسی جنس سے مقامِ ابراہیمؑ کے وہاں پر ہونے اور وہاں پر طواف کرنے والے کو نماز دوگانہ ادا کرنے کا حکم ہونے ہیں اُن کے آثار کی زندگی اور بقا ہے۔ اسی طرح صفا اور مروہ کے درمیان سعی کرنا حضرت ہاجرہؑ کے پانی کی تلاش میں سراسیمہ پھرنے کی یادگار ہے اور آبِ زمزم جو اعجازی طور پر حضرت اسمٰعیلؑ کے لئے پیدا کیا گیا اب تک وہاں موجود ہے اور اس کا ذکر ہم سابق صفحہ ۲۱ پر کتاب پیدائش سے اور حاشیہ پر کتاب زبور ۸۴/۶ سے نقل کر چکے ہیں اور منیٰ کا قربانگاہ ہونا بھی بتلا رہا ہے کہ ابراہیمؑ خدا کے فرمانِ قربانی کی تعمیل کے لئے یہاں آئے اور یہ بھی کہ ذبیح اسمٰعیلؑ ہیں نہ کہ اسحٰقؑ کیونکہ حضرت اسحٰقؑ کی یادگار مکہ میں نہیں ہو سکتی اور اُس مینڈھے کے سینگ مدتوں تک خانہ کعبہ میں معلق

[1] تاریخ ابن کثیر جلد اول صفحہ ۱۵۶ معہ کسی قدر تشریح اور اختصار کے ۱۲ منہ

رہے جو حضرت اسمٰعیلؑ کے فدیہ میں ذبح کیا گیا تھا۔ اور جس کا مجمل ذکر کسی قدر تحریف و اضافہ کے ساتھ کتاب پیدائش میں بھی ہے۔

حافظ ابن کثیر مسند امام احمد کی ایک مرفوع حدیث میں ذکر کرتے ہیں کہ آنحضرت صلعم نے (فتح مکہ پر) عثمان بن طلحہ دربانِ کعبہ کو بلا کر فرمایا کہ بینڈھے کے سینگ (جو دیوار کعبہ میں معلق تھے) ان کو کپڑے سے ڈھانک دو۔ تاکہ نماز پڑھنے میں توجہ اس طرف نہ لگ جائے اس حدیث کے راویوں میں سے ایک راوی سفیانؔ ہیں حافظ ابن کثیر اس کے بعد اُن کا قول نقل کرتے ہیں کہ بینڈھے کے یہ دونوں سینگ بیت اللہ میں (معلق) رہے حتیٰ کہ آتش زدگی میں خانہ کعبہ کو آگ لگ گئی تو وہ (سینگ) بھی جل گئے اور یہ امر ابن عباسؓ سے بھی مروی ہے کہ بینڈھے کا سر (معہ سینگوں کے) میزاب کعبہ کے نزدیک معلق رہا در آنحال کہ وہ خشک ہو گیا تھا

اس کے بعد حافظ ابن کثیرؒ فرماتے ہیں۔ وَ ھٰذا وحدہٗ دلیل علی ان الذبیح اسمٰعیل لانہ کان ھوالمقیم بمکۃ واسحٰق لا نعلم انہ قدمھا فی حال صغرہٖ[1] (اور یہی)

---

[1] تاریخ ابن کثیر جلد اول صفحہ ۱۵۸ مطبوعہ مصر ۱۲ منہ

ایک امر (۳) بات کی دلیل ہے کہ ذبیح اسمٰعیلؑ ہیں۔ کیونکہ وہی کہ شریف میں مقیم تھے اور اسحٰقؑ کی بابت تو معلوم نہیں کہ اپنے بچپن میں یہاں کبھی آئے بھی ہوں"۔

ملت ابراہیمی کا فرض ہے کہ آثارِ حضرت ابراہیمؑ کو قائم رکھیں لیکن یہود و نصاریٰ نے حضرت اسمٰعیلؑ کے حسد کے سبب آثار ابراہیمؑ کو سرے سے گم کر دینا چاہا اور ساری کتاب میں حضرت ابراہیمؑ کے حجاز میں آنے اور خانہ کعبہ کے بنانے اور یہاں پر اپنے نشانات کے چھوڑنے کا مطلقاً ذکر نہیں کیا لیکن قادرِ قیوم خدا نے اپنی حکمتِ بالغہ سے آثار ابراہیمیہ کو مہر نیمروز کی طرح درخشاں رکھا۔ خانہ کعبہ کی تعمیر اور حج کے متعلق جس قدر آثار و مناسک ہیں سب، حضرت ابراہیمؑ کی عمدہ یادگاریں ہیں جن پر کسی زمانہ میں بھی پردہ نہیں پڑ سکتا بلکہ ایک ایک نشان کو عملی طور پر زندہ رکھا گیا ہے۔ مقام ابراہیمؑ کی نسبت قرآن مجید میں خصوصی حکم ہے۔ وَ اتَّخِذُوْا مِنْ مَّقَامِ اِبْرَاهِيْمَ مُصَلًّى (البقرۃ پ ۱)، یعنی مقام ابراہیمؑ کو مصلیٰ (جائے نماز) بناؤ۔ یعنی طوافِ کعبہ کے بعد وہاں پر دو رکعت نماز ادا کرو جو ہر طواف کرنے والا آج تک ادا

کرتا ہے اس کی نسبت حافظ ابن حجرؒ شرح صحیح بخاری میں شیخ سعدیؒ کے اُستادِ حدیث امام ابن جوزیؒ سے نقل فرماتے ہیں:۔

وَلَمْ تَزَلْ آثَارُ قَدَمَیْ اِبْرَاهِیْمَ حَاضِرَةً فِی الْمَقَامِ مَعْرُوْفَةً عِنْدَ اَهْلِ الْحَرَمِ حَتّٰی قَالَ اَبُوْطَالِبٍ فِیْ قَصِیْدَتِهِ الْمَشْهُوْرَةِ ؎ وَمَوْطِئُ اِبْرَاهِیْمَ فِی الصَّخْرَةِ رَطْبَةٌ عَلٰی قَدَمَیْهِ حَافِیًا غَیْرَ نَاعِلٍ[۱]	حضرت ابراہیمؑ کے قدموں کے نشانات مقامِ ابراہیمؑ میں موجود رہے جو اہلِ حرم کے نزدیک معروف و معلوم تھے حتیٰ کہ ابوطالب نے اپنے مشہور قصیدے میں کہا ہے ؎ "اور حضرت ابراہیمؑ کے بغیر جوتیوں کے ننگے قدموں کے نشانات اُس پتھر میں ابھی تک تازہ ہیں"۔

اس کے بعد حافظ صاحبؒ ممدوح نے بعض روایات حضرت انسؓ اور حضرت عائشہؓ سے ذکر کی ہیں جن میں عہد رسول اللہ تک اُن نشانوں کا موجود ہونا مذکور ہے قرآن شریف نے ان نشانات کو حضرت ابراہیمؑ کی طرف مضاف و منسوب کر کے خاص اہمیت سے ذکر کیا ہے اس میں یہ حکمت ہے کہ یہود و نصاریٰ نے بہت چاہا کہ ان نشانات کو ذکر نہ کر کے لوگوں کے ذہن سے فراموش کرادیں لیکن خداتعالیٰ

---

[۱] فتح الباری مطبوعہ دہلی جزء ۱۸ صفحہ ۱۱ ۔ ۱۲منہ۔

اُن کو روشن کرنا چاہتا ہے اس لئے بشارتِ عیسیٰؑ کے ذکر کے بعد فرمایا:۔

یُرِیْدُوْنَ لِیُطْفِئُوْا نُوْرَ اللّٰہِ بِاَفْوَاهِهِمْ وَاللّٰهُ مُتِمُّ نُوْرِهٖ وَلَوْ كَرِهَ الْكٰفِرُوْنَ (صف پ۲۸)

نصاریٰ چاہتے ہیں کہ (احمد رسول کے ذکر کو چھپا کر) خدا کے نور کو اپنی پھونکوں سے بجھا دیں اور اللہ اپنے نور کو پورا کرنے والا ہے اگرچہ یہ منکر اُسے بُرا منائیں۔

اور اسی لئے صفا اور مروہ کے ذکر کے بعد فرمایا

اِنَّ الَّذِیْنَ یَكْتُمُوْنَ الآیہ (البقرہ پ۲)

حضرت ابراہیمؑ کی یادگاروں کو زندہ رکھنے والی آیات تعمیر خانہ کعبہ اور مناسکِ حج کے ذکر کے ضمن میں حسب ذیل ملاحظہ ہوں۔

وَاِذْ جَعَلْنَا الْبَیْتَ مَثَابَةً لِّلنَّاسِ وَاَمْنًا وَاتَّخِذُوْا مِنْ مَّقَامِ اِبْرٰهِیْمَ مُصَلًّى (البقرہ پارہ اوّل) یعنی اے بنی اسرائیل تم وہ وقت بھی یاد کرو جب ہم نے (حج کا حکم فرما کر) اس گھر (خانہ کعبہ) کو لوگوں کے لئے جائے رجوع اور موجبِ امن بنایا اور (یہ حکم بھی دیا کہ) مقام ابراہیمؑ کو جائے نماز بناؤ یعنی وہاں پر طواف کے بعد (دو رکعت) نماز ادا کرو۔

وَعَهِدْنَا إِلَىٰ إِبْرَاهِيمَ وَإِسْمَاعِيلَ أَن طَهِّرَا بَيْتِيَ لِلطَّائِفِينَ وَالْعَاكِفِينَ وَالرُّكَّعِ السُّجُودِ۔ یعنی "اور ہم نے ابراہیمؑ اور (اُن کے فرزند) اسمٰعیلؑ کی طرف اپنا یہ عہد یعنی حکم بھیجا کہ میرے گھر (خانہ کعبہ) کو طواف کرنے والوں اور اعتکاف کرنے والوں اور رکوع سجود کرنے والوں یعنی نماز پڑھنے والوں کے لئے پاک صاف رکھو۔"

وَإِذْ قَالَ إِبْرَاهِيمُ رَبِّ اجْعَلْ هَٰذَا بَلَدًا آمِنًا وَارْزُقْ أَهْلَهُ مِنَ الثَّمَرَاتِ مَنْ آمَنَ مِنْهُم بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ
یعنی" اور وہ وقت بھی یاد کرو جب ابراہیمؑ نے دعا کی کہ لے میرے پروردگار اس جگہ کو ایک امن والا شہر بنا اور اس کے اہل کو پھلوں کی روزی دے ۔ اُن کو جو اُن میں سے خدا پر اور پچھلے دن پر ایمان رکھیں۔"

قَالَ وَمَن كَفَرَ فَأُمَتِّعُهُ قَلِيلًا ثُمَّ أَضْطَرُّهُ إِلَىٰ عَذَابِ النَّارِ وَبِئْسَ الْمَصِيرُ۔ یعنی" خدا تعالیٰ نے فرمایا (اُن کو بھی) اور اس کو بھی جو کفر کرے ۔ (بتقاضائے رحمت عامہ) کچھ تھوڑا سا (چند روزہ) فائدہ دے دوں گا پھر اُسے (کفر کی وجہ سے) عذابِ دوزخ کی طرف بیقرار کردوں گا اور وہ بہت ہی بُری جگہ ہے (جہاں اُن کو جانا پڑے گا)۔"

وَاِذْ يَرْفَعُ اِبْرٰهٖمُ الْقَوَاعِدَ مِنَ الْبَيْتِ وَاِسْمٰعِيْلُ ؕ رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا ؕ اِنَّكَ اَنْتَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ۞

" اور (اے بنی اسرائیل وہ وقت بھی یاد کرو) جب (حضرت) ابراہیمؑ اور (اُن کے بیٹے حضرت) اسمٰعیلؑ کعبہ کی بنیادیں کھڑی کرتے تھے (تو کہتے تھے) اے ہمارے پروردگار (اپنی مہربانی سے یہ عمل) ہم سے قبول فرمابیشک تو (دعاؤں کا) سننے والا اور (نیتوں کا) جاننے والا ہے "۔

رَبَّنَا وَاجْعَلْنَا مُسْلِمَيْنِ لَكَ وَمِنْ ذُرِّيَّتِنَآ اُمَّةً مُّسْلِمَةً لَّكَ ۪ وَاَرِنَا مَنَاسِكَنَا وَتُبْ عَلَيْنَا ۚ اِنَّكَ اَنْتَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ اے ہمارے پروردگار نیز ہم کو اپنا فرمانبردار بنائے رکھنا اور ہماری ذرّیت میں سے ایک خاص جماعت اپنی فرمانبردار بنانا اور ہم کو ہماری عبادت کے طریقے بتا (کہ ہم کس طرح ادا کریں) اور ہم پر رحمت کا رجوع رکھنا بیشک تو بہت رجوع کرنے والا (اور) مہربان ہے "۔

رَبَّنَا وَابْعَثْ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِكَ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَيُزَكِّيْهِمْ ؕ اِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ۞ اے ہمارے پروردگار نیز اِن (باشندگانِ حرم) میں انہی میں سے ایک (عظیم الشان) رسول

برپا کرنا جو ان پر تیری آیات (واحکام جو تو اس کی طرف نازل کرے) پڑھے اور ان کو وہ کتاب (جو تو اس کو دے) تعلیم کرے اور حکمت یعنی اس کتاب کا طریقۂ عمل بھی دکھائے) اور ان کو (ظاہری و باطنی خباثتوں سے) پاک کرے بیشک تو سب کچھ کر سکنے والا (اور) باحکمت ہے۔

دوسرا موقع سورت بقرہ پ۲ میں تحویل کعبہ اور اہل کتاب ہی کے ذکر کے ضمن میں فرمایا اِنَّ الصَّفَا وَ الْمَرْوَةَ مِنْ شَعَآئِرِ اللّٰهِ فَمَنْ حَجَّ الْبَيْتَ اَوِ اعْتَمَرَ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِ اَنْ يَّطَّوَّفَ بِهِمَا یعنی بے شک صفا اور مروہ (ہردو) خدا کے نشانوں میں سے ہیں پس جو کوئی خانہ کعبہ کا حج کرے یا عمرہ کرے پس اس پر کوئی گناہ نہیں کہ وہ ان دونوں میں طواف کرے۔

فائدہ:۔ مولنا نذیر احمد صاحب دہلویؒ ترجمہ قرآن کے حاشیہ میں فرماتے ہیں:۔

"(ان) دو پہاڑیوں کے درمیان دوڑنا اس واقع کی یادگار کے تازہ رکھنے کی غرض سے تھا کہ جب (حضرت) ابراہیم علیہ السلام نے اپنی بی بی ہاجرہؑ اور بیٹے اسمٰعیلؑ کو اس جگہ لا کر بٹھایا تو ہاجرہؑ پانی کی جستجو میں ان ہی

پہاڑوں کے بیچ میں دوڑی دوڑی پھریں۔"

تیسرا موقع سورت آل عمران پارہ ۴ میں اہل کتاب ہی کے ذکر کے ضمن میں فرمایا۔ اِنَّ اَوَّلَ بَیْتٍ وُّضِعَ لِلنَّاسِ لَلَّذِیْ بِبَکَّۃَ مُبٰرَکًا وَّ ھُدًی لِّلْعٰلَمِیْنَ ٥ یعنی تحقیق پہلا گھر جو لوگوں کے لئے مقرر کیا گیا البتہ وہ ہے جو (شہر مکہ شریف) میں ہے نہایت برکت والا اور دُنیا جہاں کے لوگوں کے لئے موجب ہدایت ہے" فِیْہِ اٰیٰتٌ بَیِّنٰتٌ مَّقَامُ اِبْرٰھِیْمَ ۚ یعنی اُس میں کھُلے نشانات ہیں (ازاں جملہ) مقامِ ابراہیمؑ ہے" وَمَنْ دَخَلَہٗ کَانَ اٰمِنًاؕ یعنی اور جو اس گھر میں داخل ہوگیا وہ امن میں آگیا (دنیا کی دستبرد سے بھی اور عذاب آخرت سے بھی) وَلِلّٰہِ عَلَی النَّاسِ حِجُّ الْبَیْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ اِلَیْہِ سَبِیْلًاؕ "اور لوگوں پر فرض ہے کہ وہ خدا کی (رضامندی) کے لئے اس گھر کا حج کریں جس کو اُس تک پہنچنے کی استطاعت ہو۔"

چوتھا موقع (سورت الحج پ۱۷) وَاِذْ بَوَّاْنَا لِاِبْرٰھِیْمَ مَکَانَ الْبَیْتِ اَنْ لَّا تُشْرِکْ بِیْ شَیْئًا وَّ طَہِّرْ بَیْتِیَ لِلطَّآئِفِیْنَ وَالْقَآئِمِیْنَ وَالرُّکَّعِ السُّجُوْدِ ۔ وَ اَذِّنْ فِی النَّاسِ بِالْحَجِّ یَاْتُوْکَ رِجَالًا وَّ عَلٰی کُلِّ ضَامِرٍ

يَأْتِيْنَ مِنْ كُلِّ فَجٍّ عَمِيْقٍ ۔ یعنی اور (اے پیغمبر! وہ وقت یاد کرو) جب ہم نے ابراہیمؑ کو خانہ کعبہ کے مکان کا پتہ مقرر کر کے بتایا (اور حکم دیا) کہ میرے ساتھ کسی چیز کو شریک نہ بنانا اور میرے گھر کو طواف کرنے والوں اور قیام کرنے والوں یا اعتکاف کرنے والوں اور رکوع سجود کرنے والوں کے لئے پاک صاف رکھنا اور (یہ بھی فرمایا کہ) اونچی آواز دے لوگوں میں واسطے حج کے آویں گے تیرے پاس (بعض لوگ) پیدل اور (بعض) ریاضت سے، دُبلے کئے ہوئے اونٹوں پر سوار ہو کر ہر راہ دُور سے"۔

پانچواں موقع (سورت ابراہیم پ۱۳) وَاِذْ قَالَ اِبْرَاهِيْمُ رَبِّ اجْعَلْ هٰذَا الْبَلَدَ اٰمِنًا وَّاجْنُبْنِيْ وَبَنِيَّ اَنْ نَّعْبُدَ الْاَصْنَامَ ۔ " اور (اے پیغمبر! یاد کراؤ ان کو وہ وقت) جب ابراہیمؑ نے کہا اے میرے پروردگار کر اس شہر کو امن والا اور باز رکھ مجھ کو اور میرے بیٹے کو بتوں کی عبادت سے"۔ رَبِّ اِنَّهُنَّ اَضْلَلْنَ كَثِيْرًا مِّنَ النَّاسِ ۚ فَمَنْ تَبِعَنِيْ فَاِنَّهٗ مِنِّيْ ۚ وَ مَنْ عَصَانِيْ فَاِنَّكَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۔ یعنی اے میرے پروردگار! تحقیق ان بتوں نے بہتیرے سے لوگوں کو

گمراہی میں ڈال دیا ہے یعنی ان کی وجہ سے وہ گمراہی میں پڑ گئے ہیں پس جس نے میری پیروی کی (اور صرف تیری عبادت کی) تو وہ مجھ سے ہے اور جس نے میری نافرمانی کی پس تحقیق تو بخشنہار مہربان ہے" رَبَّنَا إِنِّي أَسْكَنتُ مِن ذُرِّيَّتِي بِوَادٍ غَيْرِ ذِي زَرْعٍ عِندَ بَيْتِكَ الْمُحَرَّمِ رَبَّنَا لِيُقِيمُوا الصَّلَاةَ فَاجْعَلْ أَفْئِدَةً مِّنَ النَّاسِ تَهْوِي إِلَيْهِمْ وَارْزُقْهُم مِّنَ الثَّمَرَاتِ لَعَلَّهُمْ يَشْكُرُونَ ۝ (ترجمہ) یعنی اے ہمارے پرور دگار! میں نے اپنی بعض اولاد (اسمٰعیلؑ) کو تیرے باحرمت گھر کے نزدیک بن کھیتی والے میدان میں بسایا ہے اے ہمارے پروردگار! (یہ اسلئے کیا کہ) تاکہ وہ (مسجد کے نزدیک ہوتے ہوئے) نماز قائم رکھیں پس تو کچھ لوگوں کے دل اُن کی طرف جھکا (کہ وہ یہاں پر شوق سے حج کے لئے آویں) اور تو اُن کو میوجات سے رزق دے تاکہ وہ (تیرا) شکر کریں۔

فَائِدَہ:۔ اس آیت کے فائدے میں شاہ عبد القادر صاحبؒ نے فرمایا:۔

"ف حضرت ابراہیمؑ کا گھر تھا شام میں ایک حرم سے پیدا ہوئے اسمٰعیلؑ ان کو ساتھ ماں کے لاکر اس جنگل میں بٹھا

کر چلے گئے جہاں پہنچے شہر مکہ بسا اللہ تعالیٰ نے چشمہ زمزم
نکالا اس سبب سے وہاں بستی پڑی اور زمین لایق نہ تھی
کھیتی کے نہ میوے کے اس کے نزدیک زمین طائف سنوار
دی کہ بہتر سے بہتر میوے وہاں ہووین اور شہر مکہ میں
پہنچیں ۱۲ منہ

تنبیہ :۔ یہودیوں اور عیسائیوں نے جتنا چاہا زور لگایا کہ مکہ شریف کے متعلق حضرت ابراہیمؑ کی یادگاروں کو دُنیا جہان کے ذہنوں سے فراموش کردیں لیکن جس چراغ کو خدا جلائے اسے کون بجھائے۔

جب تک قرآن شریف دنیا میں باقی ہے (اور وہ بفضل خدا تاقیام دنیا قائم رہے گا) اور اس میں یہ آیات پڑھی جاتی رہیں گی اور حج ہوتا رہے گا۔ ابراہیمؑ کی یادگاریں نَو بنَو تازہ بتازہ رہیں گی۔

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى اٰلِ مُحَمَّدٍ كَمَا صَلَّيْتَ عَلٰى اِبْرَاهِيْمَ وَعَلٰى اٰلِ اِبْرَاهِيْمَ اِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ۔ اَللّٰهُمَّ بَارِكْ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى اٰلِ مُحَمَّدٍ كَمَا بَارَكْتَ عَلٰى اِبْرَاهِيْمَ وَعَلٰى اٰلِ اِبْرَاهِيْمَ اِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ ۝

تحقیق انیق

نمبر ۱:۔ تفسیر معالم وغیرہ میں بصیغۂ تمریض لکھا ہے:۔

"کہا گیا ہے کہ اول اول جس نے کعبہ بنایا وہ آدمؑ ہیں وہ عمارت طوفان میں شہید ہو گئی پھر خداوند تعالیٰ نے اس کی جگہ ابراہیمؑ کو بتائی حتیٰ کہ انہوں نے اسے تعمیر کیا۔"

(جلد ۱ صفحہ ۱۵۸)[1]

لیکن حافظ ابن کثیر اپنی تاریخ میں فرماتے ہیں:کسی صحیح حدیث میں جو معصوم (رسولِ خدا صلعم) سے مروی ہو نہیں آیا کہ کعبہ شریف حضرت ابراہیمؑ سے پیشتر بنا ہوا تھا (جلد ۱۔ صفحہ ۱۶۳)

اسی طرح آپ اپنی تفسیر میں بھی سورت حج کی آیت میں فرماتے ہیں۔

نمبر ۲:۔ صحیحین میں حضرتِ ابوذرؓ سے مروی ہے کہ انہوں نے آنحضرت صلعم سے سوال کیا کہ سب سے پہلے کون سی مسجد بنی؟ آپ نے فرمایا مسجد حرام میں نے عرض کیا پھر کون سی؟ آپ نے فرمایا مسجد اقصےٰ میں نے عرض کیا دونوں میں کتنی مدت کا فاصلہ ہے آپ نے فرمایا چالیس برس کا۔

[1] اس کی تائید آیت وَاِذْ بَوَّاْنَا لِاِبْرَاهِيْمَ مَكَانَ الْبَيْتِ سے بھی ہوتی ہے

اس میں مشکل یہ ہے کہ مسجد اقصےٰ حضرت داؤد علیہ السلام نے بنائی حضرت ابراہیمؑ اور حضرت داؤدؑ میں مدت دراز کا فاصلہ ہے پس اس اشکال کا حل کس طرح ہے؟

حافظ ابن کثیرؒ اپنی تاریخ میں فرماتے ہیں کہ مسجد اقصےٰ کی بنیاد اصل میں حضرت یعقوبؑ نے رکھی تھی حضرت داؤدؑ نے اسے پختہ کر کے بنایا اور اس کی شہادت کتب اہل کتاب سے بھی ملتی ہے[1]۔ پس حضرت ابراہیمؑ اور حضرت یعقوبؑ کی تعمیرات میں چالیس برس کا فاصلہ تعجب خیز نہیں ہے۔

مَعَدّ بن عَدنان

مِنَ الْقَوْمِ الرَّسُوْلُ اللّٰہِ مِنْہُمْ
لَہُمْ دَانَتْ رِقَابُ بَنِیْ مَعَدّ

حضرت مسیحؑ سے کوئی چھ سو برس پیشتر جب خداتعالےٰ نے عربوں کو اُن کی بیدینی بدعملی۔ کفر و شرک اور قتل انبیاء جیسے سنگین جرموں کی پاداش میں بخت نصر شاہِ بابل کے حملے سے تباہ کرنا چاہا تو اسوقت

[1] دیکھو کتاب پیدائش ۲۸ : ۱۶/۱۸ ، ۱۲۰ منہ۔

کے انبیائے بنی اسرائیل حضرات برخیا اور یرمیاد علیہم السلام) کو حکم کیا کہ عرب قوم میں سے ایک لڑکے مَعَدؔ بن عدنان نام کو وہاں سے لے کر الگ کر لو کیونکہ میں اس کی نسل سے خاتم الانبیاء رسول (صلعم) پیدا کرنے والا ہوں حضرات یرمیا اور برخیا نے اس حکم کی تعمیل میں حضرت مَعَدؔ کو عرب سے لے کر حرانؔ میں (جو حضرت ابراہیمؑ کا اصل اور آبائی وطن تھا) اپنے پاس رکھا اور اس کی تربیت کرنے لگے اُس وقت حضرت مَعَد کوئی بارہ سال کے تھے

بخُت نصر نے عرب پر حملہ کیا عدنانؔ نے کہ بڑے نامی شخص تھے عربوں کو جمع کر کے مقابلہ کیا لیکن عرب پر یہ حملہ خدائی انتقام کا دھاوا تھا عربوں کو شکست ہوئی شاہِ بابل نے عربوں میں سے بعض کو تیغ کے گھاٹ اتار کر دریائے خُون میں غرق کیا اور بعض کو پا بجولاں اسیر کر کے بابل لے گیا اور بعض دیگر بھاگ کر جنگلوں میں جا چھپے۔ عدنان بھی انہی میں تھے۔

تاریخ ابن خلدون میں اور بعض دیگر کتب تواریخ میں ایسا ہی لکھا ہے جو ہم نے بیان کیا ہے۔ اور بائیبل میں بھی کتاب یرمیاہ نبی میں اس حملہ کا ذکر

اب تک موجود ہے لیکن حضرت معد کی بابت جو ذکر ہے وہ سب کا سب نہایت ہوشیاری سے نکال ڈالا گیا ہے (کتاب یرمیاہ نبی ۴۹: $\frac{۲۸}{۲۹}$)

عدنان کے چھ بیٹے تھے یہ عرب کے مختلف علاقوں میں آباد ہوئے جہاں پر ان کی اولاد کثرت سے پھیلی

جب بخت نصر شاہِ بابل مر گیا اور بعض انبیائے بنی اسرائیل حج کے لئے مکہ میں آئے تو حضرت معد بھی ان کے ہمراہ آئے۔یہاں آکر اپنے باقی بھائیوں اور چچوں کو جو عدنان کی اولاد سے تھے ملے۔یہ لوگ یمن کے علاقوں میں آکر آباد ہو گئے تھے اور انہی لوگوں میں بیاہ شادی کر چکے تھے۔اہل یمن نے ان لوگوں سے بہت اچھا سلوک کیا تھا کیونکہ حضرت اسمٰعیلؑ کے سسرال جرہم تھے اور وہ اہل یمن کے بزرگ تھے چنانچہ ایک شاعر کہتا ہے ؎

تَرَكْنَا الدِّيَارَ إِخْوَتَنَا وَعَكًّا　　إِلَى سَمْرَانَ فَانْطَلَقُوا سِرَاعًا
وَكَانُوا مِنْ عَدْنَانَ حَتّٰی　　أَضَاعُوا الْأَمْرَ بَيْنَهُمْ فَضَاعَا

حضرت معد نے دریافت کیا کہ کیا حارث بن مضاض جرہمی کی اولاد سے بھی کوئی باقی ہے ؟ لوگوں نے کہا ہاں! جرہم بن جلہمہ جرہمی موجود ہے حضرت معد کی شادی جرہم کی بیٹی معانہ سے ہو گئی اور اس سے ان کا بیٹا نزار

پیدا ہوا۔ حضرت معدؑ[1] کے دیگر بیٹے بھی تھے لیکن نزار بہت نامور ہوئے۔ نزار کے چار بیٹے تھے اُن میں سے ممتاز شخصیت مُضر کی تھی جن کے نام پر قبیلہ مُضر ہے اور جو بنی عدنان کے دیگر قبائل کی نسبت حجاز میں بلحاظ تعداد کے زیادہ تھا اور برابر آنحضرت صلعم کے وقت تک نہایت زبردست رہا۔ کعبۃ اللہ کی ولایت و ریاست انہی کی تھی

مُضر کی اولاد میں سے چوتھے درجے پر کنانہ ہوئے جن کی اولاد کی کئی شاخیں ہوئیں۔ حدیث میں ہے۔

اِنَّ اللّٰہَ اصْطَفٰی کِنَانَۃَ مِنْ وُلْدِ اِسْمٰعِیْلَ وَاصْطَفٰی قُرَیْشًا مِّنْ کِنَانَۃَ وَاصْطَفٰی مِنْ قُرَیْشٍ بَنِیْ ھَاشِمٍ وَّاصْطَفَانِیْ مِنْ بَنِیْ ھَاشِمٍ رواہ مسلم (مشکوٰۃ)

یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم نے فرمایا کہ خدا تعالیٰ نے اولاد اسمٰعیل علیہ السلام میں سے کنانہ کو اور کنانہ میں سے قریش کو قریش میں سے بنی ہاشم کو پسند کیا اور بنی ہاشم میں سے مجھ کو برگزیدہ کیا"

کنانہ کے بیٹوں میں سے نضر بہت مشہور ہوئے ان کی سکونت بھی مکہ میں رہی۔ عام مورخین کے قول کے مطابق سب سے پہلے قریش کا لقب نضر ہی کو ملا

---

[1] دیکھو صفحہ پر

اور نضر کی اولاد کی سب شاخیں قریش کہلائیں۔کیا بنی تیم جن سے حضرت ابوبکرؓ ہیں اور کیا بنی عدی جن سے حضرت عمرؓ ہیں اور کیا بنی امیہ جن سے حضرت عثمانؓ ہیں اور کیا بنی ہاشم جن سے آنحضرت صلعم اور حضرت علیؓ ہیں۔

فہر بعض کا قول ہے کہ قریش کا لقب فہر کو ملا جو نضر کے پوتے تھے یہ بھی خاص شہرت رکھتے تھے

قصی۔فہر سے نیچے چھٹی پشت میں قصی ہوئے جو قریش میں ایک خاص شہرت کے نامور رئیس تھے انہوں نے قبیلہ قریش کو یکجا جمع کیا اور ان میں قومی وحدت کی بنیاد ڈالی اسی بنا پر بعض کا قول ہے کہ قریش کا لقب انہی کا ہے انہوں نے بہت سے نمایاں کام

۱؎ حضرت معد نہایت قوی اور بہادر جوان تھے سادہ زندگی گذارتے تھے جس کی وجہ سے موٹا پہننے اور سادہ زندگی گذارنے کو تمعدد کہنے لگے یعنی حضرت معد جیسی سادگی اختیار کرنا اسی محاورہ میں سے حضرت عمرؓ کا قول ہے. اخشوشنوا وَ تمعددوا (لسان العرب حرف الدال فصل المیم) یعنی موٹا کپڑ پہنو اور معد جیسی سادگی اختیار کرو کیونکہ باریک لباس اور لطیف غذائیں انسان کو نازک طبع اور آسائش پسند بنا دیتی ہیں) ۱۲ منہ

۲؎ نزار کا اصل نام تھا (تاریخ طبری)

کئے جن کی وجہ سے ان کو قوم میں خاص امتیاز و اعزاز حاصل ہوا۔

محاکمہ حدیث مذکور الصدر میں غور کرنے سے معلوم ہو جاتا ہے۔ کہ قریش کا لقب سب سے پہلے نضرؔ کو ملا اور اور قصیؔ کو بدیں وجہ خصوصیت سے لقب قریش سے ملقب کیا گیا کہ ان کے کارہائے قومی میں قرشیت کے معنی اور اس کی حقیقت یعنی غلبہؔ و جمعیت نمایاں طور پر پائی گئی واللہ اعلم!

قصیؒ کے چار بیٹے تھے عبد الدار جن کی اولاد کو عبدری کہتے ہیں۔کعبہ کے دروازے کی کلید برداری صرف انہیں کے ہاتھ میں تھی دوسرا بیٹا عبد مناف تھا تیسرا بیٹا عبد العزیٰ تھا جن کی اولاد سے حضرت خدیجہؓ ہیں چوتھے بیٹے کا نام باپ نے اپنے نام پر قصی رکھا (تاریخ طبری)۔ جن میں سے سب سے نامور عبد مناف ہوئے یہ بہت خوبصورت تھے اس لئے ان کو قمر البطحاء بھی کہتے تھے یعنی سنگستانِ مکہ کا چاند۔

انہی کے حق میں کسی نے کہا تھا ؎

كَانَتْ قُرَيْشٌ بَيْضَةً فَتَفَلَّقَتْ
فَالْمُحُّ خَالِصَةً لِعَبْدِ مَنَافِ

ابن خلدونؒ ان کا ذکر ان الفاظ میں کرتا ہے۔

"اَمَّا عَبْدُ مَنَافٍ فَهُوَ صَاحِبُ شَوْكَةٍ فِي قُرَيْشٍ وَسَنَاءُ الشَّرَفِ۔ یعنی عبد مناف قریشیوں میں بڑے صاحب شوکت تھے اور بزرگی کے کوہان تھے"

ان کے بھی چار بیٹے تھے ہاشمؓ جو آنحضرت صلعم کے پردادا تھے عبد شمسؒ جو بنی امیہ کے جد اعلیٰ ہوئے مطلبؒ جنہوں نے اپنے بھائی ہاشم کی وفات کے بعد اپنے یتیم بھتیجے شیبہ کی پرورش کی اور ان کے نام پر شیبہ عبد المطلب کہلائے یعنی مطلب کے پروردہ۔ امام شافعیؒ انہی مطلب کی اولاد میں سے ہیں چوتھا بیٹا نوفلؒ تھا یہ چاروں بلند اقبال اور با اقتدار ہوئے اور ان کی وجہ سے قریش کی عزت و عظمت اندرون عرب و حجاز کے علاوہ عرب کے ہمسایہ بادشاہوں کے ہاں بھی بہت زیادہ ہو گئی اس لئے ان کا مجموعی نام مُجَبِّرِیْن یعنی "خوشحال کرنے والے اور شکستگی کی مرمت کرنے والے" پڑ گیا۔

ہاشم

بنی عبد مناف میں سے ہاشمؓ نہایت نامور ہوئے ایسے کہ ان سے پہلے قریشیوں میں بہت اوپر تک اس رتبہ کا کوئی دوسرا نہ ہوا تھا۔ ان کا اصل نام عمروؓ تھا۔ ہاشمؓ اس وجہ سے پڑ گیا کہ ایک دفعہ مکہ شریف میں سخت قحط پڑا۔

جناب عمروؔ امیر کبیر ہونے کے ساتھ نہایت بامروت و عالی حوصلہ سخی بھی تھے فلسطین کو نکل گئے۔ بہت بڑی مقدار آٹے کی بوریوں کی اونٹوں پر لاد کر مکہ میں لائے۔ اونٹ ذبح کئے گئے آٹے کی روٹیاں پکنے لگیں اور بغیر اپنے پرائے کی تمیز کے تمام اہل شہر میں تقسیم ہونے لگیں۔ یہ روٹیاں توڑ توڑ کر اور شوربے میں بھگو بھگو کر کھلائی جاتی تھیں۔ ھَشم کے معنے ہیں "توڑنا" اور عرب میں اس قسم کے کھانے کو ھَشِیْم اور ثرید کہتے ہیں اس لئے عمروؔ کا نام ھاشم پڑ گیا۔ یہ سلسلہ جاری رہا حتیٰ کہ سارا آٹا اور اونٹوں کا گوشت ختم ہو گیا۔

اِس عام فیاضی سے ہاشم کا نام اور اثر دُور دُور تک عام طور پر اور اہل مکہ میں خاص طور پر بہت بڑھ گیا جس سے ہاشم کے بھتیجے اُمیّہ بن عبدشمس کو حسد آیا اُمیّہ بھی مالدار تھا اس نے نہایت تکلف سے ہاشم جیسی کرتوت کرنی چاہی لیکن مقصد بر نہ آیا بلکہ نہایت خفت حاصل ہوئی اور یہ امر بنی ہاشم اور بنی اُمیّہ میں عداوت کا بنیادی پتھر قرار پایا۔

ہاشم سرکاری درباری آدمی اور صاحب وجاہت تھے دوسرے علاقوں کے بادشاہوں کے ہاں باریابی کی عزت

رکھتے تھے اس کی وجہ یہ تھی کہ قریش کعبۃ اللہ کے متولی ہونے کے سبب تمام عرب اور بیرونِ عرب میں بھی نہایت عزت اور امتیاز کی نظر سے دیکھے جاتے تھے۔

چونکہ قریش کے کئی ایک خاندان تھے اس لئے اعزاز کے مختلف عہدے مختلف خاندانوں میں منقسم تھے چنانچہ رِفادت یعنی حجاج کی مہمان نوازی کا انتظام اور سقایت یعنی اُن کو زمزم کا پانی پلانے کی خدمت جناب ہاشم کے سپرد تھی اور لواء یعنی جنگی علمبرداری ہاشم کے چچا عبدالدار کے بیٹوں میں تھی۔

ہاشم اپنے فرائض کی انجام دہی میں چست اور باہمت ہونے کے علاوہ نہایت قابل و مُدبر و منتظم بھی تھے سقایت کا انتظام یوں کیا کہ زمزم کا پانی چرمی حوضوں میں بھروا کر (چاہِ زمزم کے قریب اور میدانِ منیٰ میں) سبیلیں لگوا دیں اور رفادت کا اہتمام تو نہایت ہی قابلِ ستائش ہے۔ ابن خلدون کے الفاظ یہ ہیں:۔

"فاحسن ھاشم ما شاء فی اطعام الحاج واکرام وفدھم یعنی ہاشم نے حجاج کے کھانا کھلانے اور ان کے وفدوں کے اعزاز واکرام کی خدمت کو حسب پسند دل کھول کر نہایت خوبی وخوش اسلوبی سے انجام دیا"

اِس کی صورت یہ ہوتی کہ جب ذی الحج کا چاند چڑھتا تو جناب ہاشم اپنی قوم قریش سے نہایت فصیح الفاظ اور بلیغ عبارت میں خطاب کرتے اور زائرینِ بیت اللہ کی مدارات اور خاطرداری کی ترغیب دیتے پہلے اپنے چندے کا اعلان کرتے اور کہتے کہ میں اپنے طیب و حلال مال سے اتنی رقم پیش کرتا ہوں جس کے حاصل کرنے میں میں نے نہ تو کوئی قطع رحمی کی ہے اور نہ کسی قسم کا ظلم کیا ہے اور نہ اس میں کسی دیگر طرح کی حرام وجہ کا دخل ہے پس تم میں سے بھی جو شخص ایسا کرنا چاہے کرے اور تم کو اس خانۂ خدا کی حرمت کی قسم ہے کہ تم میں سے کوئی بھی سوائے حلال وطیب مال کے نہ دے جس میں نہ رحمی کی گئی ہو اور نہ ظلم سے حاصل کیا گیا ہو۔ اور نہ غصب سے لیا گیا ہو۔ ان کی اس ترغیب وتحریص پر لوگ دھڑا دھڑ حلال وطیب مال سے رقوم پیش کر دیتے اس جمع شدہ مال سے جناب ہاشم صاحب حُجاج مسافروں کے کھانے دانے اور آرام و آسائش کا انتظام نہایت خوبی سے انجام دیتے۔

یہاں تک ہی نہیں بلکہ جناب ہاشم صاحب کو اپنی قوم کی ترقی اور سہولتوں کی طرف بھی خاص توجہ تھی چنانچہ

شام روم اور غستان کے عیسائی بادشاہوں سے قریش کے تجارتی امن و امان اور معافی محصول کے فرامین حاصل کئے چنانچہ قریشی تاجر نہایت امن سے جاڑوں میں یمن اور گرمیوں میں شام کے علاقوں میں تجارتی سفر کرتے تھے۔ قرآن شریف میں قریش کے ان ہردو سفروں کا ذکر خصوصیت سے کیا گیا ہے۔ چنانچہ فرمایا۔ لِاِیْلٰفِ قُرَیْشٍ۔ اٖلٰفِهِمْ رِحْلَةَ الشِّتَآءِ وَالصَّیْفِ ۔ (قریش پ ۳۰) یعنی "قریش کو اُلفت دلانے کی وجہ سے (یعنی) ان کو جاڑے اور گرمی میں سفر کی اُلفت دلانے کی وجہ سے" ان ہردو تجارتی سفروں کی بنیاد بھی حضرت ہاشم ہی نے ڈالی تھی (معالم وغیرہ)

عرب میں قزاقی و رہزنی عام طور پر تھی۔ نہ تو کوئی حکومت تھی کہ سیاسی رعب و انتظام ہوتا اور نہ ان کے پاس کوئی شریعت تھی کہ اس کی پابندی سے امن کا قیام ہوتا۔ خود سری و خود مختاری کا جن سب پر سوار تھا۔ اور لوٹ مار اُن کا دن رات کا کاروبار تھا خیر حجاج کے قافلے تو حج کی برکت سے محفوظ رہتے تھے لیکن دیگر مہینوں میں امن کی صورت مشکل تھی حضرت ہاشم صاحب نے اس ضرورت کو سمجھا اور مختلف قبائل میں دورہ کرکے اُن سے قیام امن کے معاہدے کئے یہی وجہ تھی کہ باوجودیکہ ملک میں عام طور

پر غارتگری ہوتی تھی لیکن قریش کے قافلے محفوظ رہتے تھے

جناب ہاشم حسب عادت ایک دفعہ تجارت کے سفر کو نکلے لیکن یہ آخری سفر ہؤا اور ایسے نکلے کہ پھر مکہ میں واپس نہ آئے اور ملک شام کے شہر غزّہ میں فوت ہو گئے۔ فَاِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْن۔

یہ اپنے دیگر بھائیوں میں سب سے پہلے فوت ہوئے ان کے بعد رفادت اور سقایت کی خدمت ان کے دوسرے بھائی مطلب کو ملی۔

مُطَّلِب۔ مُطلب بھی اعلیٰ قابلیت کے شخص تھے۔ اپنے فرائض کو نہایت خوبی سے انجام دیتے رہے۔ علامہ ابن خلدون ان کے اوصاف میں لکھتے ہیں

"وَ کَانَ ذَا شَرَفٍ وَّ فَضْلٍ وَ کَانَتْ قُرَیْشٌ تُسَمِّیْہِ الْفَضْلَ لِسَمَاحَتِہٖ"

"یعنی جناب مُطلب" صاحب فضیلت و شرافت تھے، قریش ان کو جوانمردی، بلند ہمتی اور سخاوت کی وجہ سے الفضل، یعنی فضیلت" مجسم کہتے تھے"۔

عبدالمطلب بن ہاشم

الکریمُ ابنُ الکریم

کس شیر کی آمد ہے کہ رَن کانپ رہا ہے
رَن ایک طرف چرخ کہن کانپ رہا ہے

حضرت ہاشم نے مدینہ میں جسے اُس وقت یثرب کہتے تھے قبیلہ بنی نجار کی ایک صاحب حسب و نسب اور ذی عزت بیوہ خاتون سلمٰی نام سے نکاح کیا۔ جس کے بابرکت بطن سے ایک روشن اختر۔ فیروز بخت۔ بلند قدر۔ فرزند پیدا ہؤا۔ اس مولود کے سَر میں کچھ بال سفید تھے اس لئے اس کا نام شَیبہ (بڈھا) رکھا گیا۔ شیبہ ابھی صغیر السّن ہی تھے کہ سَر سے باپ کا سایہ جاتا رہا اس وقت یہ اپنی والدہ ماجدہ کے ساتھ اپنے ننھیال میں تھے اس لئے وہیں اپنے ماموں کی زیر کفالت پرورش پاتے رہے۔ ماموں نے کئی سال تک نہایت شفقت و پیار سے اپنے یتیم بھانجے کی پرورش کا حق ادا کیا ایسا کہ آزردگی کا خیال تک بھی اِن کے دل پر نہ آنے دیا۔

جب یتیم شیبہ کی عمر کوئی سات آٹھ سال کی ہوئی تو ان کا چچا مطلب مدینہ میں آیا کہ اپنے یتیم بھتیجے کو اپنی

کفالت میں لے کر اس کی تربیت اپنی نظر کے سامنے کرے۔ مادرِ مہربان کا غمزدہ دل عزیز بچے کی جدائی کو گوارا و برداشت نہیں کر سکتا تھا لیکن یہ بیش بہا امانت صاحبِ امانت مُطلب کے حوالے کرنی پڑی۔ گویا اُن کی حالت وداع کے وقت یہ کہہ رہی تھی ؎

مے رَوَی وَ مے رَوَد جانم بتو
خوش بِرَو فَاللّٰہُ خَیْرٌ حَافِظًا

صاحب مروّت و باہمت چچا نے جس طرح اپنے مرحوم بھائی کے فرائض قومی کے انجام دینے میں سچی جانشینی کا ثبوت دیا اسی طرح اِس یتیم بچے کی کفالت و تربیت کا حق بھی پورا پورا ادا کیا۔ مُطلِب کی کفالت میں تربیت پانے کی وجہ سے اب شَیْبَہ عبدالمطلب یعنی مُطلِب کے پروردہ کہلانے لگے۔

---

[1] عبدیت کئی طرح پر ہے۔ مخلوق کو بھی عبد کہتے ہیں اور یہ نسبت صرف ذاتِ حق سے مختص ہے۔ زر خرید غلام (مملوک) کو بھی عبد کہتے ہیں جیسے آیت ضَرَبَ اللّٰہُ مَثَلًا عَبْدًا مَّمْلُوْکًا (پ۱۴ نحل) ہیں اور مجازاً خدمتگار و تابع فرمان کو بھی عبد کہہ لیتے ہیں عام اس سے کہ جبر و قہر سے غلام بنا لیا ہو جیسے فرعون نے احرار و شرفائے بنی اسرائیل کو بنا رکھا تھا یا کوئی خود دیانتی (بر صفحہ ۹۰)

رجوع بمطلب

کچھ عرصہ بعد جناب مُطّلب یمن کی طرف تجارت کو گئے اور ایسے گئے کہ اپنے بلند قدر برادر کی طرح پھر واپس نہ آئے اور اُسی علاقہ میں بمقام رُدمان فوت ہو گئے۔ ان کے بعد ان کی سرداری کے سب عہدے اُن کے پیارے اور لاڈلے

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۸۹) اپنے رجوعِ قلب و اعتقاد سے کسی کا پرستار بن گیا ہو جیسے عبدۃ الاوثان اور جملہ غیراللہ پرست اور مربُوب و پروردہ کو بھی عبد کہہ لیتے ہیں چنانچہ لسان العرب میں ہے۔ العبد الانسان حراکان او رقیقا یذھب بذالک الیٰ انہ مربوب لباریہ عزوجل اسی معنی کے رُو سے جناب شَیبہ کا نام عبد المطلب پڑ گیا۔ یعنی مطلب کا پروردہ ۱۲ منہ الماع چونکہ لفظ عبد کا ایک مفہوم وہ بھی ہے جو صرف ذاتِ حق کی طرف منسوب ہو سکتا ہے یعنی خلق کی نسبت صرف خداتعالےٰ کی طرف صحیح ہو سکتی ہے اس لئے آنحضرت صلعم نے اس لفظ کی نسبت خدا کے سوائے کسی اور کی طرف کرنے سے منع فرما دیا (صحیح مسلم) چاہیئے کوئی دیگر معنے مراد رکھے تاکہ شرک کا وہم بھی نہ پڑے اور اس حکم میں شریعتِ مُطہرہ کی نہایت باریک بینی ہے۔

(۲) نیز اس میں ایک سیاسی نکتہ بھی ہے کہ جس طرح ایک موحد مسلم کی پیشانی خدا کے سوا کسی اور کے آگے نہیں گرتی اور اُس کی کمر غیراللہ کے سامنے نہیں جھکتی اُس طرح اُس کی باطنی نسبت اور کسی کا غلام ہو کر رہنا بھی کسی دیگر سے وابستہ نہ ہو اس سے مسلمان کی ذہنیت کو سفل کی طرف گرنے سے بچا کر بلندی پر چڑھایا ہے۔ اَللّٰھُمَّ کُلُّنَا لَکَ عَبْدٌ۔ ۱۲ منہ

بھتیجے عبدالمطلب کی طرف منتقل ہوئے[1]

جناب عبدالمطلب کو اپنے باپ کی وراثت میں سے جو کچھ اُن کے چچا مُطلب سے ملا تھا اس میں سے جو چند قطعات اراضی تھے ان پر اُن کے دوسرے چچا نوفل بن عبد مناف نے جبرًا قبضہ کر لیا اور عبد المطلب کو دینے سے انکار کر دیا۔ عبدالمطلب نے مدینہ شریف میں اپنے ماموں کو ایک نہایت فصیح و بلیغ منظوم خط لکھا جو اُن کی جادو بیانی اور قادر الکلامی کی دلیل ہے جسے ہم بعد افسوس اس لئے درج نہیں کر سکتے کہ مسلمان! ہاں پیغمبر عربی کے اکثر نام لیوا زبان عربی کو سمجھنے سے قاصر ہو گئے ہیں۔ اُس کا خلاصہ یہ ہے کہ پہلے اس حالتِ تنعم

---

[1] مطلب کا ذکر ہم نے عبدالمطلب کے ذکر میں تفصیل سے کیا ہے حالانکہ وہ عمودِ نسبِ نبوی سے نہیں ہیں بلکہ آپ کے پردادا ہاشم کے بھائی ہیں اوّل اس لئے کہ عبدالمطلب کی پرورش کے ذکر میں مطلب کا ذکر ضروری ہے دوئم اس لئے کہ ہاشم کی وفات کے بعد ان کے فرائض مفوضہ کا انصرام مطلب کے ہاتھ میں رہا پھر مطلب کی وفات کے بعد عبد المطلب کی طرف منتقل ہوئے گویا مطلب صاحب عبدالمطلب کی صغر سنی میں بطور گارڈین فرائض انجام دیتے رہے پس حضرات ہاشم اور عبد المطلب کے ذکر کے درمیان سلسلہ خدمات کو مسلسل دکھانے کے لئے مطلب صاحب کا ذکر ضروری تھا ۱۲۔ منہ۔

کا ذکر کیا ہے جس میں وہ اپنے ماموں کے ہاں پرورش پاتے تھے۔ پھر اپنے چچا مطلب کے ساتھ مکہ شریف میں آنے اور مطلب کی کفالت و تربیت کا ذکر کیا ہے۔ پھر نوفل کے غصب کا شکوہ کیا ہے پھر اپنے ماموں کو اُبھارا ہے کہ یہاں آکر میرے غاصب چچا سے میرا حق لے کر دیں کل دس شعر ہیں اُن میں سے ہم بنظرِ اختصار تین شعر بلا رعایتِ ترتیب انتخاب کر کے لکھتے ہیں ؎

قَدْ کُنْتُ فِیْکُمْ وَلَا اَخْشٰی ظُلَامَۃَ
ذِیْ ظُلْمٍ عَزِیْزًا مَنِیْعًا نَاعِمَ الْبَالِ

"جب میں آپ لوگوں میں تھا تو مجھے کسی ظالم کے ظلم کا خوف نہ تھا اور میں ہر طرح سے محفوظ اور خوش حال تھا"

فَغَابَ مُطَّلِبٌ فِیْ قَعْرِ مُظْلِمَۃٍ
وَقَامَ نَوْفَلُ کَیْ یَعْدُوْ عَلٰی مَالِیْ

"اب مطلب تو اندھیری قبر کے گڑھے میں غائب ہو گیا ہے اور نوفل میرے مال پر تعدی کرنے کے لئے کھڑا ہو گیا ہے"

فَاسْتَنْفِرُوْا وَامْنَعُوْا ضَیْمَ ابْنِ اُخْتِکُمْ
لَا تَخْذُلُوْہُ وَمَا اَنْتُمْ بِخُذَّالٍ

"پس اُٹھ کھڑے ہو اور اپنی ہمشیرہ کے بیٹے کے ظلم کو دُور کرو اور اُسے بیچارہ نہ دو اور آڑے وقت میں کسی کا ساتھ

نہ دینا تمہارا اشعار نہیں ہے؟ (ابن جریر طبری)

اِس خط کے پہنچنے پر آپ کے ماموں اسّی بہادروں کی جماعت بن کر مکہ شریف میں پہنچے اور اپنے یتیم بھانجے کا حق اُس کے غاصب چچا سے بزور دلوا کر مدینہ شریف کو لَوٹ گئے۔

عبدالمطلب کے فضائل پر اجمالی نظر

عبدالمطلب اپنے امور مفوضہ کے سرانجام دینے، عام فیاضی، زائرین بیت اللہ کی خدمت اور بیکسوں اور مظلوموں کی امداد و فریادرسی، قومی ہمدردی اور شہرت و ناموری اور عام مقبولیت میں اپنے نامور باپ ہاشم کے سپوت ثابت ہوئے اور ناموری کے اُن مدارج و مراتب پر پہنچے کہ حضرت اسمٰعیلؑ کے بعد بہت اوپر تک ان کے آباؤ اجداد میں سے کوئی نہ پہنچا تھا ان کی عام فیاضی اور جُود و سخا کی وجہ سے لوگ اُن کی تعریف کے گیت گاتے تھے اور ان کو شیبۃ الحمد کہتے تھے۔ مؤرخ ابن خلدون آپ کو اِن الفاظ میں یاد کرتا ہے:۔

واقام الرفادۃ و السقایۃ للحاج علی احسن ماکان قومہ	"یعنی عبدالمطلب نے حجاج کے لئے سقایت و رفادت کی خدمت کو اُس حالت سے زیادہ احسن

یقیمون بمکۃ من قبلہ وکانت لہ وفادۃ علی ملوك الیمن من الحمیر والحبشۃ (صفحہ ۳۲۳ جلد ثانی)	طور پر قائم کیا جو مکہ میں اُن سے پیشتر اُن کی قوم کرتی تھی اور وہ حمیر خاندان کے ملوک یمن اور ملوک حبشہ میں باریاب بھی تھے۔

علامہ محمود شکری آلوسی نے اپنی بے نظیر کتاب بلوغ الارب فی احوال العرب" میں عبدالمطلب کی جلالتِ قدر اور عظمتِ شان نہایت زور دار الفاظ میں بیان کی ہے لیکن پھر بھی حق ادا نہیں ہو سکا کیونکہ عبدالمطلب کی شان بیان کرنے کے وقت واقفِ حال شخص کا دماغ حیرت زدہ ہو جاتا ہے۔ باپ بیٹے کا فرق یوں بیان کر سکتے ہیں کہ باپ کے فضائل اعلیٰ سے اعلیٰ عبارت میں بیان کر کے کہہ سکتے ہیں کہ ہم اُس کی شخصیت کی عظمت ایک حد تک اپنے پڑھنے سُننے والوں کو سمجھا سکے ہیں۔ لیکن بیٹے کی نسبت ایک بلیغ بیان کے بعد بھی ہم یہ نہیں کہہ سکتے کہ ہم حقیقت واقعی کے بیان کرنے میں کامیاب ہو گئے ہیں کیونکہ جو کچھ بھی بیان کیا جائے عبدالمطلب کی شان اس سے بہت بلند نظر آتی ہے۔ میں اُن کی تعریف میں اِس سے زیادہ کچھ نہیں کہہ سکتا ع

لَا یُدْرِکُہُ الْوَاصِفُ الْمُطْرِیْ خَصَائِصَہٗ

میرے سامعین میرے اس بیان کو مبالغہ خیال نہ کریں اور نہ محض فرطِ محبت یا حُسنِ عقیدت کا نتیجہ قرار دیں میں پہلے ہی بیان کر چکا ہوں کہ میری رائے کی بنا حسن ظنی اور خوش اعتقادی پر نہیں بلکہ حقیقت نفس الامری پر ہے۔ ہاں اتنا پھر عرض کئے دیتا ہوں کہ عبد المطّلب کو دیکھنے کے لئے زمانۂ کفر و جاہلیت کی عینک نہ لگائیں۔ اُن کی پیشانی میں خدا کے برگزیدہ رسولؐ کا نور تھا۔ جس کے دیکھنے کے لئے ایسی آنکھ کی ضرورت ہے جس کی نور افزائی بصیرت حقانی نے کی ہو اُس کی پشت ختم نبوت کی امانت کی متحمل تھی جس کی وجہ سے وہ ابرہہ جیسے جابر کے سامنے بھی خمیدہ نہ ہوئے جیسا کہ انشاءاللہ مذکور ہو گا۔

اگرچہ عبدالمطّلب کی شان میرے بیان سے بہت بلند ہے لیکن پھر بھی بفحوائے مَالَا یُدْرَكُ كُلُّهٗ لَا يُتْرَكُ كُلُّهٗ لوگوں کے ذہنوں میں اس جامع جلال و جمال ہستی کی عظمت کا تصوّر جمانے کے لئے علامہ محمود شکری کی عبارت کا خلاصہ مطلب اپنے الفاظ میں مع بعض زیادات کے بیان کئے دیتا ہوں واللہ الموفق۔

صورت و سیرت | قدؔ کے لانبے بدنؔ کے سڈول تھے

نہایتؒ خوبصورت صاحبؒ وجاہت و پُر ہیبت تھے چہرےؒ سے نجابت و شرافت ٹپکتی تھی اور رخساروںؒ سے جلالت و عظمت کی شعاعیں نور افشاں تھیں۔ بڑےؒ سے بڑا اجنبی بھی صورت و جلالت کی تاب نہ لاکر تعظیم کئے بغیر نہ رہ سکتا تھا۔ چنانچہ جب ابرہہ اشرم داشرم عیسائی) نے ہاتھیوں کے لشکر سے خانہ کعبہ پر چڑھائی کی اور اس کے لشکری جناب عبدالمطلب صاحب کے اونٹ پکڑ کر لے گئے اور آپ اپنے اونٹوں کی خاطر ابرہہ کے پاس گئے تو ہرچند کہ آپ سے اُس کی جان پہچان نہ تھی۔ لیکن پہلی ہی ملاقات میں محض آپ کی صُورت دیکھنے سے اِس کے دل پر آپ کی عظمت کا اتنا اثر پڑا کہ وہ اپنے تخت شاہی سے اُتر کر آپ کے برابر ہو بیٹھا (جس کی تفصیل انشاء اللہ آگے آئے گی) آپؒ کا سَر بڑا تھا جو حکمت اور دانائی سے پُر تھا سینہ چوڑا تھا۔ نہایتؒ فراخ حوصلہ اور حلیم تھے مصائبؒ میں لوگوں کی جائے فریاد اور مشکلات میں اُن کی جائے پناہ تھے۔ آپ کیا کمالات کے رُو سے اور کیا کارناموں کے لحاظ سے بغیر مزاحمت وانکار اور بلا مقابلہ و اعتراض قبیلہ قریش کے سردار اور مسلّم بزرگ تھے اپنے پرائے سب آپؒ کی عزت کرتے تھے اور آپ کی اطاعت کو موجب فخر

جانتے تھے

عبدالمطلب کی فیاضی اور مقبولیت

آپ مستجاب الدعوات تھے جود و سخا میں شہرۂ آفاق تھے آپ کا دسترخوان صرف بنی آدم ہی کے لئے مخصوص نہ تھا۔ بلکہ جنگل کے وحشی درندے اور پرندے بھی اس سے متمتع ہوتے تھے چنانچہ آپ جنگلی جانوروں اور پرندوں کے لئے پہاڑوں کی چوٹیوں پہ ان کی غذا پہنچاتے تھے اسی وجہ سے آپ کو الفیاض بھی کہتے تھے

دینداری و پرہیزگاری

آپ نے اخیر عمر میں شرک و بت پرستی چھوڑ دی تھی اور ملت ابراہیمی پر قائم ہو کر موحد ہو گئے تھے شراب زنا ظلم بغاوت دختر کشی۔ ذی محرم عورتوں سے نکاح کرنے اور بیت اللہ شریف کا طواف ننگے ہو کر کرنے سے منع کرتے تھے عمر بھر کبھی شراب کے نزدیک نہیں پھٹکے اپنی اولاد کو خسیس اخلاق اور پست خیالات سے روکتے تھے اور اخلاق فاضلہ کی تحصیل کی تاکید کرتے تھے عاقبت میں جزا سزا کے قائل تھے آپ فرمایا کرتے تھے کہ ظالم ظلم کا خمیازہ بھگتنے کے بغیر دنیا سے رخصت نہیں ہوتا۔ اتفاق سے اہل شام میں سے ایک مشہور ظالم [illegible] مصائب ہونے کے بغیر [illegible]

اس کی بابت کسی نے آپ سے پوچھا تو آپ نے تھوڑا سا فکر کرنے کے بعد فرمایا کہ اس گھر (دنیا) کے بعد ایک اور گھر (عاقبت کا) ہے جس میں نیکوکار کو نیکی کی جزا ملے گی اور بدکار اپنی بدی کی سزا پائے گا۔

عدل و انصاف آپ حکام قریش سے تھے یعنی اُن مقدر ہستیوں میں سے ہوئے ہیں جو قریش میں سے صاحبانِ حکم ہوئے ہیں کہ لوگ اپنے معاملات و نزاعات میں اُن کی طرف رجوع کرتے اور اُن کے فیصلے پر عمل کرتے تھے فیصلہ میں آپ حق کے حامی اور صاحب عدل و انصاف تھے عدل و انصاف عموماً مشکل کام ہے لیکن جب کسی تعلقدار یا بڑے شخص کے خلاف کرنا پڑے تو مشکل تر ہو جاتا ہے مگر ہاشم کے سپوت کو اس کی پرواہ نہیں تھی حرب بن اُمیّہ جو ابو سفیان کا باپ تھا اور رشتہ میں آپ کا بھتیجا ہوتا تھا آپ کا ندیم خاص تھا۔ قرب رشتہ کے علاوہ دن رات کی یکجا نشست و برخاست اور باہمی صلاح و مشورہ کے سبب آپس میں کمال محبت تھی۔ حضرت عبدالمطلب صاحب کی ہمسائگت میں ایک یہودی رہتا تھا اتفاقاً ایک روز بازار میں اس یہودی اور حرب میں بولچال ہو پڑی۔ یہودی نے حرب

کے حق میں بہت سخت الفاظ استعمال کئے ۔ حرب کی نبضِ غیرت میں تیزی ہوئی ایک شخص کو اشارہ کر کے اس یہودی کو مروا ڈالا عبدالمطلب کو جب اس خونِ ناحق کی خبر پہنچی تو حرب کی ہمنشینی ترک کر دی اور اس کا پیچھا نہ چھوڑا حتیٰ کہ اُس سے یکصد اونٹنیاں دیت (خون بہا) لے کر اس یہودی کے چچا کے بیٹے کو دلوا دیں ۔

عبدالمطلب کے کارنامے عبدالمطلب اپنے فرائض کے انجام دینے میں ایک صاحب ہمت شخص تھے کئی ایک ایسے کام انجام دیئے جو آپ سے قبل کسی نے نہ کئے تھے محدث ابن جریرؒ ان کی شان میں لکھتا ہے ۔

" مطلب کی وفات کے بعد سقایت و رفادت کی خدمت عبدالمطلب کے سپرد ہوئی وہ اپنی قوم میں اس شرف و عظمت پر پہنچے کہ ان میں سے کوئی بھی ان کے برابر نہیں سمجھا جاتا تھا چاہ زمزم کا اصلی مقام معلوم کر کے انہے از سر نو کھود کر تیار کیا ۔ اور زمانہ قدیم میں قوم جرہم نے جو دو ہرن سونے کے اس میں دفن کئے تھے وہ نکلوائے (یہی اس کے اصلی جگہ کا ثبوت ہے) اور دو ورع، مرصع القلعہ کی بنی ہوئی قدیم تلواریں اور زرہیں بھی نکلیں تلواروں سے تو خانہ کعبہ کے دروازہ [illegible]

بنوایا اور طلائی ہرنوں کے سونے (کے پترے بناکر) اُس کے
دروازے پر چڑھائے یہ پہلا موقع تھا کہ کعبہ شریف کے
دروازے پر سونا چڑھایا گیا" (انتہیٰ مترجماً)

واقعۂ اصحاب فیل

یہ آنحضرت (صلعم) کے جد امجد عبدالمطلب کے عہد کا نہایت مشہور
اور اہم واقعہ ہے حضورؐ کا سوانح نگار جب آپ کی ولادت
کے ذکر پر پہنچے تو اُسے یہ واقعہ فراموش نہیں کرنا چاہئے
قرآن شریف نے اس کو خاص اہمیت سے ذکر کیا ہے
یہ خانہ کعبہ کی غیبی حفاظت کا نہایت عظیم الشان نشان
ہے اور حضورؐ کی ذات والا صفات کی برکات میں سے
ایک بڑی برکت ہے کہ اس سے پونے دو ماہ بعد بانیٔ کعبہ
حضرت خلیل اللہ علیہ السلام کی اولاد میں سے کعبہ کے
اصلی اور حقیقی متولی کی پیدائش ہونے والی تھی جیسے کہ
صبح صادق آفتاب عالمتاب کے ظہور و نمود کے لئے بیّن
شہادت اور بشارت ہوتی ہے۔ صورت واقعہ مختصراً یوں
ہے کہ صوبہ یمن میں شاہِ حبشہ کے نائب ابرہہ اشرم[1]
عیسائی نے صنعائے یمن میں قیمتی پتھروں کا گرجا بنایا جس کا

---

[1] اشرم اس لئے کہ ایک جنگ میں اس کا ایک کان اور
ناک بھی کٹ گئے تھے ۱۲ منہ۔

نام کلیسؔ[1] رکھا اور اُسے خوشنما و دلفریب بنانے کے لئے ہر طرح کی اندرونی و بیرونی سج دھج سے مزین کیا کہ لوگ کعبہ کی بجائے اس کا حج کیا کریں وہاں کے کسی قریش نے آگ جلائی۔ آگ ہوا سے اُڑکر اس گرجے کو جا لگی اس پر ابرہہ بہت برہم ہوا اور بہت بڑا لشکر ہمراہ لے کر مکہ شریف پر حملہ کرکے خانہ کعبہ کو گرانے کے لئے تیاری شروع کر دی۔ شاہِ حبشہ کی خاص سواری کا ہاتھی محمود نام اپنی سواری کے لئے منگوایا اور دیگر بہت سے ہاتھی بھی ساتھ لئے کہ خانہ کعبہ کو ٹکڑوں سے گرا دیں لشکر کی تعداد بیس[2] ہزار بتائی گئی ہے تعداد میں مورخین کے مختلف اقوال ہیں لیکن ہمیں کسی خاص تعداد سے بحث نہیں ہاں اتنا ضرور کہتے ہیں کہ عربوں کے عُرفِ عام میں اس واقعہ کو وَاقِعۂ اَصْحَابُ الْفِیْل کہتے ہیں۔ اور قرآن شریف نے بھی اس کا ذکر اصحاب الفیل کے نام سے کیا ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ تعداد زیادہ تھی۔ جس کی حد خدا کو معلوم ہے۔

یہ لشکرِ جرّار منزل بمنزل سفر کرتا مکہ شریف کے قریب آپہنچا۔ وہاں قریشیوں اور دیگر لوگوں کے اونٹ چر

لہ غالباً کلیسیا کی یادگار کے لئے یہ نام رکھا ہوگا ۱۲ منہ۔

رہے تھے جن میں دو سو اونٹ آنحضرت صلعم کے جدّامجد عبدالمطلب کے تھے وہ سب اونٹ حبشیوں نے پکڑ لئے عبدالمطلب اپنے اونٹوں کی واگذاری کے لئے ابرہہ کے پاس گئے آپ نہایت وجیہ و باوقار اور پر ہیبت وقد آور شخص تھے۔ ابرہہ کے ہاتھی بان نے کہا:-

"یہ قریش کے سردار اور مکہ کے قافلہ کے مالک ہیں میدان میں لوگوں کو پہاڑوں کی چوٹیوں پر وحشیوں کو کھانا کھلاتے ہیں۔ ان سے نیک سلوک کرنا چاہیئے"

جب ابرہہ نے آپ کو دیکھا تو اس کا دل آپ کی عظمت سے بھر گیا نہ تو یہ کر سکا کہ آپ کو فرش زمین پر بٹھائے اور خود تخت پر بیٹھا رہے اور نہ یہ کر سکا کہ ان کو ساتھ تخت پر بٹھائے کیونکہ اپنی قوم سے اندیشہ تھا کہ وہ اس امر کو گوارا نہیں کریں گے۔ وہ خود بہت حلیم اور کریم النفس شخص تھا آخر کیا تو یہ کیا کہ تخت سے اتر کر فرش پر آگیا اور جناب عبدالمطلب صاحب کو ایک جانب اپنے ساتھ بٹھا لیا۔ اور ترجمان کے ذریعے آپ سے ملاقات کا مدعا پوچھا۔ آپ نے کہا آپ کے لشکری میرے دو سو اونٹ پکڑ لائے ہیں وہ واپس دیدیئے جائیں ابرہہ نے کہا جب میں نے آپ کو دیکھا تھا تو میرا دل آپ کی عظمت سے

بھر گیا تھا لیکن جب آپ نے کلام کیا تو میری وہ رغبت جاتی رہی۔کیا آپ مجھ سے اپنے دو سَو اونٹوں کی بابت کلام کرتے ہیں اور کعبہ کے سوال کو چھوڑ دیتے ہیں جو آپ کا اور آپ کے باپ دادوں کا دین ہے۔میں تو اسے گرانے آیا ہوں۔لیکن آپ اُس کی نسبت مجھ سے کوئی بات نہیں کرتے۔

عبدالمطلب صاحب نے نہایت برجستگی اور متانت وسادگی سے جواب دیا۔" مَیں اونٹوں کا مالک ہوُں۔ (اس لئے اونٹوں کی بات کرتا ہوں) اور اس گھر کا بھی ایک مالک ہے وہ خود اس کی حفاظت کرلے گا"

ابرہہ نے نہایت غرور وتکبر سے کہا "وہ اُسے مجھ سے بچا سکا؟" عبدالمطلب نے کہا آپ جانیں اور وہ جانے آپ میرے اُونٹ واپس دیدیجئے۔خیر! ابرہہ نے آپ کے اونٹ واپس دیدیئے اور آپ نے اُن کے گردن میں کعبہ کی نذر کے طور پر پٹے باندھ دیئے اور خانہ کعبہ میں لے آئے اور خانہ کعبہ کا کُنڈا پکڑ کر کہا ؎

یَا رَبِّ لَآ اَرْجُوْ لَھُمْ سِوَاکَا

یَا رَبِّ فَامْنَعْ مِنْھُمْ حِمَاکَا

اِنَّ عَدُوَّ الْبَیْتِ مَنْ عَادَاکَا

اِمْنَعْهُمْ اَنْ يُّخَرِّبُوْا قِرَاكَا

۱۔ یعنی خداوندا! تیرے سوا مجھے کسی کی آس امید نہیں[1]
۲۔ خداوندا! اِن (ظالموں) سے اپنے حرم محترم کو بچالے
۳۔ بیشک اِس گھر کا دشمن وہی ہے جو تجھ سے دشمنی رکھتا ہے
۴۔ تو (اپنی مہربانی سے) اِن کو اپنے گھر کی تخریب سے روک لے

اِس کے بعد عبد المطلب اور دیگر لوگ اپنے بچاؤ کے لئے پہاڑوں کی چوٹیوں پر چڑھ گئے جب صبح ہوئی تو ابرہہ نے مکہ شریف میں داخل ہونے کی تیاری کی مہاوت نے ہاتھی کو اٹھایا لیکن وہ نہ اٹھا پھر مارنا شروع کیا طبرزین کی ضربیں لگائیں لوہے کی کھنڈیاں چبھو چبھو کر اس کے جسم کو لہو لہان کر دیا لیکن وہ نہ اٹھنے والا تھا نہ اٹھا اگر اس کا منہ یمن کی طرف کر کے اٹھاتے تو اٹھتا اور دوڑ پڑتا لیکن اگر مکہ شریف کی طرف چلانا چاہتے تو بیٹھ جاتا اور جگہ سے نہ ہلتا اللہ تعالیٰ نے غیب سے جدّہ کے سمندر کی طرف سے عجیب قسم کے پرندے جھنڈ کے جھنڈ بھیجدیئے ہر ایک کی چونچ اور دونوں پنجوں میں سجیل[2] (پتھر کے کنکر) تھے جس کسی کو وہ پتھر لگتے اس

---

[1] یہ کلمۂ توحید ہے اس سے بھی ثابت ہے کہ عبد المطلب بت پرست نہیں تھے کما سیجیئ ۱۲ منہ [2] یہ لفظ فارسی کے (باقی بر صفحہ ۱۰۵)

کے اعضاء ساقط ہو جاتے۔ یہ حالت دیکھ کر لشکر میں بھاگڑ پڑ گئی اور لگے اندھا دھند بھاگنے لیکن یہ قہر آلہی کے پتھر تھے نفیل بن حبیب خثعمی نے پہاڑ پر سے پکار کر کہا ؎

اَیْنَ الْمَفَرُّ وَالْاِلٰہُ طَالِبٌ
وَالْاَشْرَمُ الْمَغْلُوْبُ غَیْرُ الْغَالِبِ

"یعنی جب خود خداوند تعالےٰ پیچھے پڑا ہوا ہے تو بھاگنے کی جگہ کہاں مل سکتی ہے؟ اور ابرہہ نک کٹا تو اب غالب نہیں بلکہ مغلوب ہے"۔

کچھ تو وہیں ڈھیر رہ گئے اور کچھ بھاگتے ہوئے گرتے پڑتے ہلاک ہوئے۔ فَقُطِعَ دَابِرُ الْقَوْمِ الَّذِیْنَ ظَلَمُوْا وَالْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ۔

پرندوں سے عذاب کرانے میں دو حکمتیں تھیں

اوّل یہ کہ انہوں نے زمین کے سب سے بڑے عظیم الجثہ اور قوی جانور سے خدا کے گھر کو ڈھانا چاہا خدا تعالےٰ نے چھوٹے چھوٹے پرندوں سے ان کو ہلاک کرایا دوسری یہ کہ خدا کو یہ منظور تھا کہ یہ بھاگتے جائیں اور پرندے بھی ان کے پیچھے تعاقب میں اڑتے جائیں اور پتھروں

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۰۴) دو لفظوں سنگ گِل کو مرکب کر کے عربی وزن پر بنایا ہوا ہے ۱۲ منہ

کے نشانے مارتے جائیں۔

غرض تمام لشکر مع ہاتھیوں کے اسی طرح ہلاک ہوا لیکن ابرہہ کا حال سب سے بُرا ہوا کہ وہ بھاگتا جاتا تھا اور اوپر سے پرندے پتھر مارتے جاتے تھے اُس کا گوشت ایک ایک پورے کی مقدار پر کٹتا جاتا تھا جہاں سے گوشت اُڑتا وہاں پر پیپ پڑجاتی غرض وہ سخت بد حالی کی حالت میں یمن پہنچا جہاں پر جاکر اُس کا سینہ پھٹ گیا اور وہ بہت بُری طرح مَرا

حکمت ابرہہ کے یمن میں پہنچاکر ہلاک کرنے میں یہ حکمت تھی کہ اُسے یمنیوں کے سامنے نشانِ عبرت بنایا جائے جیساکہ فرعون کو اُس کے لشکر سے الگ کرکے دریا کنارے لگاکر ہلاک کیا اور نشانِ عبرت بنایا اعاذنا اللہ !

قرآن اور واقعہ اصحاب الفیل قرآن شریف میں اس واقعہ کو نہایت اہمیت سے ذکر کرکے آنحضرت صلعم کی جانِ والا شان کی حفاظت اور آپ کے خونخوار دشمنوں کی ناکامی و ہلاکت کی طرف توجہ دلائی گئی ہے کہ اے پیغمبر! جب ہم نے آپ کی پیدائش سے چندے پیشتر خانہ کعبہ کو ہاتھی والوں کے حملے سے

بچاکر الٹا اُنہی کو ہلاک و تباہ کر دیا تھا۔ اور اُن کو اُن کے مقاصد میں ہر پہلو سے خائب و خاسر رکھا تھا تو اب ہم آپ کو بھی جو کعبہ کے حقیقی وارث و متولی ہیں ہر طرح سے آپ کے دشمنوں کے مکائد سے بچائے رکھیں گے۔ اور اُن کو تباہ و برباد کر کے نامراد رکھیں گے۔ کیونکہ کعبہ کی حفاظت آپ ہی کی تولیت کے لئے تھی۔ قرآن کا اسلوب بیان اس حقیقت کو بالکل نمایاں کر رہا ہے چنانچہ آنحضرتؐ کو مخاطب کر کے ارشاد فرمایا:۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ یعنے اَللّٰہ کے نام سے شروع جس کے جلال وکمال کے جلوے اس گھر میں نمایاں ہیں کہ اُس نے اِسے اپنے دشمنوں کے لئے قہر کی صورت اور اپنے دوستوں کے لئے امن و امان کی جگہ بنایا۔ اُس کی صفت الرَّحْمٰن بھی ہے کہ اس نے اس قہری تجلی کو اپنے دشمنوں کے لئے اپنے قہر کی دلیل بنایا کہ اُس کی دشمنی سے پرہیز کریں۔ اسی طرح اُس کی صفت الرَّحِیْمِ بھی ہے کہ اُس نے اِس کے امن کو اس بات کی دلیل بنایا۔ کہ جس طرح اس میں داخل ہونے والا ہر طرح کے خطرے سے امن میں ہو جاتا ہے۔ اسی طرح اس کی طرف منہ کر کے نماز پڑھنے والا اور اس کی

زیارت کے لئے فی سبیل اللہ سفر کرنے والا بھی عذاب سے امن میں ہو جاتا ہے اَلَمْ تَرَ یعنی کیا نہیں دیکھا آپ نے اے پیغمبر (صلعم) علم متواتر سے جو چشم دید کے برابر ہوتا ہے کَیْفَ فَعَلَ کیسے عجیب اور خارق عادت طریق پر کیا جس سے عقلیں حیران رہ جاتی ہیں۔ رَبُّکَ آپ کے پروردگار اور مالک نے جس کی ربوبیت کی عنایات آپ پر بیش از بیش ہیں ف۔ اس مقام پر رَبَّ هٰذَا الْبَیْتِ نہیں کہا جس طرح کہ اس سے آگے سورۃ قریش میں کہا ہے بلکہ اپنی ربوبیت کی اضافت آنحضرت صلعم کی ذاتِ اقدس کی طرف مزید عنایت اور خصوصی توجہ جتانے کے لئے کی ہے اور یہی اضافت اس سارے مضمون کی جان ہے۔ بِاَصْحٰبِ الْفِیْلِ" ہاتھی والوں کے ساتھ" یعنی اس لشکر کے ساتھ جو ہاتھی ــــ لے کر کعبۃ اللہ پر حملہ آور ہوئے تھے ۔ اَلَمْ یَجْعَلْ کَیْدَهُمْ " کیا نہیں کیا ان کی بد اندیشی کو" یعنی ان کے برے منصوبے کو جو یہ تھا کہ خانہ کعبہ کو ہاتھیوں کی ٹکروں سے گرا دیں اور اس کی بجائے لوگوں کو گرجائے کلیس کی طرف مصروف و متوجہ کردیں۔ فِیْ تَضْلِیْلٍ" ہیچ ناکامی اور خسارے کے" یعنی ان کو ان کے مقاصد میں ناکام رکھا۔ کیونکہ وہ خدا

کی مرضی کے خلاف کوشش کر رہے تھے اگر وہ خدا کی مرضی کے ماتحت ہو کر اس گھر کی عزت و حرمت کے لئے سعی کرتے تو سب اخراجات ثواب جزیل کا موجب بنتے۔ لیکن اب تو ہر طرح سے ناکام رہے اور اخراجات و مصارف اور مساعی و تگ و دو رائگاں گئے۔ وَ اور اس کی صورت یہ بنائی کہ اَرْسَلَ عَلَيْهِمْ " بھیجدیئے اوپر ان کے " یعنی ان کے سروں کے اوپر ضعیف جانور طَيْرًا یعنی پرندے اَبَابِيْلَ " جھنڈ کے جھنڈ " تاکہ بیس ہزار لشکر جرار اور تمام ہاتھیوں پر پھیل جائیں اور جدھر کو وہ بھاگیں اُدھر ہی ان کا تعاقب کریں۔ تَرْمِيْهِمْ بِحِجَارَةٍ " وہ جانور مارتے تھے ان کو پتھر " مِنْ سِجِّيْلٍ یعنی تھے تو وہ مٹی کی جنس سے لیکن " پتھر کی صورت میں متحجر کئے ہوئے تھے " یہ سنگریزے مقدار میں اس لئے چھوٹے رکھے اور ضعیف جانوروں کے منہ اور پنجوں میں دے کر اس لئے مارے گئے کہ اس میں ہماری قدرت کی نمائش زیادہ ہے کہ نہایت قوی لشکر کو ایک ضعیف جنس اور ضعیف آلہ (سنگریزوں) سے ہلاک کیا۔ اور ان کی لاشوں کو سالم نہیں رہنے دیا بلکہ۔ فَجَعَلَهُمْ كَعَصْفٍ مَّاْكُوْلٍ[1] " پس کر

---

[1] حاشیہ بر صفحہ ۱۱۰

دیا اُن کو مثل بہائم کے چارے کے جو کاٹ کر اور

لہ جب یہ مضمون اخبار اہلحدیث میں چھپا تو . . . .
ایک مولوی صاحب نے اپنا نام ظاہر کئے بغیر بوساطت دو طلبہ ایک اعتراضی طویل مضمون بذریعہ دفتر اہلحدیث بھیجا جس کا مفصل جواب بنام اَلْاِنْتِهَاضُ لِدَفْعِ الْاِعْتِرَاضِ جلد ۳۹ میں نمبر ۳۶ سے نمبر ۴۸ تک چھپتا رہا . . . .

. . . . ان مولوی صاحب نے قتادہ اور عبیدؓ جیسے جلیل القدر تابعینوں کا نام لیکر لکھا ہے:-

"یہ پچھلے مفسرین قتادہ اور عبید جیسوں کی ایجاد ہے کہ انہوں نے لوگوں کو امر خارق عادت کا گرویدہ دیکھ کر بات گھڑ کر سنا دی"

جواب ائمہ حدیث ان دونوں کے ثقہ ہونے پر متفق ہیں اگر ایسے لوگ لوگوں کے مذاق کی خاطر باتیں گھڑ گھڑ کر سناتے تھے تو علم حدیث کا کیا اعتبار رہا پھر لکھتے ہیں۔ "بعد کی آیت تَرْمِيهِمْ میں تَرْمِیْ مونث غائب کا صیغہ نہیں ہے بلکہ واحد مذکر حاضر ہے اور مخاطب اس کے وہی ہیں جو اَلَمْ تَرَ کے مخاطب ہیں یعنی اہل مکہ (آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تو اس وقت پیدا بھی نہیں ہوئے تھے کہ آپ کو مخاطب کیا جائے" اس میں قرآن شریف کی صریح تحریف ہے . . . . گویا کہ اَلَمْ تَرَ کَيْفَ فَعَلَ رَبُّكَ میں خطاب کی ضمیریں بھی آنحضرت صلعم کے لئے نہیں ہیں ان مولوی صاحب کو اتنی خبر بھی نہیں ہے کہ یہ ضمیریں واحد مذکر حاضر اہل مکہ جمع کے لئے نہیں آسکتیں۔ ۱۲ منہ

چھوٹا چھوٹا کرکے کھانے کے قابل بنایا جاتا ہے۔ اور جانور اس کو کھا کر گوبر کی صورت میں اپنے پیٹوں سے خارج کرکے پھینک دیتے ہیں اسی طرح ان پتھروں کی مار سے اُن کے بدنوں کے اعضاء و اجزاء کو پورا پورا کرکے کاٹ دیا گیا۔ اور ان کو بالکل نیست و نابود کر دیا گیا۔ کیونکہ اُن کا مقصد بھی یہی تھا کہ بیت اللہ شریف کی اینٹ سے اینٹ بجا دیں۔ نیز اس صورت میں اُن کی نہایت درجے کی تذلیل ہے فَقُطِعَ دَابِرُ الْقَوْمِ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ۔

عبداللہ بن عبدالمطلبؓ

(آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے والد ماجد)

مختلف بیویوں سے عبدالمطلب کے دس بیٹے اور چھ بیٹیاں تھیں۔ آنحضرتؐ کے والد عبداللہؓ ابو طالبؓ اور زبیرؓ اور عبدالکعبہ یہ چار بیٹے اور حضرت صفیہ کے سوا دیگر سب بیٹیاں ایک ہی ماں فاطمہ بنت عمرو مخزومیہ سے تھے جن کا نسب نامہ عبدالمطلب سے پانچویں پُشت میں مُرّہ بن کعب پر جا ملتا ہے عبداللہ اپنی ماں کے سب سے چھوٹے بیٹے تھے اور عبدالمطلب کو سب سے زیادہ

پیارے تھے۔ یہ پیار ایک قدرتی کشش کے ماتحت تھا اور اس کا مرکز وہ نور تھا جو اوپر کے آباؤ اجداد سے منتقل ہو کر عبداللہ کی مبارک پیشانی میں چمکتا تھا۔ علامہ محمود شکریؒ اپنی مایۂ ناز کتاب "بلوغ الارب فی احوال العرب" میں عبد مناف کے ذکر میں فرماتے ہیں:۔

> "عبد مناف کو اُن کے حسن و جمال کی وجہ سے قمر البطحاء (سنگستان مکہ کا چاند) کہتے تھے آپ بتوں کو بُرا جانتے تھے اور آپ پر نبی کریم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کا نور ظاہر و آشکارا تھا۔"

اسی طرح عبد مناف کے بیٹے ہاشم کے بیان میں فرماتے ہیں:

> "اور رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کا نور ان کے چہرے میں موتی کی طرح چمکتا تھا ان کو جو شخص دیکھتا ان کے ہاتھ چوم لیتا اور جس شئے کے پاس سے گذرتے وہ شئے ان کو سجدہ[1] کرتی۔"

---

[1] ۔ یہ سجدہ حکم تکوینی کے متعلق ہے نہ کہ حکم شرعی کے متعلق جیسا کہ سُنن دارمی میں ہے کہ ایک اونٹ نے آنحضرت صلعم کو سجدہ کیا تو صحابہؓ نے کہا حضور۔ نحن احق بالسجود لک من البہائم یعنی ہم سجدہ کرنے میں ان بہائم سے زیادہ حق رکھتے ہیں۔ تو آپ نے اس سے منع فرمایا کہ اگر یہ جائز ہوتا تو عورتیں اپنے خاوند کو سجدہ کر سکتیں یسنن دارمی وغیرہ میں اس نوع کے کئی ایک خوارق درختوں پتھروں وغیرہ اشیاء کے متعلق مروی ہیں۔ ۱۲ منہ۔

اسی طرح ہاشم کے سپوت عبد المطلب کی بابت لکھتے ہیں:۔
"وَكَانَ مُجَابَ الدَّعْوَةِ (صفحہ ۲۵۰ ج اوّل)
یعنی آپ مستجاب الدعوت تھے"۔
اور دوسرے موقعہ پر فرماتے ہیں:۔
"اور عبد المطلب کے چہرے پر نور موتی کی طرح چمکتا تھا اور اُس کے چہرے کے خط وخال سے پھوٹ پھوٹ کر ظاہر ہوتا تھا"
(صفحہ ۳۱۲ ج ۲ - احوال کعب بن لؤیؓ)
اسی طرح خود حضرت عبد اللہ بھی نور کے پُتلے اور حسن و جمال کے مجسمہ تھے۔ مؤرخ و محدّث ابن جریر طبریؒ امام زہریؒ سے نقل کر کے لکھتے ہیں:۔
اِنَّ عَبْدَ اللّٰهِ بْنَ عَبْدِ الْمُطَّلِبِ كَانَ اَجْمَلَ رِجَالِ قُرَيْشٍ (جلد ۲ - صفحہ ۱۷۶)" یعنی عبد اللہ بن عبد المطلب قریشیوں میں سب سے زیادہ صاحب حسن وجمال تھے:
اس تفصیل سے معلوم ہو گیا۔ کہ حضرت عبد اللہ کا یہ نور موروثی تھا۔ اسی وجہ سے جو کوئی آپ کی طرف دیکھتا آپ آنکھوں کے راستے اُس کے دل میں اُتر جاتے، اسی طرح حضرت موسٰی علیہ السلام کے ذکر میں فرمایا۔ وَاَلْقَيْتُ عَلَيْكَ مَحَبَّةً مِّنِّيْ (طٰہٰ پ۱۶) آام

ابن جریر طبریؒ نے باسنادِ خود ایک پرہیزگار خثعمیہ خاتون کے دل کی اتفاقی کشش کا ذکر کیا ہے، اس واقعہ کو محدّث ابن جریر طبریؒ کے علاوہ ابن ہشام سہیلی ابن اثیر اور شیخ عبد الحقؒ دہلوی نے بھی نقل کیا ہے، بلکہ اس قصّے کے علاوہ دو دیگر عورتوں کا بھی ذکر کیا ہے۔ ایک اسدیہ کا۔ ایک ہلالیہ کا۔ اِن واقعات کے ذکر سے ہمارا مقصود یہ ہے، کہ حضرت عبداللہ کا حُسن و جمال شہرت و قبولیت عامہ حاصل کر چکا تھا۔

حضرت عبداللہ کی پرہیزگاری

ہم اسی موقع پر یہ بھی ذکر کر دینا چاہتے ہیں کہ اِن واقعات میں حضرت عبداللہ صاحب کیسے پاک صاف رہے یہ ابتلاء اُسی قسم کے تھے جو حضرت یوسف (علیٰ نبیّنا وعلیہ الصّلوٰۃ والسّلام) کو پیش آیا تھا۔ ہر دو کے پاکدامن رہنے کی یہ وجہ تھی، کہ حضرت یوسفؑ تو نبی بننے والے تھے، اور حضرت عبداللہ کی پُشت سے پیغمبر آخر الزمان پیدا ہونے والے تھے، اِس میں اس امر کی بیّن دلیل ہے کہ جن پشتوں اور پیٹوں سے کوئی پیغمبر پیدا ہونے والا ہو وہ پشتیں اور پیٹ اس قسم کی برائیوں سے بالکل پاک رہتے

ہیں، اور ان کے لئے خدا تعالےٰ اپنی حفاظت کے خاص سامان پیدا کر دیتا ہے وَمَا ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ بِعَزِيْزٍ

حضرت عبداللہ کی طہارتِ نفس، کیریکٹر کی پاکیزگی اور اخلاق کی بلندی کی نسبت جو کچھ سابقًا لکھا جا چکا ہے، اس کے علاوہ اتنا اضافہ ضروری ہے، کہ فتح مکہ پر جب آنحضرتؐ کے موذی دشمن اسیرانِ جنگ کی حیثیت سے آنحضرتؐ کے پیش کئے گئے، اور آپ نے ان سے پوچھا۔ يَا اَهْلَ مَكَّةَ مَا تَرَوْنَ اَنِّيْ فَاعِلٌ بِكُمْ قَالُوْا خَيْرًا كَرِيْمٌ وَابْنُ اَخٍ كَرِيْمٍ (طبری جلد ۲ صفحہ ۱۲۰ و مدارج النبوۃ جلد ۲ صفحہ ۳۵۹)

"یعنی اے اہل مکہ! تمہارا کیا خیال ہے۔ کہ میں تم سے (کیسا سلوک) کرونگا۔ انہوں نے کہا۔ نیکی! (کیونکہ) آپ ہمارے صاحب کرم بھائی ہیں۔ اور صاحب کرم بھائی (عبداللہ) کے بیٹے ہیں۔"

اس سے صاف عیاں ہے۔ کہ حضرت عبداللہ باوجود نوعمری کے جیسے طہارتِ نفس اور پاکدامنی میں مشہور تھے، اسی طرح کریم النفسی اور مروت و احسان میں بھی شہرۂ آفاق ہو چکے تھے، قوم کے دلوں پر اس کا اتنا گہرا اثر تھا۔ کہ ان کی وفات کے قریبًا ساٹھ سال کے بعد بھی اپنی عفو

تقصیرات کے لئے اُن کے اخلاقی فضائل کو سفارشی لاتے ہیں۔ گویا ساٹھ سال کی طویل مدت تک بھی اُن کے پاکیزہ اخلاق اور پسندیدہ عادات کا نقش اُن کی نظروں کے سامنے رہے، اور اس کا اثر اُن کے دِلوں سے محو نہیں ہوا۔

چونکہ حضرت عبداللہ اپنے ذی وجاہت باپ عبدالمطلب کی زندگی میں عین عنفوانِ شباب میں یعنی ستّرہ سال یا بقول بعض پچیس سال کی عمر میں فوت ہو گئے اور ایسے نامور باپ کے سامنے اُن کے اقبال کا ستارہ اُفقِ کمال پر چمک نہیں سکا۔ اس لئے سوائے عفت و طہارت کے بعض واقعات کے جو رئیس زادوں میں اور پھر حُسن وجمال کے پیکر نوجوانوں میں عنقا صفت ہوتے ہیں، اُن کے کارناموں کی فہرست میں لکھے نہیں جا سکتے۔ چونکہ اس مقام پر اصل مقصود طہارتِ نفس ہے، اور بزرگ کارنامے درجہ ثانوی میں آتے ہیں؛ اس لئے آنحضرت صلعم کے والد ماجد کا طہارتِ نفس اور اخلاق کی پاکیزگی اور عاداتِ کی سنجیدگی کی یادگار چھوڑ کر وفات پا جانا آنحضرتؐ کی جدّی شرافت کے لئے کافی ہے۔ واللہ الہادی!

آنحضرتؐ کے ننھال

عام اُردو مصنفین سیرت نے اس عنوان کے ذکر میں

بھی کوتاہ قلمی اختیار کی ہے، حالانکہ عربی کتب میں اس کا بھی کافی ذخیرہ ہے، اور کسی شخص کی شرافتِ نسبی کے ساتھ اُس کی **جننے والی ماں** کے کیریکٹر اور خاندان کا دیکھنا بھی ضروری ہوتا ہے۔ کیونکہ جس طرح باپ کے تخم کا اثر بیٹے میں سرایت کرتا ہے، اسی طرح اُس کی ماں کے شکم اور خون اور **دُودھ** کا بھی اثر ہوتا ہے، جس میں قریباً نو مہینے تک اُس کے جسم کی بناوٹ اور پرورش کمال کو پہنچتی ہے، اور پھر دو سال تک اُس کے دُودھ سے اس کی تربیت ہوتی ہے۔ بلکہ بغیر جننے کے صرف دُودھ پینے کا بھی اثر ہوتا ہے، ورنہ حضرت موسیٰؑ کی رضاعت کے وقت دیگر سب قبطی عورتوں کے شیروں کو قدرۃً بند کرنے اور صرف اُنہی کی جننے والی ماں کا دُودھ پلوا کر اُن کی پرورش کرنے کے کیا معنی؟ حضرت موسیٰؑ کی اس طریق پر پرورش کرنے میں یہی حکمت تھی کہ اُن کا خون خالصۃً اسرائیلی رہے، اور قبطی عورتوں کے دُودھ کو اُن میں داخل نہیں ہونے دیا۔ کہ فرعون کے مقابلہ کے وقت اُن کی اسرائیلی حرارت و حمایت کا درجہ کم نہ ہو جائے، اور آنحضرتؐ کی رضاعت کے لئے بالخصوص دایہ حلیمہ سعدیہؓ کا انتخاب بھی قدرت کی

گہری حکمت سے تھا۔ چنانچہ خود آنحضرتؐ فرماتے ہیں:۔
اَنَا اَفْصَحُ الْعَرَبِ بَیْدَ اَنِّیْ مِنْ قُرَیْشٍ وَ نَشَأْتُ فِیْ بَنِیْ سَعْدٍ[1]۔ یعنی میں عربوں میں سب سے زیادہ فصیح ہوں، کیونکہ میں (نسب کے رُو سے) قریش میں سے ہوں، اور میرا نشو و نما بنی سعد میں ہوا ہے۔"

اور اس میں بھی قدرت کا تصرّف کارفرما ہے۔ کہ جس جس عورت نے آنحضرتؐ کو دُودھ پلایا وہ سب آپ کی دعوتِ نبوّت کے وقت اسلام لے آئیں۔ اُن کے اسمائے گرامی یہ ہیں۔ ثُویبہ۔ حلیمہ سعدیہ[2] اور اُمِّ ایمن۔ (مسالک الحنفا صفحہ ۴۴)

غرض شرافت باپ اور ماں ہر دو کی طرف سے ہونی چاہیئے، اسی لئے محاورہ میں "نجیب الطرفین" اُسی شخص کو کہتے ہیں، جس کے دَدھیال اور ننھال ہر دو شریف و باوقار ہوں، اور یہ امر خدائے تعالیٰ کی نعمتوں میں

---

[1] الشفاء للقاضی جلد اوّل صفحہ ۶۱ مطبوعہ استنبول ۱۲ منہ قریش اور بنی سعد ہر دو قبیلے فصاحت و بلاغت اور شجاعت و شہامت میں مشہور تھے، اور

[2] حضرت حلیمہ جس نے برابر پانچ سال تک آنحضرتؐ کو دُودھ پلانے اور پرورش کرنے کی سعادت حاصل کی اسی قبیلہ بنی سعد سے تھیں، اور اسی حق شیرخوارگی کی وجہ سے آپؐ نے جنگِ ہوازن میں اُن کی قوم کے چھ ہزار قیدیوں کو آزاد کر دیا تھا ۱۲ منہ

سے ہے۔ چنانچہ اُس نے فرمایا:۔ وَهُوَ الَّذِي خَلَقَ مِنَ الْمَاءِ بَشَرًا فَجَعَلَهُ نَسَبًا وَصِهْرًا (فرقان پ۱۹) یعنی خدا تعالیٰ تو وہ ذات پاک ہے جس نے انسان کو پانی سے پیدا کیا اور اُسے نسب (جد) اور صہر (سسرال) بنایا۔

اس کے بعد معلوم ہو کہ آنحضرتؐ جس طرح نسبی پشتوں کی طرف سے شریف النسب تھے کہ کوئی ان میں سے بدعمل و رذیل نہیں تھا۔ اسی طرح رِحموں اور شکموں کی طرف سے بھی نجیب و شریف تھے کہ آپ کی والدہ اور آپ کی نانیاں سب شریف خاندانوں سے تھیں، اور عفت و عصمت کی دیویاں تھیں، اس امر میں سب سے پہلے یہ جاننا چاہیئے کہ آنحضرت صلعم کی والدہ ماجدہ اور آپ کی اُوپر کی نانیاں خاندانِ قریش سے تھیں۔ بعض تو نسب میں آپ سے حضرت قُصَیّ پر اور بعض کعب بن لُوَیّ پر جا ملتی ہیں۔ اور سب شرافتِ نسب اور طہارتِ نفس میں ممتاز تھیں۔ محدث ابن جریر طبریؒ آنحضرت صلعم کی والدہ بی بی آمنہ خاتونؓ اور اُن کے والد وَہب کی نسبت لکھتے ہیں:۔ وَوَهْبٌ يَوْمَئِذٍ سَيِّدُ بَنِي زُهْرَةَ سِنًّا وَشَرَفًا فَزَوَّجَهُ اٰمِنَةَ بِنْتَ وَهْبٍ وَهِيَ يَوْمَئِذٍ اَفْضَلُ اِمْرَاَةٍ مِنْ قُرَيْشٍ[1]

---

[1] تاریخ طبریؒ جلد ۲ صفحہ ۱۷۴، ۱۲ منہ

یعنی وہب نے جو اُس وقت بنی زہرہ[1] کا بلحاظ عمر کے بھی اور بلحاظ شرف و بزرگی کے بھی سردار تھا۔ اپنی بیٹی آمنہ خاتون کا نکاح (حضرت) عبداللہ سے کر دیا۔ اور (حضرت) آمنہ اُس وقت سب قریشی لڑکیوں سے افضل تھیں"۔

طامس کارلائل اپنی مشہور کتاب ہیرو اینڈ ہیرو ورشپ میں مضمون ہیرو ایز پرافٹ میں حضرت آمنہ خاتونؓ کے متعلق لکھتے ہیں:-

A virgin noted for her beauty, wisdom and worth.

"ایک کنواری خاتون جو اپنے حسن و جمال اور قدر و منزلت اور عقل و تمیز میں ممتاز تھیں"۔

الغرض آنحضرتؐ کی والدہ ماجدہ اور اُن سے اُوپر

---

[1] توضیح ۔ بنی زہرہ قریشیوں میں سے ایک معزز خاندان کا نام ہے جو زُہرہ بن کلاب کی اولاد ہیں جو آنحضرتؐ کے چوتھے جد امجد قصی کا بھائی تھا (طبری جلد ۲ صفحہ ۱۸۰) مولانا ڈپٹی نذیر احمد صاحب مرحوم کے ترجمہ قرآن شریف کے خاتمہ پر آنحضرتؐ کی والدہ ماجدہ کا نسب نامہ یوں لکھا ہے۔ آمنہ بنت وہب بن ہاشم بن عبد مناف ۱۲ یہ ایک مسامحت ہے، یہ غلط فہمی اسم عبدمناف سے پیدا ہوئی ہے مولانا مرحوم نے یہ سمجھا کہ یہ عبد مناف وہی ہیں جو آنحضرتؐ کے پردادا ہاشم کے باپ ہیں۔ بس آپ نے ان کے بیٹے کا نام ہاشم لکھ دیا اور اس کے ساتھ آنحضرتؐ کی والدہ ماجدہ کا نسب نامہ جوڑ دیا۔ حالانکہ آپ کی والدہ کا نسب نامہ اس طرح ہے۔ آمنہ بنت وہب بن عبد مناف بن زہرہ بن کلاب۔ اور آنحضرتؐ کا اس طرح ہے محمد بن عبداللہ بن عبد المطلب بن ہاشم بن عبد مناف بن قصی بن کلاب۔ دونو نسب نامے کلاب پر جا ملتے ہیں پس آنحضرتؐ کے تیسرے دادا عبدمناف اور تھے اور آپ کی والدہ کا دادا اور شخص ہے۔

کی والدات تمام کی تمام طاہرات تھیں۔ اور یہی مقتضا ہے، اُس حدیث کا جو امام سیوطیؒ نے اپنے متعدد رسالوں میں نقل کی ہے: "کہ خدا تعالےٰ مجھے پاک پشتوں سے پاک رحموں میں منتقل کرتا چلا آیا ہے"۔ الحدیث۔ اور اُس کے مضمون کو حافظ ابن حجرؒ نے یوں نظم کیا ہے۔ ؎

نَبِیُّ الْھُدٰی الْمُخْتَارُ مِنْ اٰلِ ھَاشِمٍ
فَعَنْ فَخْرِھِمْ فَلْیَقْصُرِ الْمُتَطَاوِلُ
تَنَقَّلَ فِیْ اَصْلَابِ قَوْمٍ تَشَرَّفُوْا
بِہٖ مِثْلَ مَا لِلْبَدْرِ تِلْکَ الْمَنَازِلُ

"یعنی ہدایت کا نبی، آلِ ہاشم کا برگزیدہ۔ جن کے مفاخر کے بیان سے ہر گو شخص کو بس کرنی چاہیئے۔ وہ ایسی قوم کی پشتوں سے نقل ہوتا چلا آیا۔ جنہوں نے اُس سے بزرگی پائی جس طرح چودھویں رات کے چاند سے اُس کی منزلیں رونق پاتی ہیں"۔[۱۲ لہ]

بعض مفسرینؒ نے سورتِ شعراء کی آیت وَتَقَلُّبَکَ فِی السّٰجِدِیْنَ میں ساجدین سے آپ کے آباء و اجداد کے صالحین لوگ مراد لیے ہیں (دیکھو تفسیر معالم التنزیل) غالباً اس شعر میں تَنَقَّلَ فِیْ اَصْلَابِ قَوْمٍ کا اشارہ اسی آیت کے مضمون کی طرف ہے۔

عہ ہردو کلاب کے پوتے ہیں، ایک قصی کا دوسرا زہرہ کا بیٹا ہے ۱۲ منہ لہ المقامۃ السندسیۃ فی نسبۃ المصطفویۃ للامام السیوطیؒ صفحہ ۲۰ مطبوعہ حیدر آباد دکن ۱۲ منہ

فصل دوم

آنحضرتؐ کے آباؤ اجداد کا مذہب

ہم سابقًا بیان کر چکے ہیں، کہ سرورِ عالم صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے آباؤ اجداد نجابت و شرافت کے تمام جواہر سے آراستہ اور اخلاقِ حسنہ کے جملہ فضائل سے پیراستہ تھے، ان کے تفصیلی حالات کے بیان میں عام اُردو مصنفینِ سیرت نے بہت کم قلم اُٹھایا ہے، حالانکہ احوالِ عرب کی عربی تصانیف میں اس کے لئے بھی کافی ذخیرہ موجود ہے۔ الحمد للہ کہ سیرت المصطفٰےؐ نے اس کمی کو ایک حد تک پورا کر دیا ہے۔ اس سے زیادہ حیرانی اس بات پر ہے، کہ اِن کے دین و مذہب کے متعلق عام اُردو مصنفین بالکل خاموش نظر آتے ہیں۔ اس کی وجہ غالبًا یہ ہے، کہ چونکہ وہ زمانۂ نبوّت سے پیشتر ہوئے ہیں۔ اور مکہ شریف میں حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کے بعد سوائے آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے کوئی نبی مبعوث نہیں ہوا۔ اور آنحضرتؐ

سے قریباً تین سو سال پیشتر عمرو بن لحی ملحد نے آنحضرتؐ کے آباؤ اجداد پر غلبہ پاکر خانہ کعبہ اور اس کے متعلقہ امور کے اختیارات اُن سے چھین لئے اور اُس نے خانہ کعبہ میں بُت رکھوا دیئے۔ جس سے آخر کار خانہ کعبہ بجائے خدائے واحد کی عبادت گاہ ہونے کے تین سو ساٹھ بتوں کی پرستش گاہ بن گیا۔ جب خانہ کعبہ کا یہ حال تھا۔ تو اس کے متولی قریشی اِس اثر سے کیسے بچ سکتے تھے۔ چنانچہ اسی معنی میں کہا گیا ہے، ؏

چو کفر از کعبہ بر خیزد کجا ماند مسلمانی

اور جب قریشیوں کا عام مذہب بُت پرستی ہو گیا تھا۔ تو آنحضرتؐ کے آباؤ اجداد اس عام روش سے کِس طرح الگ رہ سکتے تھے۔ جب یہ امکانی خیال ذہن میں جم گیا۔ تو اب تحقیقات کی زحمت کون اُٹھائے اور اُن کے دین و مذہب کی پڑتال کے لئے کتابوں کی ورق گردانی کیوں کی جائے۔ لیکن دوستو! یہ خیال بالکل غلط اور باطل ہے۔ کیونکہ بعض مخصوص افراد کا عام روش کے بُرے اثر سے محفوظ رہنا ممکن بلکہ واقعات سے ثابت ہے۔ مثلاً حضرت ابو بکر صدیقؓ اور حضرت عمرؓ کے چچا زاد اور آپ کے بہنوئی سعیدؓ کے والد زید بن عمرو بن

نُفَیل بھی تو قریشی ہی تھے۔ لیکن مُوحّد بھی تھے، اور قُسّ بن ساعِدہ اُیادی جس کا ذکر سُوقِ عکاظ کے بیان میں آئے گا۔ اور عَلّاف بن شہاب تمیمی اور مُلتمس بن اُمیہ کنانی بھی آلِ عدنان ہی سے تھے اور مُوحّد تھے، اسی طرح بعض دیگر افراد بھی جو اگرچہ آنحضرتؐ کے عمودِ نسب سے نہیں تھے، لیکن آلِ ابراہیم علیہ السّلام سے تھے، ہر زمانے میں بمقتضائے آیت وَجَعَلَهَا كَلِمَةً بَاقِيَةً فِي عَقِبِهٖ[1] الآیہ (زخرف پ۲۵) شرک سے بیزار ہوتے ہوئے کلمۂ توحید پر قائم تھے۔

جب اُن افراد کا یہ حال ہے، جو عمُودِ نسب نبوی سے نہیں ہیں، تو خاص اُس عمود کے افراد جن سے وہ پاک ہستی پیدا ہونے والی ہو۔ جو وَيُزَكِّيهِمْ کا تاج پہن کر تختِ نبوّت پر جلوہ افروز ہونے والی ہو۔ پُشت در پُشت اَبًا عَنْ جَدٍّ شرک و بُت پرستی کی آلودگی سے کیوں نہیں بچ سکتے۔ یقین جانیئے۔ کہ وہ قدرت کے ارادۂ ازلی اور تصرفِ غیبی سے ہر قسم کی اخلاقی و اعتقادی آلودگی سے محفوظ رکھے گئے تھے کیونکہ اُن

[1] اس کا ترجمہ یہ ہے"۔ اور کیا خدا تعالےٰ نے کلمۂ توحید کو کلمہ باقی رہنے والا بیچ اولاد ابراہیم علیہ السّلام کے" ۱۲ منہ

کی پشتوں سے نقل ہوتے ہوئے سرورِ کائنات فخرِ موجودات حضرت عبداللہؓ کی پاک پُشت اور آمنہؓ کے پاک شکم میں آنے والے تھے۔ اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّاٰلِهٖ وَبَارِكْ وَسَلِّمْ ؛

ائمہ اہلسنّت کے اِس بارے

علمائے اہلسُنّت کے اقوال

میں کئی اقوال ہیں۔ ایک اُن میں سے وہ ہے جس کے لئے ہم نے تمہید سابق بیان کی ہے۔ کہ آلِ ابراہیم علیہ السلام میں ہر زمانہ میں ایسے لوگ موجود رہے جو خدا تعالیٰ کی توحید پر قائم رہے اور کعبہ کے متولی یہی لوگ بلکہ خاص وہی افراد تھے، جن کی پُشتوں سے آنحضرتؐ پیدا ہوئے۔ اور ان میں سے کوئی بھی مُشرک و بُت پرست نہیں ہُوا۔ اِس کی تفصیل اس طرح ہے۔ کہ اِس میں تو کسی کو کلام نہیں۔ کہ عَمرو بن لحُی سے پیشتر جس کے وقت میں مکہ شریف میں بُت پرستی اور دیگر رسُوم شرکیہ کی بنیاد پڑی آلِ ابراھیم علیہ السّلام تمام کی تمام توحید پر قائم تھی۔ چنانچہ مسندِ امام احمدؒ میں حضرت انسؓ سے مروی ہے كَانَ النَّاسُ بَعْدَ اِسْمٰعِيْلَ عَلَى الْاِسْلَامِ فَكَانَ الشَّيْطَانُ

یُحَدِّثُ النَّاسَ بِالشَّیْءِ یُرِیْدُ اَنْ یَّرُدَّھُمْ عَنِ الْاِسْلَامِ حَتّٰی اَدْخَلَ عَلَیْھِمْ فِی التَّلْبِیَۃِ (بلوغ الامانی شرح مسند امام احمد شیبانی صفحہ ۱۸۶، ج یازدہم) یعنے حضرت اسمٰعیلؑ کے بعد (اُن کی اولاد کے) سب لوگ اسلام پر تھے۔ شیطان لوگوں کو کچھ کی کچھ باتیں بنا کر اسلام سے برگشتہ کرنا چاہتا تھا حتےٰ کہ تلبیہ میں کلمہ شرک (اِلَّا شَرِیْکًا لَکَ) داخل کر دیا۔

عمرو بن لحیّ قبیلہ بنو خزاعہ سے تھا۔ اُس نے آنحضرتؐ کے اجداد سے جبر و تغلّب سے ولایتِ کعبہ چھین لی، اور مکّہ شریف میں رسومِ شرکیہ اور بُت پرستی شروع کر دی۔ بنو خزاعہ کا یہ سیاسی تغلّب اور اُس کا اثر کوئی تین سو سال تک رہا۔ اور ملکِ عرب میں عام طور پر بُت پرستی شائع ہو گئی۔ باوجود اِس کے کئی اشخاص دینِ ابراہیمی پر قائم رہے حتیٰ کہ آنحضرتؐ کے چوتھے دادا قُصَیؑ[1] کا زمانہ آیا۔ اور خدائیتعالیٰ کو ایک نیا انقلاب منظور ہوا۔ تو اُن کے ارادوں میں بلندی اور اُن کی

---

[1] سلسلۂ نسب یوں ہے محمد (صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم) بن عبداللہ بن عبدُالمطلب بن ہاشم بن عبدِمناف بن قصیّ ۱۲ منہ

ہمّت میں برکت و قوّت بخشی، اُنہوں نے کل قبائل قریش کو جو سیاسی ضعف کے وقت منتشر ہو گئے تھے، ایک سٹیج پر جمع کیا۔ اُن میں اتفاق و اتحاد کی لہر دَوڑا دی اور مُجَمِّعْ (جمع کنندہ) نام پایا۔ قریش سے اور دیگر عربوں کی متفقہ طاقت سے بنو خزاعہ سے جنگ کرکے اپنے اسلاف کی گئی ہوئی عزّت کو پھر حاصل کیا۔ اور خانہ کعبہ کی ولایت ہاتھ میں لی۔ لیکن اس غلبہ سے صرف سیاسی انقلاب ہوا۔ رسُوم شرکیہ اور بُت پرستی جو تین صدیوں سے عربوں میں سرایت کر چکی تھی۔ اُن پر اثر نہ پڑا۔[1] خود قصّی اور اُن کا بیٹا عبد مناف اور اُن کا بیٹا ہاشم اور اُن کا سپوت عبد المطلب جو عمودِ نسب نبوی کی سنہلی کڑیاں ہیں حسب تشریح امام طبریؒ و علامہ محمود شکری شرک و بُت پرستی سے بیزار تھے، جیسا کہ ابھی بالتفصیل ذِکر کیا جائے گا۔ انشاء اللہ تعالےٰ!

اس قول کے حامی بڑے بڑے بزرگ امام ہیں۔ مثلاً حافظ عماد الدین ابن کثیرؒ۔ امام فخر الدین رازیؒ۔

---

[1] مستفاد از مسالک الحنفاء مصنفہ امام سیوطیؒ نقل کردہ از تاریخ حافظ عماد الدین ابن کثیرؒ ۱۲ منہ

علامہ شہرستانیؒ۔ امام وردی بصریؒ۔ امام سیوطیؒ۔ امام سفیان بن عینیہؒ۔ مجاہد تابعیؒ۔ قتادہؒ تابعیؒ۔ ابن جریجؒ کی اور حضرت ابن عباسؓ صحابی[1]۔

امام سیوطیؒ نے مسالک الحنفاء وغیرہ رسائل میں کئی ایک آیات و احادیث اس کی تائید میں نقل کی ہیں۔ ہم طوالت سے بچتے ہوئے صرف ایک آیت پر اکتفا کرتے ہیں:۔

سورۂ زخرف۔ پ۲۵ میں حضرت ابراہیم علیہ السّلام کے ذکر میں فرمایا:۔ وَجَعَلَهَا كَلِمَةً بَاقِيَةً فِي عَقِبِهِ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُونَ حضرت شاہ ولی اللہ صاحب اس کا ترجمہ یوں فرماتے ہیں:۔

"وساخت خدائیتعالٰے کلمۂ توحید را سخنے باقی ماندہ در فرزندانِ او تا بُوَد کہ کافراں رجوع کنند"

اور تفسیر معالم میں ہے:۔

"کہا مجاہد اور قتادہ نے یعنی کلمۂ توحید کا کہ وہ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ ہے۔ اُسے (خداوند تعالٰے نے) اولاد ابراہیمؑ میں کلمہ باقی رہنے والا بنایا۔ کہا قتادہ (تابعیؒ) نے ہمیشہ رہے اولادِ ابراہیمؑ

[1] مسالک الحنفاء وغیرہ ۱۲ منہ

میں ایسے شخص جو خدا کی عبادت کرتے رہے۔ اور اُسے واحد مانتے رہے"۔

اسی طرح تفسیر حافظ عماد الدین ابن کثیر میں ہے:۔

"اور اس کلمہ کو یعنی خدائے واحد لاشریک کی عبادت کرنا اور اُس کے سوا بتوں کو چھوڑ دینا اور یہی لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللہُ ہے۔ بنایا خدا نے اِس کلمہ کو دائمی طور پر رہنے والا اولاد ابراہیمؑ میں کہ پیروی کرے اس میں ساتھ اِس کلمہ کے وہ شخص جسے ہدایت دے خدائےتعالیٰ اولاد ابراہیمؑ میں سے تاکہ وہ اِس کلمہ کی طرف رجوع کریں۔ کہا عکرمہؒ اور مجاہدؒ اور ضحاکؒ اور سُدّیؒ وغیرہم نے قولِ خداوندی وَجَعَلَهَا كَلِمَةً بَاقِيَةً فِي عَقِبِهٖ یعنی کلمہ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللہُ کو کہ ہمیشہ رہے ایسے شخص اُس کی اولاد میں جو اِس کے قائل رہے۔ اور اسی طرح مروی ہے کہ حضرت ابن عباسؓ سے بھی اور کہا ابن زید نے یہ کلمہ اسلام کا ہے۔ اور اس کا رجوع بھی اسی کی طرف ہے۔ جو (مذکورہ بالا) جماعت نے کہا ہے"۔

اسی طرح دیگر تفاسیر میں لکھی ہے۔ جن کا ذکر امام

ؔ تفسیر ابن کثیر جلد ۹ صفحہ ۱۲۵ بر حاشیہ تفسیر فتح البیان ۱۲ منہ

سیوطیؒ نے مسالک الحنفا میں حضرات ابن عباسؓ۔ مجاہدؒ قتادہؒ اور ابن جریج (رحمہم اللہ) سے نقل کیا ہے۔ جن کا خلاصہ یہ ہے:" کلمہ باقیہ سے مراد لَآ اِلٰـہَ اِلَّا اللّٰہُ ہے۔ کہ خدا تعالےٰ نے اولادِ ابراہیمؑ میں اس کے قائل ہمیشہ رکھے، بلکہ امام ابن جریج مکی کا یہ قول بھی نقل کیا ہے۔ کہ اولادِ ابراہیمؑ میں سے ایسے لوگ باقی رہے۔ اور قیامت تک باقی رہیں گے جو فطرت پر قائم رہ کر خدا کی عبادت کرتے رہے۔ اور کرتے رہیں گے[1]"

امام فخر الدین رازی کے کلام کا حاصل یہ ہے۔ کہ بموجب آیات و احادیث مذکورہ جب آلِ ابراہیمؑ میں توحید قائم رہی اور عمودِ نسب نبوی میں سے بعض افراد کی نسبت ہم کو منصوص عبارتیں اور روائتیں بھی مل گئیں کہ وہ خدا پرست اور موحد تھے۔ اور یہ بھی کہ خانہ کعبہ کی تولیت بھی اجدادِ آنحضرت میں رہی، (اِلّا بنو خزاعہ کا زمانہ) تو ہم اس نتیجہ پر آسانی سے پہنچ سکتے ہیں۔ کہ آلِ ابراہیم علیہ السّلام میں سے سلسلۃ الذہب کی سب کڑیاں اس امر کے زیادہ

[1] صفحہ ۳۱ - ۱۲ منہ

لائق ہیں۔ کہ وہ شرک کی آلودگی سے پاک رہیں، چنانچہ وہ سب پاک رہے۔ جیسا کہ خدا کے فضل سے تفصیل ذیل سے معلوم ہو جائے گا۔ اِس کے لئے پھر دوبارہ سلسلۂ نسب نبوی کی ترتیب اُوپر کی طرف سے عدنان سے حضرت عبد اللہ تک زیرِ نظر رکھئے۔ کیونکہ عَمرو بن لحی کے تغلب سے پیشتر تو کسی کو کلام نہیں۔ کہ اولادِ اسمٰعیل علیہ السلام دینِ حنیف پر قائم تھی اور بنو خزاعہ کا زمانہ حضرت قصی پر آکر ختم ہو گیا۔ اگر ہم کو قصی سے اوپر بھی بعض اجدادِ آنحضرتؐ کی نسبت ایسی تصریحات مل جائیں تو ہم یقیناً کہہ سکتے ہیں۔ کہ فتنۂ بُت پرستی کے وقت بھی عمودِ نسبِ نبوی بُت پرستی سے بچا رہا۔

سو ہم ترتیب وار قُصَیّ سے اوپر اور اُن سے نیچے اُن اجدادِ اَمجاد کا ذکر کرتے ہیں، جن کے متعلق ہم کو تصریحات دستیاب ہو گئی ہیں۔ ترتیب سلسلۂ عمودِ نسب نبوی حسب ذیل ملحوظ رہے۔

محمدؐ رسول اللہ (صلے اللہ علیہ وآلہ وآبائہ وسلم) بن عبد اللہ بن عبد المطلبؑ (شیبہ) بن ہاشمؑ (عمرو) بن عبد مناف (مغیرہ) بن قُصَیّ (زید) بن کلابؑ

بن مُرّہ بن کعب بن لُوی بن غالب بن فہر بن مالک بن نضر (قیس) ابن کنانہ بن خزیمہ بن مدرکہ (عمرو) بن الیاس بن مضر بن نزار بن معد بن عدنان۔

(۱) امام سیوطیؒ نے مسالک الحنفاء میں بروایت ابن حبیب حضرت ابن عباسؓ سے نقل کیا کہ عدنان اور معد اور ربیعہ اور مضر اور خزیمہ ملّتِ ابراہیمیؑ پر تھے، ان کا ذکر سوائے نیکی کے نہ کرو۔ اور ربیعہ جس کا ذکر اس روایت میں ہے وہ مُضر کا سوتیلا بھائی تھا۔ (تاریخ طبری و سیرتِ ابنِ ہشام)

(۲) اسی طرح طبقات ابن سعدؒ سے عبد اللہ بن خالد کی روایت سے مُرسلاً نقل کیا۔ کہ رسول اللہ صلعم نے فرمایا تم مُضر کو بُرا نہ کہو کیونکہ وہ مسلمان تھا۔ (صفحہ ۳۴)

(۳) اسی طرح ابن حبان نے وکیع کی کتاب کتابُ الغُرر من الاخبار سے حضرت ابن عباس سے نقل کیا۔ کہ آنحضرتؐ نے فرمایا کہ تم قیسؔ کو بُرا نہ کہو۔ کیونکہ وہ مسلمان تھا۔ قیس نضر کا دوسرا نام ہے۔

(۴) اسی طرح امام سُہیلیؒ نے رفعًا نقل کیا کہ نبی صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم سے مذکور ہے۔ کہ آپ نے فرمایا کہ تم الیاسؔ کو بُرا نہ کہو۔ کیونکہ وہ مسلم مومن تھا۔ پھر

یہ بھی ذکر کیا۔ کہ وہ یعنی اِلیاس اپنی پُشت سے آنحضرتؐ کا تلبیۂ حج بھی سُنا کرتے تھے۔

نوٹ:۔ یہ الیاس حضرت الیاسؑ نبی کے سوا دوسرے صاحب ہیں، جو آنحضرتؐ کے اجداد میں سے ہیں۔ (دیکھو مذکورہ بالا سلسلۂ نسب نبوی ۱۸)

(۵) اسی طرح کعبؓ بن لوئیؑ کی بابت بھی ذکر کیا کہ قریش اُن کے پاس جمعہ کے دن جمع ہوتے اور آپ اُنکو خطبہ سنایا کرتے اور رسُول اللہ صلعم کی بعثت کا بھی ذکر کرتے،[1] اور یہ بھی کہ وہ میری اولاد میں سے ہوں گے۔ اور اپنی اولاد کو آنحضرتؐ کی اِتّباع اور آپ پر ایمان لے آنے کی وصیّت کرتے تھے۔ یعنی اگر وہ ان کا زمانہ پالیویں۔ (صفحہ ۳۴)۔ اس کے بعد امام سیوطیؒ کہتے ہیں۔ جو روایتیں ہم نے بیان کی ہیں۔ اُن سے یہ حاصل ہوگیا کہ آنحضرت (صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) کے آباؤ اجداد عہدِ حضرت ابراہیم علیہ السلام سے لیکر کعب بن لؤئی تک تمام کے تمام حضرت ابراہیمؑ کے دین پر تھے، اور کعب کا بیٹا مُرّہ بھی اسی طرح تھا۔ کیونکہ اِن کے باپ نے اِن کو ایمان کی وصیّت

[1] نیز تاریخ حافظ ابن کثیر جلد ثانی صفحہ ۲۴۴۔ ۱۲ منہ

کی تھی' اِن کے بعد عبد المطلب اور اس کے درمیان چار اجداد یعنی کِلاب اور قصی اور عبد مناف اور ہاشم کی بابت مجھے کوئی نقل دستیاب نہیں ہوئی نہ اِس طرف کی نہ اُس طرف کی (صفحہ ۳۵)

یہ عاجز محمد ابراہیم میر سیالکوٹی کہتا ہے کہ امام سیوطیؒ نے جن کے متعلق تصریحات پائیں نقل کر دیا اور بعض کے اسمائے گرامی ذکر کر کے صاف لکھ دیا کہ "مجھے اُن کے متعلق کوئی نقل اس طرف کی یا اُس طرف کی نہیں ملی" اس لئے میں خدا کے فضل سے دوسرے مصنفین کی تصریحات سے دکھاتا ہوں کہ خود قصی اور اُن کی اولاد میں سے عمودِ نسب نبوی کی سب کڑیاں دینِ ابراہیمی یعنی توحید پر قائم اور شرک و بت پرستی سے بیزار تھیں۔

علامہ محمود شکری بغدادیؒ نے عربوں کے حالات کے متعلق ایک ضخیم کتاب تین جلدوں میں لکھی[1]

[1] اس کتاب کا نام ہے بلوغ الارب فی احوال العرب اس کی تصنیف کی صورت یوں بنی کہ لجنۃ الالسنۃ الشرقیۃ نے جس کا جلسہ شہر شاک ہالم واقعہ ملک سویڈن میں منعقد ہوا تھا مشرقی و مغربی (ایشیائی و یورپین) مستشرق علماء سے بذریعہ اشتہار عام درخواست کی کہ وہ زمانہ اسلام سے پیشتر کے عربوں کے مناقب اور ان کی اقوام و قبائل اور ان کی خصائل و عادات

(باقی صفحہ ۱۳۵ پر)

آپ اِس کی دُوسری جلد میں موحّدینِ عرب کے ذکر میں ایک مستقل عنوان قائم کرکے اُس کے شروع میں فرماتے ہیں:-

”عرب کے بہت عقلمند اور دانا لوگ عمرو بن لحّی کی اس بدعت میں جو اُس نے دین میں نکالی تھی۔ اُس کے موافق نہ تھے اور بُت پرستی وغیرہ منکر کاموں میں جو اُس نے جاری کئے تھے اُس کے پَیرو نہ تھے۔ ہم اُن میں سے بعض کے حالات جو ہم کو معتبر کتابوں سے معلوم ہوئے ہیں۔ ذکر کرتے ہیں“۔ (مترجماً صفحہ ۲۶۸ جلد دوم)

اس کے بعد مصنف علاّم نے (۲۳) نامور اشخاص[1] کے اسماءِ گرامی درج کرکے بعض کے مختصر اور بعض کے مفصل حالات ذِکر کئے ہیں۔ بعض اُن میں سے قریشی

(بقیہ صفحہ ۱۳۴ کا) کے متعلق کوئی کتاب لکھیں۔ اس پر علامہ محمود شکری آلوسی بغدادی نے از راہِ حمیتِ اسلامی یہ نادر کتاب لکھی جو جلسہ میں دیگر کتابوں کے مقابلہ میں خصوصیت سے منتخب ہوئی۔ مصنف نے اس کی تاریخ اختتام غرہ جمادی الاولیٰ ۱۳۰۴ھ ذکر کی ہے اور طباعت کا اختتام ۱۸ شعبان ۱۳۱۴ھ لکھا ہے۔ یہ کتاب سلطان عبد الحمید خان غازی مرحوم کے عہد میں بغداد میں نہایت صحت و صفائی سے طبع ہوئی۔ اور اس عاجز کے پاس موجود ہے۔ یہ کتاب جواہرات کا ذخیرہ ہے حُسنِ عبارت و حُسنِ انتخاب قابلِ تحسین و آفرین ہے۔ وَ لِلّٰہِ دَرُّ الْمُصَنِّفِ الْعَلَّامِ ۱۲ منہ

[1] ان کے علاوہ موحدینِ عرب میں ابو قیس انصاری بھی ہیں۔ دیکھو آنحضرتؐ [illegible]

ہیں۔ اور بعض دیگر خاندانوں سے ہیں۔ لیکن ہیں سب آلِ عدنان سے۔ پھر قریشیوں میں سے بعض وہ ہیں جو خاص اس سلسلۂ طاہرہ کی سنہری کڑیاں ہیں۔ جن سے حضور سرورِ کائنات (صلے اللہ علیہ و آلہٖ وسلم) کا ظہور ہوا۔ کہ ان کی پشتیں غذائے بزرگ کی اس گرانمایہ امانت کی متحمل تھیں۔ مثلاً کعبؓ۔ قصیؓ۔ عبد منافؓ اور ہاشم (رضی اللہ تعالیٰ عنہم)

یہ عاجز محمد ابراہیم میر سیالکوٹی اس کتاب "بلوغ الارب" میں سے اپنے مقصودؐ کو ملحوظ رکھتے ہوئے صرف انہی بزرگوں کا حال بطورِ ترجمہ نقل کرے گا۔ اور ہر ایک کے نام کے ساتھ وہ نمبر لکھے گا۔ جو اوپر سلسلہ نبوی میں ان کے ناموں کے ساتھ لگائے گئے ہیں۔

نمبر ۱۲- کعب بن لوی۔ یہ وہ کعب ہیں۔ جن پر حضرت عمرؓ فاروق کی نسب آنحضرتؐ کی نسب سے جا ملتی ہے۔ علامہ موصوف ان کی بابت ارقام فرماتے ہیں:

(بقیہ ۱۳۵ صفحہ کا) کی ہجرت مدینہ کے بعد بڑھاپے کی عمر میں حاضر خدمت ہو کر ایمان لائے۔ انہوں نے بڑی لمبی عمر پائی ان کا ذکر صحیح بخاری۔ فتح الباری۔ اصابہ اور استیعاب میں ہے۔ ۱۲

لہ یعنی آنحضرتؐ کے آباؤ اجداد کا دین حنیفی پر قائم ہونا ۱۲ منہ

"آپ آنحضرت (صلے اللہ علیہ و آلہ وسلم) کے اجداد میں سے ہیں اور ہم نے کتاب مجتمعات میں ذکر کردیا ہے، جو زُبیر بن بکار نے بیان کیا۔ یعنی حضرت کعبؓ کا قریش کو خطبہ سنانا۔ اور ہر جمعہ کے روز اُن کا آپ کے پاس جمع ہونا۔ آپ اُن کو اطاعت و فہم و تعلّم (علم سیکھنے) اور زمین و آسمان کے احوال میں اور رات دِن کے اختلاف اور حالات کے منقلب ہوتے رہنے سے اور جو واقعات پہلوں اور پچھلوں کو پیش آئے اُن سے عبرت پکڑنے کا حکم کرتے تھے، اور صِلہ رحمی اور سلام کے عام کرنے اور عہد و پیمان کی محافظت اور حقِ قرابت کی رعایت اور فقرا و یتامیٰ پر صدقہ کرنے کی ترغیب دیتے تھے، اور موت اور اس کے پُر خطر حالات اور روزِ قیامت اور اُس کے خوفناک احوال کے ذِکر سے وعظ و نصیحت کرتے تھے، اور اُن کو رسُول اللہ (صلے اللہ علیہ و آلہ وسلم) کے مبعوث ہونے کی بشارت[1] بھی سُناتے تھے۔ اور یہ بھی کہ آپؐ میری اولاد میں سے ہوں گے، اور اُس کو حکم کرتے تھے کہ اگر تم آپؐ کا زمانہ پاؤ۔

[1] آنحضرتؐ کی بعثت کی بشارت کئی ایک موحدین عرب کے (باقی بر صفحہ ۱۳۸)

تو آپ کی پیروی کرنا۔ اور یہ بھی کہ آپ بیت اللہ الحرام سے مبعوث ہوں گے، اور اس بارے میں شعر بھی ظاہر کرتے تھے، اور آنحضرتؐ کی دعوت کے مشاہدے کا شوق بھی ظاہر کرتے تھے، اسی طرح کی اور بھی باتیں ہیں۔ جو صفائی باطن کے الہامات اور صادق حالات کی قسم میں شمار ہوتی ہیں۔ اور یہ امور اُن کے دین ابراہیمی کے ساتھ پنجہ مارنے اور ملتِ حنیفی اور اسلام کو محکم پکڑنے کی سبب سے واضح دلیل ہیں۔ اور بہت سے علماء کا یہی مذہب ہے، کہ آنحضرتؐ کے سب آباؤ اجداد اور مائیں اعتقاد میں مُوَحِّد تھے، وہ قیامت اور اُس کے حساب وغیرہ اور پر ایمان رکھتے تھے، جو ملتِ حنیفی لیکر آئی۔" (مترجما جلد دوم ص $\frac{311}{312}$)

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۳۷) تذکروں میں ملتی ہے۔ اس سے تعجب نہیں کرنا چاہئے اور ایسے جلد بازی سے بغیر علم کے بناوٹی قصہ کہانی نہ سمجھنا چاہئیے کیونکہ جب حضرت ابراہیمؑ نے بحکم الٰہی مع اپنے فرزند حضرت اسمٰعیلؑ کے خانہ کعبہ تعمیر کیا۔ اور وہاں پر شہر مکہ بھی آباد ہوگیا۔ تو اس وقت آپؑ نے یہ دعا بھی کی تھی۔ رَبَّنَا وَابْعَثْ فِيهِمْ رَسُولًا مِّنْهُمْ (پ ۱) پس اگر یہ دعا خاندانی روایت ہونے کی وجہ سے بصورتِ بشارت آلِ اسمٰعیلؑ میں اَبًا عَنْ جَدٍّ بطریق توارث ہر زمانہ میں چلی آئے تو اس میں کیا تعجب ہے اور اس کو ہر صہ جھٹلانے کی کونسی راہ ہے۔ خصوصاً (باقی ۳۹ پر)

نمبر۶۔ قصیّ بن کلاب۔ ان کا نام سلسلہ نسب نبوی مذکورہ بالا میں نمبر۶ پر دیکھو۔ ان کی جلالتِ شان اور نمایاں کارنامے اور بنو خزاعہ پر فتح پاکر خانہ کعبہ کی موروثی تولیت کو پھر حاصل کرنا صفحاتِ گذشتہ میں سب بیان ہو چکے ہیں۔ اس جگہ عمرو بن لحیّ اور اس کے بُت پرستی کو رواج دینے کی بابت بعض احادیث کا ذکر بھی مناسب سمجھتا ہوں۔

(۱) صحیح بخاریؒ اور مسند امام احمدؒ میں حضرت عائشہؓ اور حضرت ابوہریرہؓ سے منقول ہے کہ آنحضرتؐ نے فرمایا کہ میں نے عمرو بن لحیّ خزاعی کو دیکھا کہ وہ دوزخ میں اپنی انتڑیاں کھینچ رہا ہے، اور وہ وہی ہے جس نے پہلے پہل (کعبہ میں) بُت پرستی شروع کی۔ اور بحیرہ اور سائبہ کی رسوم جاری کیں (ملخص از تاریخ حافظ ابن کثیر جلد دوم صفحہ ۱۸۸ و ۱۸۹)

(۲) حج کے تلبیہ یعنی لبیک کے کلمات جو ملّتِ

(بقیہ ۱۳۸ صفحہ کا) جیسے خود آنحضرتؐ بھی فرماتے ہیں۔ اَنَا دَعْوَۃُ اَبِیْ اِبْرَاھِیْمَ الحدیث (مشکوٰۃ صفحہ ۵۰۵)؛

اسی طرح حافظ ابن کثیرؒ نے بھی اپنی تاریخ میں حضرت کعب کے اس مذکورہ خطبہ جمعہ کا ذکر کیا اور اس میں نبی کریم صلعم کے مبعوث ہونے کی بشارت سنانا بھی بیان کیا ہے۔ ۱۲ منہ

ابراہیمی کے ہیں۔ وہ یہ ہیں:۔ اَللّٰھُمَّ لَبَّیْکَ لَبَّیْکَ لَا شَرِیْکَ لَکَ لَبَّیْکَ اِنَّ الْحَمْدَ وَالنِّعْمَۃَ لَکَ وَ الْمُلْکَ لَکَ لَا شَرِیْکَ لَکَ (بخاری) یعنی" حاضر ہوں۔ خداوندا! حاضر ہوں۔ حاضر ہوں۔ تیرا کوئی بھی شریک نہیں۔ میں حاضر ہوں بیشک حمد اور نعمت تیرے ہی لئے ہے۔ اور بادشاہی بھی تیری ہی ہے۔ تیرا کوئی بھی شریک نہیں"

حافظ ابن کثیرؒ نے امام سُہیلیؒ وغیرہ سے نقل کیا۔ کہ اس خالص توحید الٰہی کے تلبیہ میں سب سے اوّل شرک کا کلمہ اسی عمرو بن لُحَیّ خزاعی نے شیطانی تحریک و تلقین سے داخل کیا۔ اور عرب کے لوگ (اُس کے اقتدار کی وجہ سے) اُس کے تابع ہو گئے، وہ کلمہ یہ ہے۔ کہ شرک کی حالت میں عام قریش اور بنو کنانہ نے یوں کہنا شروع کر دیا تھا:۔

لَبَّیْکَ اَللّٰھُمَّ لَبَّیْکَ لَا شَرِیْکَ لَکَ، اِلَّا شَرِیْکًا هُوَ لَکَ تَمْلِکُہٗ وَمَا مَلَکَ۔ یعنی میں حاضر ہوں خداوندا! میں حاضر ہوں۔ حاضر ہوں۔ تیرا کوئی بھی شریک نہیں ہے۔ مگر ایک شریک کہ وہ بھی تیرا ہی ہے۔ تو اُس کا بھی مالک ہے اور اُس چیز

کا بھی جس کا وہ مالک ہے۔"
اس کے بعد حافظ ابن کثیرؒ فرماتے ہیں۔ کہ صحیح حدیث سے ثابت ہے۔ کہ جب وہ لوگ لَبَّیْكَ لَا شَرِیْكَ لَكَ کہتے تو آنحضرتؐ فرماتے قَدْ قَدْ بس یہیں تک، یعنی اس سے آگے وہ مشرکی کلمہ اِلَّا شَرِیْکًا والا نہ کہنا (صفحہ ۱۱۸)

اس کے بعد معلوم ہو کہ حضرت قُصَیّ بھی مُوَحِّد اور خدا پرست تھے، چنانچہ علّامہ محمود شکریؒ بلوغ الادب میں فرماتے ہیں :-

"قُصَیّ قریش کے عالم تھے اور حق پر سب سے زیادہ قائم ہونے والے تھے۔ آپ اپنی قوم کو جمعہ کے روز جمع کرتے اور اُن کو وعظ و نصیحت کرتے تھے، اور حرمِ مکہ کی تعظیم و تکریم کا حکم کرتے تھے، اور اُن کو یہ بشارت بھی سُناتے تھے کہ عنقریب اس حرم میں ایک نبی پیدا ہوگا۔ اور آپ بُتوں کی پرستش سے منع کرتے تھے"۔ (جلد دوم صفحہ ۳۱۴)

تولیتِ کعبہ حضرت قُصَیّ نے جس طرح بنوخزاعہ پر غلبہ پایا۔ اس کی کیفیت قابلِ ذکر ہے۔ حافظ ابن کثیرؒ اپنی تاریخ کبیر میں فرماتے

ہیں کہ :-

قصیؔ نے حلیل ابن حبشیہ رئیس خزاعہ کی بیٹی حبّیؔ سے شادی کی بنی خزاعہ نے گمان کیا کہ حلیل نے قصیؔ کے حق میں بیت اللہ کی تولیت کی وصیت کردی ہے۔ کیونکہ اُس نے دیکھا۔ کہ میری بیٹی سے اس کی اولاد بہت ہے۔ اور کہا کہ تو میری نسبت اس کا زیادہ حقدار[1] ہے (جلد دوم صفحہ ۲۰۵)

(۵) **عبد مناف**۔ ان کا نام سلسلہ نسب نبوی میں نمبر ۵ پر دیکھو، ان کی جلالتِ شان کا کچھ ذکر سابقاً

---

[1] زیادہ حقدار ہونے کی وجہ یہ ہے کہ حضرت قصیؔ اسمٰعیل علیہ السلام کی بہترین اور خالص اولاد (قریش) سے ہیں۔ اور کعبہ کے اصل متولی وہی ہیں۔ ان سے پہلے قبیلہ بنی خزاعہ کا جو قبضہ رہا۔ وہ غاصبانہ رہا۔ اور ہر دو قبیلوں کے دل ایک دوسرے سے صاف نہیں تھے۔ اب جب حلیل خزاعی نے قصیؔ قریشی کو اپنی بیٹی دے دی، اور اُس کے شکم مبارک سے اُن کی اولاد بھی بکثرت پیدا ہوگئی۔ تو وہ حقد و عداوت جاتی رہی۔ اور اس کی بجائے شفقت و ہمدردی پیدا ہوگئی۔

حضرت حبّیؔ کے بطن مبارک سے حضرت قصیؔ کے چار بیٹے عبدالدار[1] عبد مناف[2]۔ عبد العزّیٰ[3] اور عبد قصی پیدا ہوئے۔ جب حضرت قصیؔ کے والد کلاب فوت ہوگئے تو اُن کی والدہ نے خاندانِ عذرہ میں ربیعہ بن حرام سے نکاح کرلیا۔ اور ان سے اُن کا بیٹا رزاح پیدا

(باقی صفحہ ۱۴۳ پر)

گذر چکا ہے، اب ان کے مذہب کی بابت ملاحظہ فرمایئے کہ علامہ محمود شکری فرماتے ہیں:-

"عبد مناف کو اُن کے حُسن و جمال کی وجہ سے قمر البطحا (سنگستانِ مکہ کا چاند) کہتے تھے۔ اُن کا اصل نام مغیرہ تھا۔ اور حضرت زبیرؓ سے منقول ہے کہ مجھے ایک پتھر دستیاب ہوا۔ جس پر یہ الفاظ کندہ تھے "میں مُغیرہ بن قُصَی قریش کو خدا کے ڈر اور صلہ رحمی کی وصیت کرتا ہوں"۔ اور آپ بُتوں کو بہت بُرا جانتے تھے۔ اور آپ (کے چہرے) پر آنحضرت کا نُور آشکار اور نمایاں تھا"۔ (صفحہ ۳۱۴ جلد دوم)

(۳) ہاشم۔ ان کا نام سلسلہ نسب نبوی میں نمبر ۳ پر دیکھئے ان کا اصلی نام عَمرو تھا۔ اِن کی جلالتِ

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۴۲ کا) ہُوا۔ حضرت قصی نے اپنے استحقاق کی بنا پر اپنی قوم قریش اور بنی کنانہ کو بنو خزاعہ سے ولایت کعبہ واپس لینے کے لئے جمع کیا۔ اور ادھر اپنے ماں جائے بھائی رزاح کو مدد کے لئے بلایا۔ رزاح نے اپنے دیگر تینوں بھائیوں کو بھی جو دوسری ماں فاطمہ سے تھے ساتھ لیا۔ اس طرح قصی نے منفقہ طاقت سے بنو خزاعہ پر غلبہ پا کر اُن سے ولایت کعبہ واپس لے لی۔ الحمد للہ کہ حق بحق دار رسید ۱۲ منہ

قدر اور عظمتِ شان سابقًا گذر چکی ہے۔ علامہ محمود شکری نے ان کو بھی موحدین و حکام عرب کی صف میں شمار کیا ہے۔ آپ "عنوانِ حکامِ عرب" کے ضمن میں ان کی بابت ارقام فرماتے ہیں:-

وَمِنْهُمْ هَاشِمُ بْنُ عَبْدِ مَنَافٍ الْقُرَشِيُّ وَهُوَ مِنْ أَكَابِرِ رِجَالِ قُرَيْشٍ وَسَادَاتِهِمْ وَحُكَّامِهِمْ

(جلد اول صفحہ ۳۵۳) "یعنی ہاشم بن عبد مناف قریشی بھی حکام عرب میں سے ہیں۔ اور وہ قریشیوں کے بہت بڑے لوگوں اور اُن کے سرداروں اور حکام میں سے ہیں"۔

اس کے بعد علامہ محمود نے اُن کا خطبہ نقل کیا ہے جو مکارمِ اخلاق اور پند و موعظت کا جامع ہے، جسے ہم بخوف طوالت نقل نہیں کر سکتے۔ اس کے بعد امام ماوردی کی کتاب "اعلام النبوۃ" سے امام ماوردی کا قول نقل کیا ہے جس کا ترجمہ حسب ذیل ہے۔

"(حضرت ہاشم نے اس خطبہ میں) شریف اخلاق کا جو امر کیا ہے۔ اور بُرے افعال سے جو ممانعت کی ہے اس کی طرف دیکھو۔ کیا یہ باتیں فضیلت کی گہرائی اور قدر و منزلت کی جلالت اور ہمت کی بلندی کے سوا صادر ہو سکتی ہیں؟ اور یہ سب کچھ کسی خاص انتخاب

کے ارادے اور ذکر و شان کی پختگی کے لئے دقلتی طور پر) کیا گیا تھا۔ کیونکہ اِن امور کا آباؤ اجداد میں متواتراً چلے آنا فرزندوں میں آکر قرار پانے کا موجب بنتا ہے۔" (صفحہ ۳۵۵ جلد اوّل)

۳۔ **عبد المطلب**۔ یہ آنحضرتؐ کے جدّ امجد ہیں۔ ان کا مفصل ذکر سابقاً گزر چکا ہے۔ اِن کی دینداری کا بھی ذکر ہو چکا ہے۔ کہ آپ موحّد و خدا پرست تھے۔ روزِ جزا اور قیامت کے قائل تھے۔ مستجاب الدعوات اور صاحبِ یمن و برکت تھے۔ اصحابِ فیل کے حملہ کے وقت خانہ کعبہ میں جاکر خالصاً خدائیتعالےٰ سے دُعا مانگی اور بُتوں سے التجا نہیں کی۔ اپنے لاڈلے بیٹے عبداللہ کے عوض سَو اونٹ خالصاً خدا کے نام پر قربان کیئے۔ اسی طرح صِغرسنی میں آنحضرتؐ کے گم ہو جانے پر خانہ کعبہ میں جاکر خدائیتعالےٰ سے دعائیں کیں۔ اور پالینے پر بہت سا سونا اور بیشمار اونٹ صدقہ میں دیئے۔ اور اس سے پیشتر آپ کی ولادت پر بھی آپ کو گود میں اُٹھا کر خانہ کعبہ میں لے گئے اور خدائیتعالےٰ سے آپؐ کے لئے دعائیں کیں اور خُدا کا شکر کیا۔ یہ سب امور اُن کی توحید پرستی

کے دلائل ہیں۔

علامہ محمود شکریؒ نے ان کو بھی حکام و موحدین عرب میں شمار کیا ہے۔ آپ عنوانِ حکامِ عرب کے ضمن میں اِن کے ذکر میں جو کچھ فرماتے ہیں۔ ہم اُن کے ضروری اقتباسات نقل کرتے ہیں۔

(۱) "کَانَ اَیْضًا مِنْ حُکَّامِ قُرَیْشٍ (آپ بھی حکام قریش میں سے تھے)"۔

(۲) "وَکَانَ مُجَابَ الدَّعْوَاتِ (آپ مستجاب الدعوات تھے"۔

(۳) "وَکَانَ مِنْ حُلَمَاءِ قُرَیْشٍ وَحُکَمَائِهَا (آپ قریشیوں کے صاحبانِ حلم اور صاحبانِ حکمت و دانائی میں سے تھے)"۔

(۴) "وَکَانَ مِمَّنْ حَرَّمَ الْخَمْرَ عَلٰی نَفْسِهٖ فِی الْجَاهِلِیَّةِ (آپ ان لوگوں میں سے تھے۔ جنہوں نے زمانہ جاہلیت میں بھی اپنے اوپر شراب حرام کر رکھی تھی)"۔

(۵) "وَرَفَضَ فِیْ اٰخِرِ عُمُرِهٖ عِبَادَةَ الْاَصْنَامِ وَوَحَّدَ اللّٰهَ سُبْحَانَهٗ (آپ نے آخری عمر میں بُت پرستی ترک کر دی تھی اور اللہ سبحانہٗ کی توحید کے قائل ہوگئے تھے[1]

علامہ محمود شکریؒ عبد المطلب کے ذکر میں یہ بھی فرماتے ہیں:-

لے آخری عمر میں چھوڑنا تب درست ہو جب پہلی عمر میں بُت پرستی کرنا ثابت ہو- ایک طرف امام سیوطیؒ کہتے ہیں کہ عبد المطلب وغیرہ کے متعلق ہم کو کوئی روایت اِدھر یا اُدھر کی دستیاب نہیں ہوئی اور دوسری طرف اُن کی عمر بھر کے کارناموں میں کہیں شرک و بُت پرستی یا کم از کم کسی شرکیہ دعا کا بھی ثبوت نہیں ملتا- بلکہ خالصتًا خدائیتعالےٰ سے دعا و التجا کرنا دوپہر کے سُورج کی طرح چمکتا ہوا ملتا ہے- تو ہم کس طرح کہہ سکتے ہیں- کہ انہوں نے بُت پرستی آخری عمر میں چھوڑ دی تھی- نہیں بلکہ اپنے اسلاف کی طرح ہمیشہ سے ترک کر رکھی تھی-

علامہ محمود شکریؒ نے احوالِ کعب بن لوئیؒ میں ایک جامع تقریر لکھی ہے- جسے ہم ترجمہ کی صُورت میں نقل کرتے ہیں:-

"علماء میں سے بہتوں کا مذہب یہ ہے- کہ آنحضرتؐ کے سب اصُول یعنی باپوں اور ماؤں میں سے سب کے سب اعتقاد میں موحّد تھے- قیامت اور حساب (اعمال) وغیرہ پر ایمان رکھتے تھے- جو احکام کہ ملتِ حنیفی لیکر آئی (وہ ان سب کے قائل تھے) اور اسی کی طرف اشارہ ہے امام ماوردیؒ کے کلام کا اعلام النبوّتؒ میں- کہ انہوں نے کہا کہ چونکہ انبیاء اللہ خدا کے بندوں میں سے منتخب اور اس کی خلقت میں سے پسندیدہ ہوتے ہیں- کیونکہ خدائیتعالےٰ نے ان کو قیام بالحق کا مکلّف کیا ہے- تو ان کو نہایت بزرگ عناصر سے خالص کرکے چنا- اور ان کو نہایت ستھرے اور استوار رحموں سے نکالا- اس لئے کہ ان کی (باقی صفحہ ۱۴۸ پر)

(۶)" وَكَانَتْ قُرَيْشٌ إِذَا أَصَابَهُمْ قَحْطٌ يَسْتَسْقُوْنَ بِهٖ فَيَسْقِيْهِمُ اللّٰهُ غَيْثًا عَظِيْمًا۔ یعنی جب بارش کی بندش ہو جاتی تو قریش اِن کو ساتھ لے کر بارش کی دُعا کرتے تو خدائے تعالےٰ اُن پر بھاری بارش برساتا۔"

(۷)" وَكَانَ يَفُوْحُ مِنْهُ رَائِحَةُ الْمِسْكِ الْأَذْفَرِ۔ یعنی آپ سے تیز خوشبو والی کستوری کی خوشبو نکلتی رہتی تھی" (جلد دوم صفحہ ۲۱۲) اسی قسم کی خوشبو

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۴۷ کا) نسب قدح سے اور اُن کا منصب (نبوت) جرح سے محفوظ رہے، تاکہ لوگوں کے نفس اُن سے موافقت کریں، اور اُن کے دل ان کی طرف مائل ہوں۔ پس لوگ اِن کی قبولیت میں جلدی کریں، اور حکموں میں اچھی طرح سے اُن کی فرمانبرداری کریں" (جلد دوم صفحہ ۲۱۲)۔
اسی طرح اِس کے بعد حضرت قُصَیّ کے بیان میں آنحضرت صلعم کا سلسلۂ نسب نام بنام ذکر کر کے لکھتے ہیں :-
"ان میں سے کوئی بھی بیقدر و رذیل نہیں اور نہ آلودہ دامن اور ذلیل۔ سب سردار اور قائد (لیڈر) ہیں۔ جو مکارمِ اخلاق اور فضائل میں مشہور تھے، اور یہ امر کتبِ سیر میں بالتفصیل مذکور ہے، جس کے بیان کی یہاں پر گنجائش نہیں" (جلد ۲ صفحہ ۲۱۵) (باقی حاشیہ برصفحہ ۱۴۹)

آنحضرتؐ کے بدن مبارک اور پیشینہ سے بھی نکلتی تھی۔ جیسا کہ مشکوٰۃ کی احادیث میں مرقوم ہے۔[1]
اسی طرح حضرت شاہ عبدالعزیز صاحبؒ آیت وَمِنْ ذُرِّيَّتِنَا أُمَّةً مُّسْلِمَةً لَّكَ بقرہ پ ۱ کی تفسیر کے ذیل میں فرماتے ہیں۔

"و بعضے گفتہ اند کہ جستہ جستہ از ایشاں در ہر وقت مردم با ایمان گذشتہ اند مثل زید بن عمرو بن نفیل و عبدالمطلب جد آں حضرتؐ۔ ۱۲۔ (تفسیر عزیزی مطبوعہ لاہور صفحہ ۴۸۴)

اسی طرح حافظ ابن حجرؒ نے اصابہ میں ترجمہ عبدالمطلب میں حافظ ابن سکن سے ایسا ہی نقل کیا ہے۔ (اصابہ جلد پنجم قسم ۴ صفحہ ۳۱۲ مطبوعہ کلکتہ)۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۴۸ کا) تنبیہ۔ بعض لوگوں کو ابو طالب کے اس قول سے ٹھوکر لگی ہے۔ جو انہوں نے اپنی وفات کے وقت کہا تھا کہ میں عبد المطلب کے دین پر (مرتا) ہوں۔ اس کا جواب یہ ہے کہ جب عبدالمطلب کا توحید پر قائم ہونا متحقق ہوچکا اور دوسری طرف ابو طالب سے کوئی شرک کا قول یا فعل ثابت نہیں بلکہ ان کے قصائد میں توحیدی شعر پائے جاتے ہیں تو ان کا یہ کہنا کہ میں عبد المطلب کے دین پہ ہوں اجمالی ایمان بالتوحید کے منافی نہیں۔

[1] تفصیل کے لئے ہماری کتاب سراجاً منیرا کا مطالعہ کریں۔

علامہ سہیلی نے بھی بعض علماء کا یہی مذہب ذکر کیا ہے کہ عبد المطلب اسلام پر فوت ہوئے (الروض الانف للسہیلی جلد اول صفحہ ۲۵۹)

آنحضرتؐ کے والد ماجد حضرت عبداللہؓ

سابقاً گذر چکا ہے۔ کہ آنحضرتؐ کے والد ماجد پاکدامنی اور طہارت نفس میں اپنے اسلاف کی صحیح یادگار تھے اور یہ بھی کہ آپ اپنے والد ماجد حضرت عبد المطلبؓ کی زندگی ہی میں ستّرہ یا بقول بعض پچیس سال کی عمر میں فوت ہو گئے۔ اس لئے سوائے چند پاکیزہ اخلاقی واقعات کے کوئی یادگار نہ چھوڑ سکے۔ جس کا اثر قوم قریش کے دِل پر ہمیشہ تک رہا۔ اسی طرح آپ کی والدہ ماجدہ حضرت آمنہ خاتونؓ کے متعلق بھی گذر چکا ہے کہ آپ عفت وحیا کی دیوی تھیں، اور وہ بھی قریباً بیس برس کی عمر میں فوت ہوئیں۔ پس سوچنا چاہئے۔ کہ آنحضرتؐ کے والدین کے حق میں قدرت کی یہ بخشش بے معنی نہیں تھی، اس میں سِترِ قدرت یہی تھا۔ کہ ان کی مبارک پشت اور پاک شکم سے سیّدِ اولادِ آدمؑ پیدا ہونے والا تھا۔ اگر اس طہارتِ نفس کے ہوتے اِن کے

دل اور اعمال نجاستِ شرک و بُت پرستی سے ملوّث ہوں۔ تو واللہ یہ جوڑ ہو ہی نہیں سکتا [1]

یہ محض حسن ظنی کی بنا پر نہیں۔ بلکہ کسی شخص کی شخصیت اور اُس پر قدرت کی خصوصی عنایت اور اُس سے آئندہ ہمیشہ کے لئے چشمۂ ہدایت و برکت جاری ہونے پر نظر کرتے ہوئے تصوّر کی صحت اور ذہنیت کی درستی کی علامت ہے۔ اس تصوّر کی صحت کی توضیح یوں ہے۔ کہ آنحضرتؐ کے والدین کی اخلاقی پاکیزگی اور عملی طہارت ہر کہ ومہ کے نزدیک مسلّم ہے، باقی رہا مذہبی طور پر اعتقادی حالت، سو اس کے لئے اگر کسی کے پاس کوئی ایسی شہادت موجود ہو۔ کہ معاذ اللہ انہوں نے کبھی کسی بُت کو سجدہ کیا۔ یا اُس کے نام کی نذر و قربانی چڑھائی۔ یا کسی بُت سے دعا و التجا کی۔

---

[1] آزر کے تذکرہ سے یہ ٹھوکر نہ لگے کہ آنحضرتؐ کے جد امجد حضرت خلیل اللہ علیہ السلام کا والد ہو کر بت پرست بھی تھا نہیں وہ حضرت خلیل اللہ علیہ السلام کا چچا تھا اور قرآن شریف میں جو اُن کے لئے لفظ اب کا مذکور ہے سو قرآن شریف میں اور لغت میں "اب" کا لفظ چچا پر بھی آتا ہے (سورہ بقر آیت قَالُوا نَعْبُدُ إِلٰهَكَ وَإِلٰهَ آبَائِكَ إِبْرَاهِيمَ وَإِسْمَاعِيلَ وَإِسْحَاقَ) الآیہ حالانکہ حضرت اسمٰعیلؑ حضرت یعقوبؑ کے والد نہیں بلکہ چچا تھے۔ نیز کتب لغت لسان العرب وغیرہ اور مفردات راغب)۔ اور امام سیوطیؒ نے بھی اپنے رسائل مسالک الحنفا وغیرہا میں اس پر کافی

تو بیشک لاوے۔ لیکن ہم کمال وثوق سے کہہ سکتے ہیں کہ ایسی شہادت کہیں سے بھی دستیاب نہ ہوسکے گی۔[1]
پس کسی معین پاکباز اور صالح الاعمال شخص کے متعلق اُس کی بزرگی کے برخلاف کوئی ایسی رائے قائم کرلینا جس کی تائید میں کوئی بھی دستاویز نہ ہو۔ ہرگز ہرگز درست نہیں۔ صحیح بخاری میں ہے۔ کہ آنحضرتؐ نے فرمایا کُلُّ مَوْلُوْدٍ یُوْلَدُ عَلَی الْفِطْرَةِ الحدیث۔" یعنی ہر بچہ اسلام پر پیدا ہوتا ہے۔ پس جب تک اُس کی ذمہ داری کی عمر میں اس کے برخلاف کفر و شرک کے عقائد و اعمال ثابت نہ ہوں اسے کافر و مشرک نہیں کہہ سکتے۔ پس احتیاط اس میں ہے کہ آپ اُن کے کیرکٹر اور طہارتِ نفس پر اور ان کے اسلاف کی شرافت و عظمت اور مذہبی و اخلاقی تقدس پر نظر کرکے یہ اعتقاد رکھیں۔ کہ آنحضرتؐ کے والدین اپنے بزرگوں کی طرح اپنے جدّ اعلیٰ حضرت خلیل اللہ کے دین پر تھے۔ کیونکہ ان کے برخلاف شرک و بُت پرستی ہرگز ہرگز ثابت نہیں۔ وَمَنِ ادَّعیٰ فَعَلَیْہِ البیان۔

---

[1] بعض لوگوں نے بعض روایتوں کی بنا پر لب کشائی کی ہے سو معلوم ہو کہ ان روایتوں میں بعض راوی ایسے ہیں جو اکابر محدثین مثل امام بخاریؒ وغیرہ کے نزدیک حجت نہیں۔ اور امام سیوطیؒ نے اپنے رسائل مسالک الحنفاء وغیرہا میں اس پر کافی بحث کی ہے۔

باب دُوَم

آنحضرت صلعم کے شخصی حالات

ولادت و خاندان آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم قبیلۂ قریش کے سب سے اونچے اور معزز خاندان بنی ہاشم میں پیدا ہوئے۔ آپ کے بعض آباء و اجداد کے حالات باب اوّل میں بیان ہو چکے ہیں۔ آپ کے والدین حضرت عبداللہ اور حضرت بی بی آمنہ خاتون صورت و سیرت میں خاندان قریش میں اپنا جواب نہیں رکھتے تھے۔ علاوہ اس کے دونوں ہم جدّی بھی تھے۔ اس کی تشریح یوں ہے کہ آپ کے جدِ امجد عبدالمطلب نے اپنی بڑی عمر میں اپنے ہم جدّیوں بنی زُہرہ میں وُہیب یا (اُہیب) بن عبد مناف[1] کی دختر ہالہ نام سے نکاح کیا۔

[1] یہ عبد مناف حضرت ہاشم کے باپ کے سوا ہیں۔ یہ آنحضرتؐ کی والدہ کے دادا ہیں جن کا نسب نامہ آنحضرت صلعم کے اجداد سے زُہرہ بن کلاب پر جا ملتا ہے۔ جو حضرت قصی کا بھائی تھا۔ تاریخ طبری وغیرہ ۱۲ منہ۔

جن کے بطن سے آنحضرتؐ کے چچا حضرت حمزہؓ (شیرِ خدا) پیدا ہوئے، اسی مجلس میں عبد المطلب نے اپنے پیارے بیٹے عبد اللہ کا نکاح وُہَیب کے بھائی وَھب کی دُختر سعید اختر بی بی آمنہ خاتونؓ سے کیا۔ جن کے شکم مبارک سے ہمارے نبی کریم صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم تولد ہوئے۔

نکاح کے بعد حضرت عبد اللہ دستورِ قومی کے مطابق چند روز تک سسرال ہی میں رہے اور پھر مع اپنی بی بی آمنہ خاتون کے اپنے ہاں چلے آئے۔

چندے بعد حضرت عبد اللہ تجارت کے لئے ملک شام کو گئے۔ اور بیمار ہو گئے، واپسی پر مدینہ طیبہ میں جو اُن دنوں یثرب کہلاتا تھا اُتر پڑے اور چند روز کے بعد وُہیں فوت ہو گئے اور دار النابغہ میں دفن کئے گئے۔ مکہ میں عبد المطلبؓ کو اطلاع پہنچی۔ تو اُنہوں نے اپنے بیٹے حارثؓ کو مدینہ میں بھیجا۔ لیکن حارثؓ وہاں ایسے وقت پر پہنچے کہ حضرت عبد اللہ فوت ہو چکے تھے۔ (فَاِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ) (طبری جلد ۲ صفحہ ۱۷۶)۔

واقعہ اصحاب الفیل کے پچاس روز بعد یا کچھ

اوپر موسم بہار کے ماہ ربیع الاوّل میں دوشنبہ کے دن، بوقت صبح صادق آفتاب ہدایت (سِرَاجًا مُنِیْرًا) کا ظلمتکدۂ زمین پر ظہور ہوا[1] - اَللّٰھُمَّ صَلِّ وَسَلِّمْ عَلَیْہِ۔ مولٰنا حالی مرحوم نے اپنی مشہور و مقبول مُسدّس میں کہا ہے:

ے ہوئے پہلوئے آمنہؓ سے ہویدا
دُعائے خلیلؑ و نویدِ مسیحا!

اس میں تو اختلاف نہیں کہ آنحضرت[1] کے والد مدینہ طیبہؓ میں سفرِ شام سے واپسی کے وقت فوت ہوئے، لیکن اس امر میں مختلف روائتیں ہیں کہ آنحضرت[2] اُس وقت پیدا ہو چکے تھے یا پیدا ہونے والے تھے

---

[1] مہینہ اور دن کے متعلق تو قریبًا سب متفق ہیں کہ دوشنبہ کا دن تھا - اور قمری حساب سے ربیع الاوّل اور شمسی حساب سے اپریل کا مہینہ تھا - لیکن تاریخ کے متعلق قدرے اختلاف ہے عام روایت ۱۲ ربیع الاوّل ہے اور بعض نے آٹھویں بتائی ہے - لیکن مولٰنا شبلی مرحوم نے مصر کے مشہور ہیئت دان محمود پاشا فلکی کی تحقیقات سے کہا ہے کہ حساب سے ۹ ربیع الاوّل اور ۲۰ اپریل ۵۷۱ء بیٹھتی ہے۔ یہ سنہ شاہِ ایران نوشیروان کے جلوسِ تخت کا چالیسواں سال تھا۔ عوام میں جو یہ مشہور ہے کہ آنحضرتؐ نے فرمایا کہ میں عادل بادشاہ کے زمانہ میں پیدا ہوا گو واقعہ اسی طرح ہے کہ آپ نوشیرواں کے عہد میں پیدا ہوئے - لیکن از روئے حدیثِ رسول صلعم ہونے کے کہ آنحضرت صلعم نے ایسا فرمایا تو محدثین کے نزدیک یہ روایت بالکل بے اصل ہے۔ (المقاصد الحسنہ للسخاوی حرف الواو) نیز کتاب المصنوع فی الحدیث الموضوع ملا علی قاری

ابن جریر اور ابن ہشام کے نزدیک اشہر قول یہ ہے۔ کہ آپ اس وقت شکمِ مادر میں تھے اور پیدا ہونے والے تھے۔ لیکن امام سہیلیؒ نے علامہ دولابیؒ وغیرہ سے نقل کیا ہے کہ اکثر علما اس بات پر ہیں کہ آپ اُن ایام میں گودِ مادر میں تھے' (ج ۱ صفحہ ۱۰۶)

آنحضرتؐ کی ولادت کی خبر آپ کے ضعیف العمر دادا کو پہنچائی گئی۔ جس پر وہ ازحد خوش ہوئے کیونکہ آپ اُن کے پیارے اور فوت شدہ بیٹے کی یادگار تھے۔ ۱۸ سالہ نوجوان بیٹے کی موت سے ضعیف العمر باپ کے دل پر جو زخم لگا تھا۔ آپؐ کی ولادت اُس کے لئے مرہم اندمالی ثابت ہوئی۔ اسی طرح عبد المطلب کے دوسرے بیٹوں کے گھروں میں بھی نہایت خوشی ہوئی۔ قدرتی طور پر آپ کا حلیہ خط و خال اور حُسن خداداد اپنے والد کے حلیہ اور حُسن کا جواب تھا۔ عالمِ مسرت میں سب کو یہی خیال گذرا کہ مرحوم عبد اللہ دوبارہ دُنیا میں آگئے۔

ثویبہ آپ کے چچا (ابولہب) کی لونڈی تھی' اُس نے نہایت خوشی سے آپ کی پیدائش کی خبر اپنے مالک ابو لہب کو پہنچائی۔ کہ آپ کے مرحوم بھائی

عبد اللہ کے ہاں فرزند ارجمند پیدا ہُوا۔ ابو لہب کو اس سے اس قدر خوشی ہوئی کہ اس نے ثویبہ کو آزاد کر دیا۔

سیرت ابن ہشام[1] میں ہے کہ آپ کی ولادت پر آپ کی والدہ نے آپ کے دادا کو خبر پہنچائی۔ دو بلا بھیجا عبد المطلب آئے اور اپنے مرحوم بیٹے کی یادگار کو دیکھا۔ حضرت آمنہ خاتون نے جو خواب حالتِ حمل میں دیکھا تھا اور ہاتفِ غیبی سے محمد نام رکھنا جو سُنا تھا وہ اپنے مہربان خُسر سے کہہ سنایا عبد المطلب آپ کو گود میں اُٹھا کر برکت کے لئے خانہ کعبہ میں لائے اور آپ کے لئے خدائے تعالےٰ سے دعائیں مانگیں۔ اور خدا کا شکر ادا کرتے ہوئے آپ کی والدہ کے پاس واپس لے آئے[2]۔

[1] اس کی تفصیل سیرت ابن ہشام میں یوں ہے کہ بی بی آمنہ نے کہا آنحضرت ابھی میرے شکم میں تھے کہ مجھے خواب میں کسی (ہاتف) نے کہا کہ تیرے شکم میں اس امت کا سردار ہے جب وہ (پیدا ہو کر) زمین پر پڑے تو کہنا میں اسے (خدائے) واحد کی پناہ میں دیتی ہوں ہر حاسد کی شرارت سے اور اس کا نام محمد رکھنا۔ سیرت ابن ہشام میں یہ بھی ہے کہ حضرت آمنہ نے دیکھا کہ مجھ سے ایک نور نکلا ہے جس سے میں نے شام کے شہر بُصریٰ کے محلات دیکھ لیے۔ (ج ا صفحہ ۱۰۷) یہ معجزہ ہے کہ یہ بُصریٰ وہی شہر ہے جہاں (باقی صفحہ ۱۵۸)

ساتویں دن مطابق سنتِ ابراہیمی آپ کا ختنہ اور عقیقہ کیا گیا اور آپ کا نام پاک محمدؐ رکھا گیا۔[1]

آنحضرتؐ کی رضاعت

سب سے پہلے تو آپ کو (جیسا کہ دستور ہے) آپ کی والدہ ماجدہ نے دودھ پلایا۔ اِس کی مدت سات روز لکھتے ہیں۔ پھر چند روز تک (حلیمہ سے پیشتر) ثُوَیبہ نے پلایا۔ جس کا ذکر سابقاً ہوچکا ہے۔ اسی ثُوَیبہ نے آپ کے چچا حضرت حمزہؓ کو بھی آپ سے پہلے دودھ پلایا تھا۔ اس وجہ سے حضرت حمزہؓ آپ کے رضاعی بھائی

(بقیہ صفحہ ۱۵۷ کا حاشیہ) پر آنحضرتؐ خوردسالی میں اپنے چچا ابو طالب کے ہمراہ سفر میں گئے تھے۔ ؎۲ (سہیلی ج ۱۔ صفحہ ۱۰۷)

[1] امام ابن قیمؒ نے کہا کہ حضور صلعم کے ختنہ کے متعلق تین قول ہیں اوّل یہ کہ آپ مختون پیدا ہوئے۔ لیکن اس کے متعلق جو حدیث بیان کی جاتی ہے وہ صحیح نہیں۔ بلکہ امام ابن جوزیؒ نے اسے موضوعات میں شمار کیا ہے۔ دوّم یہ کہ آپ دایہ حلیمہ کے حضانت میں تھے۔ اُس وقت فرشتوں نے شق صدر کیا تو ختنہ بھی کر دیا۔ (اس کے متعلق کوئی صحیح و ثابت حدیث مذکور نہیں) سوّم یہ کہ آپ کے دادا عبد المطلب نے کیا جیسا کہ ابن عباسؓ کی روایت میں ہے۔ جسے حافظ ابن عبد البر مغربی نے روایت کیا۔ کہ عبد المطلب نے ساتویں دن آپ کا ختنہ کرایا اور (لوگوں کی) دعوت بھی کھائی اور آپ کا نام محمدؐ رکھا۔ (باقی ے

بھی ہوئے[۱]۔ (مدارج النبوۃ جلد دوم صفحہ ۲۴)۔

ثویبہؓ سے آنحضرت صلعم کا سلوک

آنحضرتؐ کریم النفس تھے، اپنی رضاعی ماؤں سے نہایت عزت و سلوک سے پیش آتے تھے۔ چنانچہ امام سہیلیؒ نے شرحِ سیرتِ ابن ہشامؒ میں اور شیخ عبدالحقؒ

(بقیہ صفحہ ۱۵۸ کا) اس کے بعد امام ابن قیمؒ نے کمال الدین ابن العدیم سے نقل کیا۔ کہ آپ کا ختنہ عربوں کے دستور کے مطابق کیا گیا۔ اور یہ تمام عربوں کا دستور عام تھا اس کے لئے کسی معین روایت کی حاجت نہیں (زاد المعاد مطبوعہ مصر ج ۱ صفحہ ۱۹) ۱۲ منہ۔

[۱] مولنا شبلی مرحوم نے آنحضرتؐ کے دادا اور آپ کے والد کے نکاح کے ذکر میں فرمایا:۔ "حضرت حمزہؓ انہی ہالہ کے بطن سے ہیں ہالہ نے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو دُودھ پلایا تھا۔ اس بنا پر حضرت حمزہؓ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے رضاعی بھائی بھی ہیں"۔ (سیرت النبی طبع اول ج ۱ صفحہ ۱۲۲) ہالہ والدہ حضرت حمزہؓ کا آنحضرتؐ کو دودھ پلانا اور اس وجہ سے حضرت حمزہؓ کا آپ کا رضاعی بھائی بھی ہونا سیرت یا حدیث یا اسماء الرجال کی کسی کتاب میں ہماری نظر سے نہیں گذرا غالباً مولانا مرحوم کو زاد المعاد کی اس عبارت سے وہم گذرا ہے وَکَانَ عَمُّہٗ حَمْزَۃُ مُسْتَرْضِعًا فِیْ بَنِیْ سَعْدِ بْنِ بَکْرٍ فَاَرْضَعَتْ اُمُّہٗ رَسُوْلَ اللّٰہِ یَوْمًا وَ ھُوَ عِنْدَ اُمِّہٖ حَلِیْمَۃَ (صفحہ ۱۹ ج ۱) مولنا ممدوح نے یہ سمجھا کہ اُمُّہٗ سے مراد ہالہ والدہ حضرت حمزہؓ ہے حالانکہ یہ صحیح نہیں۔ کیونکہ یہاں رضاعی ماؤں کا ذکر ہے اور اُمّ حمزہؓ سے مراد سعدیہ رضاعی ماں ہے۔ نہ کہ ہالہ والدہ۔ دیگر یہ کہ اوپر حضرت حمزہؓ کا بنی سعد میں دودھ پینا (باقی صفحہ ۱۶۰ پر)

محدث دہلویؒ نے مدارج النبوۃ میں فرمایا :-

حلیمہ سے پیشتر آنحضرتؐ کو ثویبہ نے دودھ پلایا۔ اُس نے آپ کو اور آپ کے چچا حمزہؓ کو بھی دودھ پلایا۔ رسول اللہ صلعم ثویبہ کا یہ حق (رضاعت) مانتے تھے اور مدینہ شریف سے اس کو انعام و اکرام اور تحفے تحائف بھیجتے تھے، جب مکہ شریف فتح ہوا تو آپ نے اُس کے بیٹے مسروح کی بابت (جس کے ساتھ آپ نے دودھ پیا تھا) دریافت کیا۔ آپ کو خبر دی گئی کہ وہ دونوں فوت ہو چکے ہیں۔ پھر آپ نے اُن کے قریبی رشتے داروں کی بابت بھی دریافت کیا تو

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۵۹ کا) مذکور ہے۔ دیگر اس وجہ سے کہ اس کے بعد امام ابن قیمؒ کی عبارت یہ ہے :۔ فَكَانَ حَمْزَةُ رَضِيعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ جِهَتَيْنِ مِنْ جِهَةِ ثُوَيْبَةَ وَمِنْ جِهَةِ السَّعْدِيَّةِ (صفحہ ۱۹ ج ۱) پس اس جگہ اُم سے مراد حضرت حمزہؓ کی رضاعی ماں سعدیہ ہے نہ کہ جننے والی والدہ۔ فافہم ولا تغفل۔

مولانا مرحوم نے دوسرے موقع پر یعنی حضرت حمزہؓ کے اسلام لانے کے ذکر میں اُن کا اور آنحضرتؐ کا حضرت ثویبہ کا دودھ پینا صاف الفاظ میں ذکر کیا ہے۔ پس ہر دو صاحبان اس وجہ سے بھی رضاعی بھائی ہوئے۔ (صفحہ ۱۶۳)

لے استیعاب ج ۱ صفحہ ۱۰۹ ذکر حضرت حمزہؓ میں ۱۲ منہ

اُن میں سے بھی کسی کو زندہ نہ پایا۔" (شرح سیرت ج ا صفحہ ۱۰۸ و مدارج النبوۃ جلد ثانی صفحہ ۲۴)۔

ثُوَیبہ کے اسلام کی نسبت محدّثین میں اختلاف ہے۔ شیخ عبد الحق محدّث دہلویؒ مدارج النبوۃ میں فرماتے ہیں "در اسلام ثُوَیبہ اختلاف است بعضے محدثین اُورا از صحابیات شمردہ (صفحہ ۲۴ جلد ثانی)۔ حافظ ابن عبد البرؒ سرے سے قصّہ ہی ختم کر دیتے ہیں۔ کہ اُس نے اسلام کا زمانہ ہی نہیں پایا۔ لیکن یہ درست نہیں۔ کیونکہ آنحضرتؐ کا مدینہ طیبّہ سے اُن کو انعام و پوشاک بھیجنا ثابت ہے۔ جیسا کہ تفصیل سابق و آئندہ سے واضح ہے۔ حافظ ذہبیؒ تجرید اسماء الصّحابہ میں اُسے درج کر کے فرماتے ہیں "یُقَالُ اَسْلَمَتْ یعنی کہا جاتا ہے کہ وہ اسلام لائی"۔ حافظ ابن حجرؒ کا مَیلان بھی اُن کے اسلام لانے کی طرف ہے۔ حافظ صاحب ممدوح نے ابن سعدؒ سے نقل کیا۔ کہ جب آنحضرتؐ مکہ میں تھے۔ تو ثُوَیبہ کے ساتھ انعام و اکرام کا سلوک کرتے تھے، اور حضرت خدیجہؓ نے ابو لہب سے کہا۔ کہ اسے میرے پاس بیچدو۔ لیکن اُس نے نہ مانا۔ جب آنحضرت صلعم

ہجرت کر گئے، تو ابو لہب نے اُسے آزاد کر دیا۔ اور رسُولِ خداؐ اس کو مدینہ سے انعام و پوشاک بھیجا کرتے تھے۔ حتیٰ کہ ۷ھ میں جب آنحضرتؐ خیبر سے واپس آئے، تو خبر پہنچی کہ ثُویبہ فوت ہو گئی، اور اُس کا بیٹا مسروح (جس کے ساتھ آنحضرتؐ نے دُودھ پیا تھا) اُس سے یعنی اپنی والدہ سے قبل فوت ہو گیا تھا۔ اِس کے بعد حافظ صاحبؒ فرماتے ہیں۔ کہ مسروح کے اسلام لانے کی بابت کوئی روایت نہیں ملی۔ لیکن احتمال ہے (اصابہ) امام سیوطیؒ بھی ثویبہ کے اسلام کے بالجزم قائل ہیں۔

۳۔ اُم ایمنؓ نے بھی آنحضرتؐ کو دُودھ پلایا۔ اُم ایمن وہ لونڈی ہے جو آنحضرتؐ کو اپنے والد کی طرف سے قبل نبوت وراثت میں ملی تھی، اور جو آپ کی والدہ کی وفات پا جانے پر آپ کو مقام ابوا سے مکہ شریف تک ہمراہ لائی تھی اُس کا نام برکت تھا۔ آنحضرتؐ اس کی بہت عزت کرتے تھے، چنانچہ حافظ ابن عبد البرؒ نے باسنادِ خود حدیث روایت کی۔ کہ رسُول اللہ صلعم فرماتے تھے، کہ ام ایمنؓ میری ماں کے بعد میری ماں ہے۔

حافظ ابن کثیرؒ نے اپنی تاریخ "البدایۃ والنہایۃ" میں لکھا ہے کہ جب آنحضرت صلعم بڑے ہوئے تو آپ نے اُم ایمنؓ کو آزاد کر دیا اور اپنے مولیٰ (اور متبنّٰی) زید بن حارثہؓ سے اُن کا نکاح کر دیا۔ پس اُن سے اُسامہ بن زید (حِبّ رسول اللہ صلعم) پیدا ہوئے۔

حضرت اُمّ ایمنؓ کا نام برکت تھا۔ اور تھیں بھی با برکت اور مقبولِ درگاہِ الٰہی۔ چنانچہ حافظ ابن حجرؒ نے اصابہ میں ابن سعدؒ سے نقل کیا کہ جب حضرت ام ایمنؓ نے مدینہ شریف کی طرف ہجرت کی تو بہ روزہ سے تھیں۔ رستہ میں سخت پیاس لگی۔ ان کا بیان ہے کہ آسمان کی طرف سے ایک ڈول جس میں نہایت شفاف و سفید پانی تھا اُترا میں نے اُسے خوب سیر ہو کر پیا۔ اس کے بعد مجھے کبھی پیاس کی تکلیف نہیں ہوئی حالانکہ میں سخت گرمیوں میں روزے رکھتی تھی[1]۔ (اصابہ)

---

[1] حضرت ثویبہؓ و حضرت ام ایمنؓ کے حالات مندرجہ اصابہ۔ استیعاب۔ مدارج النبوۃ اور تاریخ حافظ ابن کثیر سے لئے گئے ہیں ۱۲ منہ

۴۔ حلیمہ سعدیہ رضؓ

شرفائے مکّہ میں دستور تھا کہ بچّے کی ولادت کے چند روز بعد اُسے دُودھ کے لیئے کسی بدوی عورت کے سپرد کر دیا جاتا تھا۔ امام سہیلیؒ اس کی ایک وجہ یہ بتاتے ہیں:-

"تاکہ بچّہ بدوؤں میں پلے، اور اُس کی زبان فصیح ہو، اور جسم مضبُوط ہو اور اس لائق ہو کہ مَعَدّی ہیئت[1] کو نہ چھوڑے جیسا کہ حضرت عمرؓ فرمایا کرتے تھے تَمَعْدَدُوْا وَتَمَعْزَزُوْا وَاخْشَوْشِنُوْا یعنی معد بن عدنان کی سی سادگی اور بھیڑ کا سا صبر اختیار کرو اور موٹا لباس پہنو[2]"

دیہاتی اور جنگلی زندگی نشو و نما کی خوبی۔ مزاج کی صحت اور بدن کی توانائی کے لیئے جیسی مفید ہے، اس کے لیئے کسی مزید توضیح کی ضرورت

---

[1] معد بن عدنان آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے اوپر کے اجداد میں سے ہیں۔ بہت قوی۔ اور بہادر آدمی تھے۔ اور سادہ زندگی بسر کرتے تھے۔ ان کا ذکر سابقاً آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے آباؤ اجداد کے ذکر میں صفحہ۱۷ پر گذر چکا ہے ۱۲

[2] الروض الانف جلد اول صفحہ ۱۰۹ - ۱۲ منہ

نہیں، اور بدوی لوگوں کی زبان فصیح ہونے کی وجہ یہ ہے کہ اُن میں دیگر لوگوں کا اختلاط نہیں ہوتا۔ تو اُن کی مادری زبان خالص رہتی ہے۔

اس دستور کے مطابق آنحضرتؐ کی سعادت قبیلہ بنی سعد کی خاتون حلیمہ سعدیہ کو نصیب ہوئی یہ نیک خاتون بنو سعد کے شریف گھرانے سے تھی۔ اور اخلاق و خصائل میں اسم با مسمّٰی تھی۔ شیخ عبد الحق محدّث دہلویؒ فرماتے ہیں:۔

"آنحضرتؐ کی رضاعت کی سعادت (حاصل کرنے) میں جو عورت مشہور و معروف اور مخصوص و ممتاز ہے، وہ حلیمہ سعدیہ ہے جو اپنے نام (حلیمہ) اور نسبت (سعدیہ) کی طرح حلم و وقار اور سعادت سے موصوف تھی"[1]

امام سہیلیؒ شرح سیرت ابن ہشامؒ میں فرماتے ہیں:۔

"حلیمہ بنی سعد کی شریف اور اپنی قوم کی با عزت خواتین سے تھی[2]۔ قبیلہ بنو سعد کی فصاحتِ زبان بھی مسلّم تھی، خود آنحضرتؐ مکی اور قریشی تھے،

[1] مدارج النبوۃ جلد ثانی صفحہ ۲۴ - ۱۲ منہ [2] جلد اول صفحہ ۱۰۹ ۱۲ منہ

مکیوں کی خصوصاً قریشیوں کی زبان منجھی ہوئی تھی، خدائے تعالےٰ کو منظور تھا۔ کہ میرا حبیب فصاحتِ زبان میں بھی یکتائے زمانہ رہے، اس لئے قریشیوں میں پیدا کرنے کے بعد بنی سعد میں آپ کی تربیت کرائی کہ شجاعت اور فصاحت ہر دو میں آپ کا کمال کمال کو پہنچ جائے، جیسا کہ آنحضرتؐ نے حضرت ابوبکرؓ سے فرمایا تھا۔ جب انہوں نے آپ سے عرض کیا مَا رَاَیْتُ اَفْصَحَ مِنْكَ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ (صلعم) فَقَالَ وَمَا یَمْنَعُنِیْ وَ اَنَا مِنْ قُرَیْشٍ وَ اُرْضِعْتُ فِیْ بَنِیْ سَعْدٍ[1] یعنی حضورؐ! میں نے آپ سے زیادہ فصیح کسی کو نہیں دیکھا۔ تو آپ نے فرمایا ایسا کیوں نہ ہو۔ میں قریشیوں میں سے ہوں اور میری رضاعت (و تربیت) بنی سعد میں ہوئی ہے۔

غرض آنحضرتؐ کامل دو سال تک حضرت حلیمہ کے دودھ پر رہے۔ اُن کا بیان ہے کہ آپ کا نشو و نما اتنا جلد ہوتا تھا کہ دوسرے لڑکے اتنا نہیں بڑھتے تھے، جب آپ کی رضاعت کے دو سال پورے ہو گئے۔ تو میں نے آپ کا دودھ

---

[1] شرح سیرت ابن ہشام للسہیلی جلد اول صفحہ ۱۰۹ ۱۲ منہ

چھوڑا دیا اور آپ کو آپ کی والدہ کے پاس لے آئی۔ لیکن ہمارا دل چاہتا تھا۔کہ کچھ مُدت اور آپ ہمارے پاس رہیں۔کیونکہ ہم ہمیشہ آپ کی وجہ سے خدائے تعالےٰ کی طرف سے خیر و برکت دیکھتے رہتے تھے' میں نے آپ کی والدہ سے کہا کہ آپ میرے بیٹے کو کچھ مُدّت اَور میرے پاس رہنے دیں۔تاکہ آپ توانا و مضبوط ہو جائیں اور مجھے مکّہ شریف کی وبا کا بھی خطرہ ہے۔جو آجکل پھیلی ہوئی ہے۔ آپ کی والدہ ماجدہ نے ہماری درخواست منظور فرمائی۔ اور ہم بکمالِ مسرت آپ کو ساتھ لیکر وطن کو لوٹے۔

غرض حضرت حلیمہ کو دوسری بار آنحضرت ؐ کی حضانت[1] و تربیت کی سعادت حاصل ہوئی۔ اِسی دفعہ واقعۂ شقِ صدر ہوا جس کی تفصیل سیرت کی کتابوں میں مفصّل مذکور ہے اِس واقعہ سے

---

[1] حضانت مصدر کے معنے ہیں۔ بچّہ کو گود میں اُٹھانا اور کھلانا دایہ گری کرنا۔ حاضِنہ دایہ۔ بچّے کو کھلانے والی۔ چونکہ آپ کی مدت رضاعت ختم ہو چکی تھی۔ اس لئے اس کے بعد بھی حضرت حلیمہ بطور حاضنہ آپ کی خدمت کی سعادت باقی رہی' ۱۲ منہ

حضرت حلیمہ کے دل میں ڈر پیدا ہوا۔ کہ مبادا یہ کوئی آسیبی اثر ہو۔ چنانچہ وہ پھر آپ کو آپ کی والدہ کے پاس لے آئیں۔ اور ساری سرگذشت کہہ سنائی۔ حضرت آمنہ نے فرمایا یہ اندیشہ کی بات نہیں میرے اس بچے پر شیطانی تغلب و تسلط نہیں ہو سکتا۔ میں ایام حمل میں کئی ایک عجیب امور دیکھ چکی ہوں۔ چنانچہ دایۂ حلیمہ اب تیسری بار آنحضرتؐ کو اپنے ہاں لے آئی۔[1]

[1] تعجب ہے کہ یہ واقعہ سیرت کی قریباً سب کتابوں میں منقول ہے اور صحیح مسلم میں بصحتِ سند مذکور ہے پھر بھی مولانا شبلی مرحوم نے اسے بالکل نظر انداز کر دیا ہے اور اس سے زیادہ تعجب قاضی سلیمان صاحب مرحوم پر ہے کہ اُنہوں نے بھی اسے کتاب رحمۃ للعالمین میں درج نہیں فرمایا امام سہیلیؒ نے جس طریق پر اس کی توضیح کی ہے اُس سے سب خدشات دُور ہو سکتے ہیں۔ ڈاکٹر (سرجن) عمل جراحی سے نازک سے نازک عضو کا اپریشن بلا کھٹکا کرتے ہیں، اور مصفی ادویہ سے اُس عضو کو پاک صاف کر دیتے ہیں، جسے آپ اپنی آنکھوں دیکھتے ہیں اور سننے پر بھی شک نہیں کرتے حالانکہ ڈاکٹر و جراح نتیجہ اور مؤثر ادویہ کی تاثیروں کے مالک نہیں ہوتے۔ لیکن اگر خدائے تعالےٰ جو ہر شے کا مالک ہے اپنے فرشتوں کو ارادۂ خصوصی سے فرمائے کہ میرے حبیب کے دل کا اپریشن کر کے اسے نورِ معرفت و حکمت سے بھر دو (باقی بر صفحہ ۱۶۹)

اِس دفعہ کوئی تین سال تک حضرت حلیمہؓ آنحضرتؐ کی خدمتِ حضانت سے بہرہ اندوز ہوتی رہیں۔ تین بار کی مجموعی مُدّت پانچ سال اور کچھ اوپر کے بعد آپ کو واپس مکّہ شریف میں لے آئیں۔ تاکہ یہ گراں بہا امانت صاحبِ امانت کو سونپیں۔

آنحضرتؐ کا رستہ میں گم ہوجانا

جب حضرت حلیمہؓ مکہ شریف کے قریب پہنچیں تو اُن کو حاجت ہوئی۔ آنحضرتؐ کو بٹھا کر خود ذرہ فاصلہ پر قضائے حاجت کے لیئے گئیں واپس آئیں۔ تو آنحضرتؐ اُس جگہ نہ تھے، بہت گھبرائیں وَا محمداہ وَاولداہ کے نعرے مارے اور ٹھنڈے سانس بھرنے لگیں بہتیرا اِدھر اُدھر دوڑیں اور تلاش کی لیکن پتہ نہ پایا۔ آخر شہر میں آکر آپ کے جدِّ امجد کو سارا ماجرا کہہ سُنایا۔ عبد المطلب خانہ کعبہ میں آئے اور خدائے واحد کی درگاہ میں دُعا کی کہ الٰہی! میرا بیٹا مِل جائے[1]۔ آخر ورقہ بن نوفل اور ایک اور

(بقیہ ۱۶۸ کا حاشیہ) تاکہ وہ جُملہ اخلاقی اور اعتقادی آلائشوں سے پاک وصاف رہے۔ تو آپ کو اِس میں کیوں تردد واقع ہو۔ اللھم ارزقنا یقیناً صادقاً ۱۲ منہ

[1] عبد المطلب مستجاب الدعوات تھے دیکھو سابقاً آنحضرتؐ کے آباؤ اجداد کے ذکر میں عبد المطلب کا ذکر صفحہ ۵۷ ۱۲ منہ

قریشی شخص آپ کے دادا کے پاس لے آئے۔ بعض مفسرین کا قول ہے۔ کہ آیت وَوَجَدَکَ ضَالًّا فَهَدٰی میں اسی گم ہونے اور پھر گھر میں پہنچا دینے کا ذکر ہے[1] ورنہ انبیاء علیہم السلام ضلالتِ معنوی و دینی سے فطرۃً معصوم ہوتے ہیں۔

شیخ عبد الحق صاحب نے اس واقعہ کو بتفصیل دیگر ذکر کر کے لکھا ہے:۔

"عبد المطلب نے آپ کو مکہ میں لا کر اس خوشی میں بہت سا سونا اور کثیر التعداد اونٹ صدقہ میں دیئے اور دایہ حلیمہ کو کئی قسم کے انعام و اکرام دے کر اُس کے قبیلہ بنی سعد میں واپس بھیج دیا[2]۔"

حضرت حلیمہؓ کا اسلام اور آنحضرتؐ کے نزدیک اُن کا اکرام

۱۔ امام سیوطیؒ نے نقل کیا کہ آنحضرتؐ کو جس جس بی بی نے دودھ پلایا وہ اسلام لے آئی[3]۔

۲۔ امام ابن قیمؒ نے کہا کہ آپ کے رضاعی ماں باپ

[1] سیرت ابن ہشام میں یہ واقعہ بالتفصیل مذکور ہے اور تفسیر معالم میں سورۃ والضحیٰ کی تفسیر میں ابو الضحیٰ کی روایت سے حضرت ابن عباسؓ سے مختصراً نقل کیا ہے لیکن اس میں ابو جہل کا آپ کو ساتھ لانا مذکور ہے، ورنہ

(باقی صفحہ ۱۶۱ پر)

کے اسلام لانے میں اختلاف ہے اور اللہ بہتر جانتا ہے۔[1]

۳۔ حافظ ذہبیؒ نے حضرت حلیمہ کا نام تجرید اسماء الصحابہ میں درج کیا ہے، لیکن کہا ہے، کہ اِن کے اسلام لانے کے متعلق کچھ بھی مذکور نہیں مگر وہی جو مقام جُعِرّانہ پر گوشت تقسیم کرنے والی روایت میں مذکور ہے۔

۴۔ حافظ ابن عبد البرؒ نے بھی استیعاب میں اِن کا نام فہرستِ صحابیات میں شمار کیا ہے۔ اور وُہی یومِ حُنین والی مذکورہ بالا روایت ذکر کی ہے اور کہا ہے:
"اُس (حلیمہؓ) نے آنحضرتؐ سے روایت کی ہے اور اُس (حلیمہؓ) سے عبد اللہ بن جعفرؓ نے روایت کی ہے۔ پھر کہا ہے رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُمْ یعنی خدا اِن سب سے راضی ہوئے۔"[2]

یہ باتیں مُشعر ہیں کہ حافظ ابن عبد البر کے نزدیک اُن کا اسلام ثابت ہے۔ ورنہ اُن کی روایت کا ذکر

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۷۰) بن نوفل کے ساتھ جو دُوسرا قریشی شخص مذکور ہے شاید وہ ابو جہل ہی ہو واللہ اعلم ولنعم ما قیل "عدو شود سبب خیر گر خدا خواہد"۔ جیسا کہ موسیٰؑ کی تربیت فرعون کے گھر میں کروائی ۱۲ منہ

[1] مدارج النبوة جلد ۲ صفحہ ۳۰ مسالک الحنفاء صفحہ ۴۴ زاد المعاد ج ۱ صفحہ ۱۹ [2] استیعاب ج ۲ صفحہ ۱۴ ذکر حلیمہ ۱۲ منہ

نہ کرتے اور اُن کو حضرت عبد اللہؓ اور جعفرؓ کے ساتھ دُعائے رضوان میں داخل نہ کرتے۔

مولانا شبلیؒ نے دُوسروں کی نسبت مفصل لکھا ہے چنانچہ فرماتے ہیں:-

"ابنِ کثیر نے لکھا ہے۔ کہ حلیمہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی نبوت سے پہلے وفات کر گئیں۔ لیکن یہ صحیح نہیں ہے۔ ابنؒ ابی خیثمہؒ نے تاریخ میں، ابنؒ جوزیؒ نے حدا میں، منذریؒ نے مختصر سننِ ابی داؤد میں، ابنؒ حجرؒ نے اصابہ میں اِن کے اسلام لانے کی تصریح کی ہے حافظؒ مغلطائیؒ نے اُن کے اسلام پر ایک مستقل رسالہ لکھا ہے۔ جس کا نام التحفة الجسیمہ فی اسلام حلیمہ ہے[1]۔"

آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم حضرت حلیمہؓ کی نہایت عزّت کرتے تھے اور آپ کو اُن سے اور اُن کی اولاد سے بغایت محبّت تھی۔ کیوں نہ ہو دوؔ سال تک اُن کا دُودھ پیا بعد ازاں تین سال تک اُن کی گود اور نگہبانی میں پرورش پائی۔ بچپن

[1] سیرت النبی طبع اوّل ج ۱ صفحہ ۱۲۲ - ۱۲ منہ

کے زمانہ میں جو عمر کا بہترین زمانہ ہے اُن کی اولاد میں بود و باش رہی اِس کے بڑے لڑکے لڑکیاں آپ کو کھلاتے اور اُٹھاتے رہے، نیک سرشت اور حُسنِ مروت ہر دو کا تقاضا تھا۔ کہ حضرت حلیمہؓ اور اُن کی اولاد کی اَحسن خدمات کی قدر کی جاتی، چنانچہ امام سہیلیؒ فرماتے ہیں :-

"حضرت حلیمہؓ کا آپؐ کو آپؐ کی والدہ کے پاس لانا پانچ سال اور ایک ماہ کی عمر میں تھا۔ جیسا کہ حافظ ابو عمرؒ (ابن عبد البرؒ) نے ذکر کیا۔ پھر اس کے بعد حضرت حلیمہؓ نے آپؐ کو سوائے دو دفعہ کے نہیں دیکھا۔ ایک دفعہ حضرت خدیجہؓ سے نکاح کرنے کے بعد وہ آئیں اور آپؐ سے خشک سالی کی شکایت کی۔ اور کہا کہ ساری قوم قحط سے مصیبت زدہ ہو رہی ہے، آپؐ نے حضرت خدیجہؓ سے کہا۔ تو اُنھوں نے بیس راس بکریاں اور جوان اونٹ دیئے دوسری دفعہ یوم حُنین میں آئیں جس کا ذکر انشاء اللہ عنقریب آئے گا۔"[1]

یوم حُنین والی روایت یوں ہے۔ کہ حلیمہؓ بنت

[1] شرح سیرت ابن ہشام جلد ۱ صفحہ ۱۱۱ -

عبد اللہ جو آنحضرتؐ کی رضاعی ماں تھی حُنین کے دن آنحضرتؐ کے پاس آئی۔ اور آپ کے پاس کھڑی ہو گئی۔ آپ نے اس کے لئے اپنی چادر بچھادی اور وہ اُس پر بیٹھ گئی[1]

حافظ ابن حجرؒ نے اِصابہ میں لکھا ہے کہ امام اَبُو داؤد اور اَبُو یعلیٰ اور اُن کے سوا (بعض دیگر محدّثین) نے عمارہ بن ثوبان کے طریق سے حضرت ابو الطفیل (صحابیؓ) سے روایت کیا۔ کہ آنحضرتؐ مقامِ جِعِرّانہ پر گوشت تقسیم کر رہے تھے۔ کہ ایک بدوِی خاتون آئی۔ جب وہ آنحضرتؐ کے قریب آئی تو آپؐ نے اُس کے لئے اپنی چادر بچھادی اور وہ اُس پر بیٹھ گئی، مَیں نے کہا یہ کون ہے؟ لوگوں نے کہا یہ آنحضرت صلعم کی ماں ہے۔ جس نے آپ کو دُودھ پلایا تھا۔

حضرت حلیمہؓ کے خاوند کا اِسلام

امام سہیلیؒ نے شرح سیرت ابن ہشام میں کہا کہ ابن ہشام نے حارث بن عبد العزّیٰ آنحضرتؐ کے رضاعی باپ

[1] استیعاب جلد ۲ صفحہ ۱۲-۷۱۴ منہ

کا ذکر تو کیا ہے۔ لیکن اُس کے اسلام کا ذکر نہیں کیا۔ اور دیگر کئی ایک نے جنہوں نے صحابہؓ کے احوال میں تصانیف لکھی ہیں ذکر نہیں کیا۔ لیکن یونس بن بکیر نے اسحٰق بن یسار سے نقل کیا۔ کہ اُنہوں نے بنی سعد کے کئی ایک آدمیوں سے روایت کیا۔ کہ آنحضرتؐ کے رضاعی باپ حارث بن عبدالعزیٰ رسولؐ اللہ کے پاس مکہ میں آئے جبکہ آپ پر قرآن شریف اترتا تھا۔ تو قریش نے اُن سے کہا کہ اے حارث کیا تُو نے سُنا ہے۔ کہ تیرا بیٹا یہ کہتا ہے کہ تم موت کے بعد اُٹھائے جاؤ گے۔ اور اللہ کا ایک گھر عاصیوں کے عذاب کا ہے اور ایک گھر فرمانبرداروں کے لئے ثواب کا ہے۔ اُس نے ہمیں پریشان کر دیا ہے۔ اور ہماری جماعت کو پراگندہ کر دیا ہے۔ حارث آنحضرتؐ کے پاس آئے۔ آپ نے کہا ہاں یہ درست ہے۔ اِس پر وہ اسلام لے آئے اور اُن کا اسلام عمدہ ہوا۔

۲۔ حافظ ذہبی فرماتے ہیں:۔ اَدْرَکَ الْاِسْلَامَ وَاَسْلَمَ بِمَکَّۃَ یعنی انہوں نے اسلام کا زمانہ

پایا اور مکہ میں اسلام لائے۔ اِس کے بعد اسی مذکورہ بالا روایت کا حوالہ دیا ہے۔

۳۔ اِسی طرح حافظ ابن حجرؒ نے اِصابہ میں اُن کو صحابہؓ میں شمار کیا ہے اور سہیلیؒ والی مذکورہ بالا روایت کا مفصّل ذکر کیا ہے۔

حضرت حلیمہؓ کی اَولاد اور اُن کا اِسلام

مولانا شبلی مرحوم نے فرمایا:۔

"آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے چار رضاعی بھائی بہن تھے جن کے نام یہ ہیں۔ عبداللہ۔ انیسہؓ۔ حُذیفہ اور حذافہ جو شیما کے نام سے مشہور تھیں۔ اُن میں سے عبداللہ اور شیما کا اسلام ثابت ہے باقیوں کا حال معلوم نہیں[1]"

عبداللہ کو حافظ ابن حجرؒ نے صحابہؓ میں شمار کیا ہے[2] اور ان کا ذکر اِن کے والد حارث کے ترجمہ میں بھی کیا ہے[3]۔

---

[1] سیرت النبیؐ جلد ۱ صفحہ ۱۲۶ طبع اوّل ۱۲ منہ [2] اصابہ جلد ۴ بقیہ جزثانی صفحہ ۱۴۳، مطبوعہ کلکتہ ۱۲ منہ [3] اصابہ جلد ۲ صفحہ ۵۷۷ ۱۲ منہ

شیماؑ کو حافظ ذہبیؒ نے صحابیات میں شمار کیا ہے اور کہا ہے :-

" آنحضرتؐ کی رضاعی بہین ہیں۔ اور آپ کو اپنی ماں کے ساتھ پرورش کرتی تھیں۔ اسلام لائیں[1]"۔

حافظ ابن عبد البرؒ اور حافظ ابن حجرؒ نے اِن کا ذکر کسی قدر تفصیل سے کیا ہے۔ حافظ ابن عبد البرؒ فرماتے ہیں :-

"رسُول اللہ صلے اللہ علیہ و آلہٖ وسلم کے (فوجی) رسالے نے چڑھائی کی۔ تو جو لوگ قید میں آئے یہ بھی اُن میں تھی۔ اِس نے کہا میں تمہارے صاحب کی بہین ہوں۔ جب اُسے آنحضرتؐ کے حضور میں لائے۔ تو اُس نے کہا۔ یا محمدؐ میں آپ کی بہین ہوں۔ اور آپ کو ایک نشانی سے پہچنوایا۔ جسے آپ نے پہچان لیا اور اُسے مرحبا کہا۔ اور اُس کے لئے اپنی چادر بچھائی اور اُسے اُس کے اُوپر بٹھایا۔ آپؐ کی آنکھوں سے آنسو نکل پڑے اور فرمایا کہ اگر تم چاہو تو میرے پاس عزت و شفقت سے اقامت کرو اور اگر اپنی قوم کے پاس واپس جانا چاہو تو تم کو پہنچادوں

---

[1] تجرید باب النساء ۱۲ منہ

اُس نے کہا: "میں اپنی قوم کے پاس جانا چاہتی ہوں۔" پس وہ اسلام لے آئی۔ اور آنحضرتؐ نے اُسے تین غلام اور ایک لونڈی اور کچھ اونٹ اور کچھ بکریاں عطا کیں[1]۔"

حافظ ابن حجرؒ نے محمدؐ بن معلّیٰ ازدی کی کتاب الترقیص[2] سے نقل کیا کہ شیماء آنحضرتؐ کو بچپن میں کھلانے کے وقت ہاتھوں پر اُٹھاتی اور اُچھالتی تھی۔ اور کہتی تھی:

يَا رَبَّنَا أَبْقِ لَنَا مُحَمَّدَا ‏ حَتَّىٰ أَرَاهُ يَافِعًا وَ أَمْرَدَا
ثُمَّ أَرَاهُ سَيِّدًا وَّ مُسَوَّدَا ‏ وَاكْبِتْ أَعَادِيَهُ مَعًا وَالْحُسَّدَا
وَأَعْطِهِ عِزًّا يَدُوْمُ أَبَدَا

"یعنی اے ہمارے پروردگار ہمارے لئے ہمارے محمدؐ کو زندہ رکھ۔ حتّٰی کہ میں اُسے جوان دیکھوں پھر میں اُسے سرداری کی حالت میں دیکھوں۔ اور اُس کے دشمن اور حاسد اوندھے مُنہ گرے ہوں اور اُسے ایسی عزت دے جو ہمیشہ رہے۔"

اِس کے بعد کہا کہ ابو عُروہ ازدیؒ جب یہ شعر پڑھتے

---

[1] استیعاب جلد ۲ صفحہ ۷۴۱، ذکر شیماء نیز اصابہ جلد ۸ صفحہ ۲۶۲-۱۲ منہ
[2] ترقیص ماں کا بچّے کو کھلانے کے لئے ہاتھوں پر اُٹھا کر اُچھالنا ۱۲ (از صراح و لسان العرب)۔

تو کہتے یہ کیا ہی عمدہ ہے کہ خدائیتعالےٰ نے اُن کی دُعا قبول کر لی[1]

" سبحان اللہ۔ شیما نے اپنی معصوم عمر کے زمانے میں خلوص دل اور محبت قلبی سے خدا کے حبیب کے لئے جو جو دُعا کی وہ حرف بہ حرف پُوری ہو گئی۔ اور اس نے سب کچھ اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا۔

(۱) آنحضرتؐ ۶۳ سال کی عمر تک سلامت با کرامت رہے۔

(۲) شیما نے آپؐ کو سرداری کی حالت میں بھی دیکھ لیا۔ اور آپؐ کے دشمنوں کو ذلیل و خوار ہوتے بھی دیکھ لیا۔ اس کی تفصیل اگلے عنوان کے ذیل میں ملاحظہ فرمائیے۔

آنحضرتؐ کو ہوازن کا لحاظ

اِس وجہ سے کہ آنحضرتؐ نے اِس قبیلہ کی ایک خاتون کا دُودھ پیا ہے اِس کے عوض آپؐ کو سارے قبیلہ کا لحاظ تھا۔ رضاعی ماؤں

[1] اصابہ ذکر شیماء جلد ۸ صفحہ ۲ ۲۶ - ۱۲ منہ

اور بھائی بھتیجوں کے ساتھ آپؐ کا سلوک و محبّت آپ پڑھ چکے ہیں۔ اب اُس قبیلہ سے سلوک کی کیفیت معلوم کیجیئے کہ فتح مکہ کے بعد جب جنگ حُنین ہوئی تو اُس میں ہزاروں مرد و عورت قید میں آئے، اور ہزارہا اونٹ بکریاں اور ہزاروں اُوقیہ چاندی غنیمت میں ہاتھ لگی۔ اُن کے سرگردہ لوگوں کا وفد آنحضرتؐ کے پاس آیا اور اُن کا بولنے والا شخص یُوں گویا ہُوا کہ اِن چھپّروں میں جو قیدی محبُوس ہیں اُن میں آپ کی پھوپھیاں۔ خالائیں اور بھتیجیں بھی ہیں۔ بخدا اگر کسی دیگر سردارِ عرب مثلاً فلاں فلاں نے ہمارا دُودھ پیا ہوتا۔ تو اُس سے ہم کو مہربانی کی اُمّید ہوتی۔ اور آپ سے تو سب سے بڑھ کر توقع ہے۔ آپؐ نے اُن سے کہا کہ مَیں نے کئی روز تک تقسیم غنائم کو تمہاری خاطر ملتوی رکھا لیکن تم نے دیر لگادی۔ حتّٰی کہ مَیں تقسیم کر چکا۔ اچھا اب دو باتوں میں سے ایک لے لو، یا تو اپنے آدمیوں کو آزاد کرالو۔ یا مالِ مویشی لے لو۔ اُنہوں نے کہا[1]

---

[1] یہ سب بیان سیرت ابن ہشام صحیح بخاری ذکر غزوہ حُنین اور تاریخ کبیر حافظ ابن کثیرؒ کے انتخاب کا خلاصہ ہے ۱۲ منہ

ہم آدمیوں کو آزاد کرائیں گے۔ آپ نے لشکر کو جمع کر کے خطبہ سنایا خدا کی تعریف کی۔ پھر فرمایا کہ یہ تمہارے بھائی تائب ہو کر آئے ہیں اور میری رائے ہو گئی ہے کہ اِن کے قیدیوں کو واپس دیدوں۔ پس جو کوئی راضی ہو وہ ایسا کرے اور جو یہ چاہے کہ میں اُسے اُس کے عوض کسی دُوسری غنیمت میں سے دے دوں تو وہ ایسا ہی کرے (لیکن ان کو چھوڑ دے) لوگوں نے کہا ہم راضی ہیں۔ آنحضرتؐ نے سب کو آزاد کر دیا جن کی تعداد عورت۔ مرد اور بچے سب ملا کر چھ ہزار نفوس پر مشتمل تھی۔ اَللّٰھُمَّ صَلِّ وَسَلِّمْ عَلَیْہِ۔ الحمد للہ کہ اُس وفد کے سب لوگ مسلمان ہو گئے۔

حضرت حلیمہؓ کی زبانی آنحضرتؐ کی عادات بچپن میں

بچپن کا زمانہ بے شعوری اور غیر ذمہ داری کا ہوتا ہے۔ لیکن آنحضرتؐ چونکہ خدا کے علم میں پیغمبر ہونے والے تھے، اس لئے خدا تعالےٰ نے آپؐ کے اخلاق و عادات کی حفاظت خصوصی نظر سے کی، چنانچہ

حضرت حلیمہؓ کہتی ہیں کہ بچپن میں آنحضرتؐ کی عادتیں نہایت پاکیزہ و پسندیدہ تھیں۔ نہ آپؐ روتے تھے نہ بدخلقی کرتے تھے۔ نہ کپڑے میں بول و براز کر دیتے تھے جس طرح کہ عام بچوں کی عادت ہے، نہ فضول حرکتیں کرتے تھے نہ لڑکوں میں مل کر (لایعنی) کھیلیں کھیلتے تھے[1]

آنحضرتؐ آغوشِ مادر میں

حضرت حلیمہؓ اپنے فرائض کو نہایت خوش اسلوبی سے پورا کر کے اور پانچ سال سے کچھ اوپر گذار کر آپؐ کو آپؐ کی والدہ مکرمہ کے سپرد کر گئیں اس عرصہ میں آپؐ کی حضانت و خبر گیری آپؐ کی والدہ مکرمہ کے ساتھ وہی اُم ایمنؓ کرتی رہیں جن کا ذکر رضاعی مادروں کے بیان میں ہو چکا ہے۔ اُن کا بیان ہے کہ میں نے کبھی نہیں دیکھا کہ آنحضرتؐ نے کبھی بھوک یا پیاس کی شکایت کی ہو۔ جب صبح ہوتی تو آپؐ ایک دفعہ آبِ زمزم پی لیتے۔ اور پھر رات

---

[1] مدارج النبوۃ جلد ۲ صفحہ ۲۶ و ۲۷ و ۲۸، ۱۲ منہ

تک کچھ بھی طلب نہ کرتے۔ اور بسا اوقات ایسا ہوا
کہ میں نے چاشت کا کھانا (ناشتہ) آپؐ کے سامنے
پیش کیا تو آپؐ نے کہہ دیا کہ مجھے اس کی خواہش
نہیں۔(مدارج النبوۃ جلد ثانی صفحہ ۳۰) ۱۲ منہ

ماں بیٹے کی ملاقات

بی بی آمنہ کی آنکھ کا تارا۔ اور اُن کے افسردہ
دِل کا سہارا۔

بی بی آمنہ نے اپنے پیارے لال کو دیکھ کر سینے
سے لگا لیا۔ آپ کو توانا و تندرست دیکھ کر خوشی
کی حد نہ رہی۔ کبھی آئینہ کی طرح روشن رخساروں
کو چومتیں۔ کبھی قدرتی سرمیلی آنکھوں کا بوسہ لیتیں۔
کبھی ننھا سا پیارا منہ کھول کر سامنے کے موتی
کی چمک والے برّاق دانتوں کو چوم چوم کر دل
کے ارمان نکالتیں۔ اور چاند سا دل کو موہنے
والا مکھڑا دیکھ کر خوش ہوتیں[1]۔ کلیجہ سے

[1] اس میں مبالغہ نہیں ہے۔ صحیح حدیثوں میں حضورؐ کا حلیہ اسی
طرح مذکور ہے۔ ہاں ان باتوں کو واقعہ کی صورت میں بیان کرنا
اس عاجز کا محبانہ تصور ہے۔ جو باوجود نفاست طبع اور ذوقی صفحہ ۱۹۷ ایضاً

لگاتیں۔ چھوڑ دیتیں اور پھر بازو پھیلا کر سینے سے لگا لیتیں۔ بلائیں لیتیں اور قربان ہو ہو جاتیں۔ اور اپنے افسردہ اور مرجھائے ہوئے دل کو تسلی دیتیں

سفرِ مدینہ

الغرض چھٹا سال آنحضرتؐ اپنی مادرِ مہربان کی نظرِ محبت میں رہے۔ اِس کے بعد آپؐ کی والدہ نے سفر مدینہ کی تیاری کی۔ ایک اُونٹ پر آپؐ کی والدہ مکرمہ سوار ہوئیں اور دوسرے پر چھ سالہ شاہِ جہاں مع اُمِّ ایمنؓ کے رونق افروز ہُوا۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۸۳ کا) پیرانہ سالی کے رات کے ایک بجے پر اپنے کمزور دل کے جذباتِ محبت کو صفحۂ قرطاس پر نقش کر رہا ہوں۔ اس میں حضرات ابراہیم و اسمٰعیل علیہما السلام (باپ بیٹے) کی ملاقات جو صحیح بخاری میں مذکور ہے۔ فَصَنَعَا كَمَا يَصْنَعُ الْوَلَدُ بِالْوَالِدِ وَالْوَالِدُ بِالْوَلَدِ کا نقشہ ملحوظ ہے۔ یعنی حضورؐ فرماتے ہیں کہ دو تو باپ بیٹے نے اس طرح کیا جس طرح بیٹا باپ سے اور باپ بیٹے سے کیا کرتا ہے۔ یعنی محبت و پیار اور بوسہ و کنار۔ اَللّٰهُمَّ لَيْسَ لِيْ عَمَلٌ يُقَرِّبُنِيْ اِلَيْكَ غَيْرَ اَنِّيْ اُحِبُّ حَبِيْبَكَ فَاِنْ تَقَبَّلْتَ فَهُوَ فَضْلُكَ۔ ۱۲ منہ

یہ سفر کیوں ہوا؟

مولٰنا شبلیؒ نے باتباعِ بعض مؤرخین لکھا ہے :۔ "میرے نزدیک بعض مؤرخین کا یہ بیان صحیح ہے کہ حضرت آمنہ اپنے شوہر کی قبر کی زیارت کے لیئے گئی تھیں۔ جو مدینہ میں مدفون تھے" (سیرت النبیؐ جلد ۱ طبع اوّل صفحہ ۱۲۷)

یہ عاجز اس کی تائید میں کہتا ہے کہ حضرت آمنہؓ کے لئے سفر مدینہ کا مناسب زمانہ یہی تھا. اوّل اس وجہ سے کہ جبتک آنحضرتؐ مکمل طور پر حضرت آمنہ کے پاس نہ آجائیں اور اتنے لمبے سفر کے لائق نہ ہوجائیں اور اپنے والد مکرم کی قبر کی شناخت کے قابل نہ ہوجائیں یہ سفر مناسب نہیں تھا۔ دوم اس وجہ سے کہ خدا کے علم میں اِس زمانہ میں حضرت آمنہ خاتونؓ کی عمر اتنی ہی باقی تھی کہ وہ حضرت عبد اللہ کی نشانی اور اپنی آنکھ کے تارے اور اپنے کلیجے کی ٹھنڈک (صلے اللہ علیہ و آلہٖ وسلم) کو ساتھ لیکر اپنے مرحوم شوہر اور آپؐ کے مرحوم باپ کی قبر کی زیارت کرسکیں اس لئے خدائے تعالٰے نے جس کے سب کام

با مصلحت اور مناسب وقت پر مقدر ہیں۔ ایسی تقریب پیدا کی۔

مدینہ سے واپسی اور رستے میں حضورؐ کی والدہ کی وفات سنہ ۶ ولادت

[illegible]ینہ شریف میں ایک مہینہ قیام کر کے آپ [illegible] اپنے لال اور ام ایمن خادمہ کے مکہ شریف کو واپس لوٹیں۔ آپ رستے میں بیمار ہوگئیں اور مقام ابواء پر اپنے معصوم اور پیارے بچے کو حسرت بھری نگاہوں سے دیکھتے دیکھتے ہمیشہ کے لئے سوگئیں۔ اور وہیں دفن کردی گئیں۔ [illegible]نا للہ۔

مدینہ میں کہاں ٹھہریں؟

آنحضرتؐ کے دادا عبد المطلب کی والدہ سلمٰی بنت عمرو مدینہ کے خاندان بنی عدی بن نجار سے تھیں۔ عبد المطلب یہیں پیدا ہوئے تھے۔ اور آٹھ سال کی عمر تک ننہال میں پرورش پاتے رہے تھے، بس اسی رشتے کی وجہ سے حضرت آمنہؓ بنی نجار میں ٹھہریں۔ ایک مہینے کے بعد واپس

لوٹیں تو رستے میں فوت ہوگئیں۔ جیسا کہ اوپر گذر چکا۔

قیام مدینہ کی یادداشت

مولانا شبلی مرحوم فرماتے ہیں :-

"رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو قیام مدینہ کی بہت سی باتیں یاد رہ گئی تھیں جب آپؐ قیام مدینہ کے زمانہ میں ایک دفعہ بنو عدی کے منازل پر گذرے تو فرمایا کہ اسی مکان میں میری والدہ ٹھہری تھیں۔ یہی وہ تالاب ہے جس میں میں نے تیرنا سیکھا تھا" الخ (صفحہ ۱۲۷)

آنحضرتؐ اپنے دادا کی کفالت میں

جب آنحضرتؐ کی مہربان مادر رستے میں فوت ہوگئیں۔ تو اُمّ ایمن جو آپ کی رضاعی ماں اور حاضنہ (کھلانے والی دایہ) بھی تھیں اور رفیقِ سفر تھیں آپؐ کو ہمراہ لیکر مکہ میں آئیں اور آپؐ کے دادا عبد المطلب کے سپرد کیا۔ اب آنحضرتؐ بے باپ ہونے کے ساتھ بے ماں بھی ہو گئے' وہ مالک الملک بے نیاز ہے اُس کی حکمتیں ہماری سمجھ سے بالاتر ہیں۔ ے

ہزاروں حکیم اور لاکھوں سیانے
خدا کی باتیں خدا ہی جانے!

سیرت ابن ہشام میں لکھا ہے۔کہ عبد المطلب کے لئے دیوارِ کعبہ کے سایہ میں مسند بچھائی جاتی تھی اور اُن کے سب بیٹے اس مسند کے گرد بیٹھتے تھے۔لیکن اُن میں سے کوئی بھی باپ کی تعظیم کے خیال سے اُس مسند کے اوپر نہیں بیٹھتا تھا۔عبد المطلب آتے تو وہ خود اس مسند پر بیٹھتے آنحضرتؐ جو اُس وقت بچے تھے۔آتے تو اُس مسند پر بیٹھ جاتے، آپؐ کے چچا آپؐ کو اُٹھا کر اُس مسند سے پیچھے کرنا چاہتے تو عبدالمطلب فرماتے دَعُوا ابْنِیْ فَوَاللّٰہِ اِنَّ لَہٗ لَشَانًا یعنے میرے بیٹے کو چھوڑ دو خدا کی قسم اس کی بڑی شان ہونے والی ہے۔ پھر آپ کو اپنے ساتھ بٹھا کر آپ کی پُشت مبارک پر ہاتھ پھیرتے۔اور جو کچھ آپ کرتے اُسے دیکھ دیکھ کر خوش ہوتے[1]۔

شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ لکھتے ہیں:۔

[1] ابن ہشام بہامش الروض الانف جلد ۱ صفحہ ۱۱۳ نیز تاریخ حافظ ابن کثیر جلد ۲ صفحہ ۲۸۱ - ۱۲ منہ

"حضرت آمنہؓ کی وفات کے بعد آنحضرتؐ کی تربیت کے کفیل آپؐ کے جد امجد عبد المطلب ہوئے۔ آپ اُن کو تمام فرزندوں سے زیادہ پیارے تھے اور وہ آپؐ کو بہت ہی عزت و احترام سے رکھتے تھے۔ آپؐ کے بغیر کھانے کا دستر خوان نہیں بچھاتے تھے۔ اور آنحضرتؐ خلوت و جلوت کے تمام اوقات میں عبد المطلب کے پاس آتے تھے اور اُن کی مسند پر بیٹھ جاتے تھے"[۱] الخ

عبد المطلب کی وفات اور آنحضرتؐ ابو طالب کی کفالت میں

خدا کی بے نیازی کہ مہربان دادا کو بھی دل کی ہوس نکالنے کی مہلت نہ ملی چنانچہ وہ بھی دو سال کے بعد فوت ہو گئے۔

آنحضرتؐ کا والد اپنے باپ کو سب سے بڑھ کر پیارا تھا اور وہ عین جوانی کے عالم میں بوڑھے باپ کو داغِ جدائی دے گیا تھا۔ اس لئے عبد المطلب کی ساری نظر مہر اپنے یتیم پوتے پر آ ٹھہری تھی، اُس نے اپنے مرنے کے وقت اپنے بیٹے یعنی

---

[۱] مدارج النبوۃ جلد ۲ صفحہ ۲۱ - ۲۲ منہ

ابو طالب کو آپ کی پرورش کے متعلق نہایت تاکیدی وصیت کی، ابو طالب نے یتیم بھتیجے کی پرورش میں باپ کی وصیت پر پورا پورا عمل کیا اور آپ کی حُسن تربیت میں کوئی بھی دقیقہ باقی نہ رکھا۔ چنانچہ طامس کارلائل ہیرو اینڈ ہیرو ورشپ میں لکھتا ہے:۔

"آپ کی پیدائش کے قریب ہی آپ کے والد صاحب کا انتقال ہو گیا تھا۔ اور چھ سال کی عمر میں آپ کی والدہ ماجدہ بھی فوت ہو گئیں، جو حُسنِ صورت اور قدر و منزلت اور فہم و فراست میں مشہور تھیں اب آپؐ اپنے عمر رسیدہ جد امجد کی کفالت میں آئے۔ جن کی عمر سو سال کے قریب تھی۔ آپؐ کے والد عبداللہ سب سے چھوٹے اور چہیتے بیٹے تھے، ان کی صد سالہ عمر کی نظر میں آپؐ اس طرح تھے جیسے مرحوم عبداللہ اپنی تمام خوبیوں کے ساتھ زندہ ہو گئے ہوں، اُن کو چھوٹے یتیم بچے سے گہری محبت تھی، وہ اپنے بیٹوں سے کہا کرتے تھے۔ کہ تم کو اس خوبصورت چھوٹے بچے کی نگہداشت رکھنی چاہیئے۔ اِن کے تمام خاندان میں آپؐ سے بڑھ کر کوئی چیز قیمتی اور قابل قدر نہ تھی۔ عبد المطلب نے اپنی وفات

پر جب کہ آپؐ صرف آٹھ سال کے تھے۔
آپؐ کو سب سے بڑے[1] بیٹے (ابو طالب) کی
کفالت میں دے دیا۔ جو کہ اپنے خاندان کے
سرکردہ تھے۔ اس چچا کے ماتحت جو کہ نہایت
متین اور معقول آدمی تھے، جیسا کہ اُن کی ہر
بات سے معلوم ہوتا ہے۔ آپؐ کی تربیت
بہترین عربی طریق پر کی گئی۔" (صفحہ ۶۸ و ۶۹)

پیغمبر صاحبؐ کے بچپن میں کسی کو کیا معلوم تھا۔
کہ یہ یتیم دنیا کی بزرگ ترین ہستی ثابت ہوگا اور
اس کا نام وَرَفَعْنَا لَكَ ذِكْرَكَ کی بلندی پر دُنیا
جہان میں دوپہر کے سورج سے بھی زیادہ نمایاں
ہوکر چمکے گا۔ اور یوں بھی عربوں میں نوشت وخواند
کا دستور نہایت قلیل تھا۔ وہ واقعات کو سفینوں
(کاغذوں) میں نہیں بلکہ سینوں میں ضبط کرتے

---

[1] جس ماں کے بطن سے آنحضرتؐ کے والد عبد اللہ تھے اُن کے بیٹوں میں سب سے بڑے ابو طالب تھے اور سب سے چھوٹے حضرت عبد اللہ تھے ورنہ عبد المطلب کا سب سے بڑا بیٹا حارث تھا جس کے نام پر ان کی کنیت ابو الحارث تھی عبد المطلب کے دس یازدہ بیٹے تھے جو مختلف بیویوں سے تھے ۱۲ منہ

تھے، اس لئے آپؐ کی بچپن و جوانی کے حالات بسند صحیح پوری تفصیل سے بیان کرنے مشکل ہیں، ہاں بعض حالات جو قومی روایتوں سے معلوم ہوئے ہیں، اور اُن کی صحت میں کوئی شک نہیں، اُن کو زیرِ نظر رکھ کر اور اس بات کو سمجھ کر کہ آپؐ کا زمانہ نبوّت اُنہی لوگوں میں ہوا جو عام طور پر قریباً آپؐ کے ہم عمر تھے (خواہ بعض چھوٹے اور بعض بڑے بھی تھے) اور اُن سب کے سامنے آپؐ نے بحکمِ الٰہی اپنی پوزیشن اور ثبوتِ عصمت کو جو نبوّت کے لئے شرطِ اوّلین ہے۔ اِن الفاظ میں پیش کیا فَقَدْ لَبِثْتُ فِيكُمْ عُمُرًا مِّنْ قَبْلِهٖ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ[1] (یونس پ۱۱) اور اس پر کسی نے بھی آپؐ کے کیریکٹر یا اخلاق کے متعلق کسی طرح کی انگشت نمائی کی جرأت نہیں کی، حالانکہ اس آیت کے نزول کے وقت مکہ شریف میں آپؐ سے مخالفین کی عداوت نہایت زور پر تھی، ان

---

[1] یعنی اے پیغمبر! ان منکرین سے کہئے کہ میں اس سے پہلے تمہارے درمیان (کافی) عمر (چالیس برس) رہ چکا ہوں تو کیا تم عقل کو استعمال نہیں کرتے - ۱۲

ہر دو باتوں سے لازماً اس نتیجہ پر پہنچنا پڑتا ہے کہ آپؐ کی جوانی نہایت پاکیزگی اور پرہیز گاری سے گذری۔ سر ولیم میور اپنی مشہور کتاب لائف آف محمدؐ میں لکھتے ہیں :-

"(تمام مصنفین) اس بات پر متفق ہیں کہ محمدؐ کی جوانی راستبازی اور اخلاقی پاکیزگی میں گذری جو کہ اہلِ مکہ میں نادر تھی۔ آپ کی شرم و حیا کی امتیازی طور پر تعریف کی گئی ہے۔" (جلد دوم طبع اول صفحہ ۱۴)۔

اس کے بعد مجلس مسامرہ[1] میں آنحضرتؐ کے شامل نہ ہو سکنے کا واقعہ بیان کرنے کے بعد لکھتے ہیں :-

"یہ محمدؐ کی سیرت کے عین مطابق ہے کہ آپؐ نے اپنے نو عمر دوستوں کی غیر مہذب اور آوارہ عادتوں سے اجتناب کئے رکھا۔ آپؐ کو سلجھا ہوا دماغ، مذاق، کم گوئی اور اپنے خیالات میں محو رہنے کی عادات بخشی گئی تھیں۔ آپؐ اکثر اپنے خیالات میں مستغرق رہتے اور آپؐ کا فارغ وقت غور و فکر اور سوچ

---

[1] مسامرہ یہ کہ عشا کے وقت مکہ میں مجلسیں لگا کر ان میں قصے کہانیاں کہہ کر دل بہلاتے تھے (بلوغ الارب جلد ۳)

بچار میں صرف ہوتا۔ جس کا استعمال ادنٰے درجے کے لوگ لہو ولعب اور ہنگامہ آرائی میں کیا کرتے تھے۔ نوجوانی کی عمر میں آپؐ کی حُسنِ سیرت اور قابلِ احترام اَطوار کے متعلق اگرچہ شہریوں نے تحسین و آفرین کا احساس کیا۔ تاہم کم از کم شہر (مکّہ) کے لوگ آپؐ کو صادق اور امین کے لقب سے پکارتے تھے، اس طرح ابو طالب کے خاندان کی آغوش میں محمدؐ نے معزز اور واجب الاحترام زندگی گوشہ نشینی کی حالت میں خاموشی سے بسر کی۔ (لائف آو محمدؐ۔ از ولیم میور جلد دوم صفحہ ۱۵)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم کی چچی

(حضرت علیؓ کی والدہ فاطمہؓ بنت اسد)

ابو طالب تو آنحضرتؐ کے چچا تھے اُن کی محبّت قدرتی تھی، بیشک اُنہوں نے آنحضرتؐ کو نہایت محبّت سے پالا۔ لیکن ابو طالب کی بیوی صاحبہ بھی آپؐ کی پرورش اور محبّت میں ابو طالب سے کم نہ تھیں، یہ نیک خاتون بنی ہاشم کے خاندان اسد سے تھیں۔ فاطمہ اُن کا نام تھا۔ آنحضرتؐ

کے جد امجد عبد المطلب کے بھائی اسد کی بیٹی تھیں[1] گویا آنحضرتؐ کی ہمجدی تھیں اور آپؐ کی چچی ہونے کے علاوہ رشتہ میں پھپھی بھی تھیں حضرت علیؓ انہی کے بطن بابرکت سے تھے۔ ان کی طبع فیاض اور دل مہر و شفقت والا تھا۔ آنحضرتؐ کی حسن تربیت میں اُس نیک چچی کو بھی بڑا بھاری دخل تھا۔ کیونکہ تجربہ سے معلوم ہے۔ کہ کوئی مرد اپنے رشتے داروں سے جو بھی حسنِ سلوک یا مہمانوں کی خاطر داری اور مدارات کرتا ہے۔ اُس کا دار و مدار زیادہ تر اُس کی نیک بیوی کی حسنِ سیرت اور فیاضیٔ طبع پر ہوتا ہے۔ ورنہ تنگ دل اور چھچھوری عورت، مرد اور اُس کے رشتہ داروں کو ایک دوسرے کے پاس بھی نہیں پھٹکنے دیتی[2]۔

---

[1] اصابہ جلد ہشتم صفحہ ۲۰۴ [2] الحمدللہ کہ میری والدہ ماجدہ بھی نہایت فیاض طبع اور مشفق دل والی تھیں عام غربا و مساکین اور یتامیٰ و بیوگان پر عموماً اور رشتے داروں پر خصوصاً نہایت رحمدل تھیں خواہ وہ ہمارے دادھیال کے رشتے سے ہوں خواہ ننھیال سے سب پر یکساں مہربان تھیں اپنے بچوں اور رشتے داروں میں دودھ مکھن وغیرہ اشیاء میں تمیز نہ تھی۔ دستر خوان پر اپنے بچوں کے ساتھ دوسرے بچے چاہے کتنے بھی آ بیٹھیں کوئی پرواہ نہیں تھی۔ وقت بے وقت جتنے بھی مہمان آجائیں۔ گھبراتیں ہرگز نہ تھیں۔ (باقی صفحہ ۱۹۶ پر)

ابو طالب اگرچہ آنحضرتؐ کے زمانہ نبوّت میں بھی ہر طرح سے آپ کے معاون و مددگار اور کُفّار کی ایذاؤں کے مقابلہ میں آپ کی ڈھال بنے رہے اور وہ خدا کی توحید اور دین اسلام کی خوبیوں کا اقرار بھی کرتے تھے۔ لیکن آنحضرتؐ کی رسالت و نبوّت کے منجانب اللہ ہونے کی شہادت کے اعلان کرنے میں شیعہ سنی میں اختلاف ہے۔ لیکن حضرت فاطمہ ممدوحہؓ یعنی آنحضرتؐ کی چچی مکہ شریف میں ہی صدق دِل سے ایمان لے آئیں پھر مدینہ شریف کی طرف ہجرت بھی کی اور وہیں فوت ہوئیں (رضی اللہ عنہا وارضھا)۔ ان چچی کو آنحضرتؐ سے ماں جیسی محبّت تھی۔ تو آنحضرتؐ کو بھی اُن سے نہایت اُلفت تھی۔ آپؐ اُن کی عزت و محبّت ماں کے برابر کرتے تھے چنانچہ حافظ ابن حجرؒ نے طبقات ابن سعدؒ سے نقل کیا

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۹۵ کا) خدا کا دیا ہوا مال ؛ فرتھا۔ طبع فیاض تھی پھر گھبرانے کی کیا وجہ ؟
مولٰنا مختار احمد صاحب (یادش بخیر) سے حقیقی ماں جیسی محبت تھی۔ اُن میں اور اس عاجز ابراہیم میں فرق نہ جانتی تھیں ۱۳۲۲ھ میں جب میرا پہلا سفر حج ہوا اور اس میں قریباً چھ مہینے لگ گئے، تو میری غیر حاضری میں حضرت مولٰنا مرحوم ان سے تسلّی پکڑتی تھیں۔ میں نے اُن کے بعد کوئی عورت ذات ایسی شفیق و فیاض نہیں دیکھی۔ اللّٰھم اغفرلہا

ہے۔ کہ یہ حضرت فاطمہؓ (زوجہ ابو طالب) ایک صالحہ خاتون تھیں۔ آنحضرتؐ اِن کی زیارت کو جایا کرتے تھے۔ اور ان کے گھر میں (دوپہر کا) قیلولہ کیا کرتے تھے۔ حافظ ابن عبد البرؒ نے استیعاب میں حضرت ابن عباسؓ کی روایت سے لکھا ہے۔[1] کہ جب حضرت علیؓ کی والدہ فوت ہوئیں تو آنحضرتؐ نے اُن کو (کفن کے ساتھ) اپنا کُرتہ (بھی) پہنایا اور (جب قبر میں رکھا گیا تو) آپ قبر میں اُن کے ساتھ لیٹ گئے، لوگوں نے عرض کیا۔ حضورؐ! آج آپ نے جو یہ کیا ہم نے آگے (کسی میّت کے ساتھ) آپ کو کرتے نہیں دیکھا۔ آپ نے فرمایا ابو طالب کے بعد ان سے بڑھ کر میرے ساتھ نیکی کرنے والا کوئی نہیں، میں نے اِن کو اپنا کُرتہ اس لئے پہنایا ہے، کہ اِن کو جنّت کے حُلّے پہنائے جائیں اور (قبر میں) ان کے ساتھ اِس لئے لیٹا ہوں کہ اِن پر (قبر میں) آسانی کی جائے۔[1]

---

[1] استیعاب جلد دوم صفحہ ۷۵۲۔ کُرتا پہنانے اور اُن کے حسن تربیت کا ذکر اصابہ جلد ہشتم صفحہ ۷۳۱ میں بھی ہے۔ ۱۲ منہ

حافظ ابن حجرؒ نے اصابہ میں ذکر کیا کہ حضرت علیؓ نے فرمایا کہ میں نے (اپنی شادی کے بعد) اپنی والدہ (ماجدہ) سے عرض کیا (اماں جی!) آپ (بنتِ رسولِ اللہؐ) کے لئے پانی لانے اور کام کاج کے لئے باہر جانے میں کفایت کریں۔ وہ آپ کے لئے (گھر کے کام کاج) غلہ پیسنے اور آٹا گوندھنے میں کفایت کریں گی[1]۔ گویا آپ نے تقسیمِ کار کے اصول پر جو کام جس عمر کے لائق تھا۔ وہ تجویز کیا۔ وَلِلّٰہِ دَرُّ عَلِیٍّ مَا اَعْقَلَہٗ۔

تنبیہ:۔ ہم نے حضرت علیؓ کی والدہ کا ذکر اس تفصیل سے اس لئے کیا ہے کہ اردو زبان میں سیرت نبویؐ پر جو کتابیں لکھی گئی ہیں، ان میں ان کی خصوصیت اور حسن تربیت کا ذکر نہیں کیا گیا۔ حالانکہ آنحضرتؐ کے قلبِ پاک میں ان کی مہر و محبت اور حسن تربیت و شفقت کا نقش نہایت گہرا تھا۔ پس یہ ایک فرد گذاشت تھی، جسے خدا کے فضل سے پورا کر دیا گیا ہے۔ وَلِلّٰہِ الْحَمْدُ عَلٰی حُسْنِ تَوْفِیْقِہٖ۔

---

[1] اصابہ جلد ہشتم صفحہ ۱۶۱، ۱۲ منہ

پہلا سفر شام

جب آپ کی عمر دس بارہ سال کی ہوئی، تو ابو طالب نے تجارت کے لئے سیریا یعنی ملک شام کے سفر کی تیاری کی قافلہ روانہ ہونے لگا۔ تو آنحضرتؐ کے معصوم دل پر مشفق چچا کی جدائی شاق گذری۔ کیونکہ جس طرح چچا کو یتیم بھتیجے سے محبّت تھی۔ اسی طرح بے ماں باپ بھتیجے کو بھی چچا سے الفت تھی۔ آپؐ چچا سے لپٹ گئے اور ان کے ساتھ جانا چاہا۔ غلبہ محبّت سے ابو طالب کا بھی دل بھر آیا۔ اور وہ آپؐ کو ساتھ لے چلنے پر مجبور ہو گئے ع

مے رَوِی و مے رود جانم بتو

کا معاملہ ہو گیا۔ خیر توکلاً علی اللہ قافلہ یُمن و برکت والے معصوم رفیق کی رفاقت میں روانہ ہوا۔ آہا! وہ بھی کیا سماں ہوگا۔ کہ قافلہ کے حُدی خواں اونٹوں کی نکیل پکڑے ہوئے جھُوم جھُوم کر شعر پڑھتے ہوں گے۔ اور معصوم سردار دوجہاں کی سواری بڑی شان سے جا رہی ہوگی ے

گدایاں را ازیں معنے خبر نیست
کہ سلطانِ جہاں با ماست امروز

قافلہ رستے میں مقام بُصرٰی پر اُترا اور خدا تعالےٰ نے اُسی مقام پر اپنے حبیبؐ کی برکت سے سارا مال کثیر نفع پر فروخت کرا دیا۔ اور اپنے کم سن حبیبؐ کو مُلک شام کی بعید مسافت کی زحمت و مشقت سے بچا لیا اور قافلہ یہیں سے بخیر و عافیت وطن کو واپس لوٹ آیا۔

اِس مقام پر عام اہل سیرت نے بعض امورِ عجیبہ کا بھی ذکر کیا ہے۔ جو اس سفر میں آنحضرتؐ کی نسبت قدرت نے ظاہر کئے۔ لیکن محدثین کی تنقیدی نظر میں اُن کی اسانید قوی نہیں ہیں۔ اِسی مقام بُصرٰی پر بُحیرا راہب کی ملاقات کا قصّہ بھی ذکر کیا گیا ہے۔ جس کا خلاصہ یہ ہے۔ کہ :-

"بُحیرا راہب نے جو تورات کا عالم تھا۔ اور نبی آخر الزمان صلعم کے حلیہ اور علامات سے واقف تھا۔ آپ کو اِن علامات سے پہچان لیا اور ابو طالب کو بطور خیر خواہی کے کہنے لگا۔ کہ اس لڑکے میں

آثارِ نبوت نظر آتے ہیں۔ آپ ملک شام کے سفر کا ارادہ رکھتے ہیں۔ بہتر ہے کہ آپ یہیں سے واپس پھر جائیں ایسا نہ ہو کہ شام کے یہودی اس کو کوئی گزند پہنچائیں۔ ابو طالب نے بحیرا راہب کی اس نصیحت کو گوش ہوش سے سنا اور اچھی طرح جانچ لیا۔ کیونکہ وہ خود اس سفر میں کئی ایک امورِ عجیبہ کا مشاہدہ کر چکے تھے۔ پس معمول سے زیادہ نفع اور برکت کے ساتھ واپس وطن ہوئے[1]" (تاریخ نبویؐ مصنفہ خاکسار طبع اول صفحہ ۷)

---

[1] اِس قصے کو عام اہل سیرت و اہل روایت نے ذکر کیا ہے۔ کسی نے اختصار سے اور کسی نے تفصیل سے تاریخ ابن جریر و تاریخ ابن اثیر۔ سیرت ابن ہشام اور اس کی شرح الروض الانف۔ تاریخ ابن خلدون۔ نور الیقین مؤلفہ شیخ محمد خضری مصری۔ جامع ترمذی۔ مستدرکِ حاکم۔ تلخیصِ مستدرک الذہبی۔ حجۃ اللہ (باب سیرت النبیؐ) زاد المعاد۔ اصابہ فی احوال الصحابہ اور میزان الاعتدال۔ یہ سب کتابیں اس وقت ہمارے سامنے رکھی ہیں۔ امام ترمذیؒ نے اس روایت کو حسن غریب کہا ہے (جلد ۲ صفحہ ۲۰۲ مطبوعہ مجتبائی دہلی) اور امام ابن قیمؒ نے کہا کہ ترمذی (باقی صفحہ ۲۰۲ پر)

دُوسرا سفرِ شام

جب آپؐ کی عمر شریف بیس سال کی ہوئی تو آپؐ نے حضرت ابو بکرؓ کی معیت میں دُوسری دفعہ سیریا کا سفرِ تجارت کیا۔ اس سفر کا ذکر عام اہلِ سیرت نے نہیں کیا۔ لیکن حافظ ابن حجرؒ نے اصابہ میں بحیرا راہب کے ذکر میں عبد الغنی بن

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۲۰۱ کا) کی اس روایت میں ابو طالب کا آنحضرتؐ کے ساتھ بلالؓ کو بھیجنا صریحاً غلط ہے (جلد ا صفحہ ۱۷) حافظ ابن حجرؒ اصابہ میں فرماتے ہیں کہ ترمذی کی روایت کے سب راوی ثقہ ہیں اور یہ جملہ یعنی حضرت ابو بکرؓ اور بلالؓ کا ذکر جو اس روایت میں مذکور ہے، وہ کسی راوی کے وہم کا نتیجہ ہے۔ کہ اُس نے دوسری روایت میں سے اِس میں درج کر دیا۔ پھر دُوسری روایت ابن مندہ سے نقل کی ہے۔ کہ جب حضرت ابو بکرؓ کی عمر اٹھارہ سال کی اور آنحضرتؐ کی بیس سال کی تھی اُس وقت حضرت ابو بکرؓ آپ کے تجارتی سفرِ شام میں آپ کے رفیق بنے تھے۔ اس کے بعد بحیرا راہب سے حضرت ابو بکرؓ کی ملاقات اور اُس کا آنحضرتؐ کو آثارِ نبوت سے پہچاننا ذکر کیا ہے۔ (باقی بر صفحہ ۲۰۳)

سعید ثقفی کی روایت سے نقل کیا ہے جو متروک الروایت ضعیف راویوں میں سے ہے۔

(بقیہ حاشیہ) - (اصابہ جلد اوّل صفحہ ۲۵۱ ذکر بحیرا راہب) حاصل یہ کہ ترمذی کی روایت میں حضرت ابو بکرؓ اور بلالؓ کا جو ذکر ہے وہ کسی راوی کی غلطی سے اس روایت میں درج ہو گیا ہے، جو ابن مندہ نے آپ کے دوسرے سفر شام کے متعلق ذکر کی ہے لیکن حافظ ابن حجرؒ اس روایت کی نسبت بھی فرماتے ہیں کہ یہ عبد الغنی بن سعید ثقفی کی تفسیر سے ہے جو ضعفائے متروکین میں سے ہے۔ حافظ ابن حجرؒ نے اس مقام پر ابو سعید نیشاپوری کی کتاب شرف المصطفیٰ میں سے نقل کیا۔ کہ آنحضرتؐ جب حضرت خدیجہؓ کی طرف سے تجارت کے لئے ان کے غلام میسرہ کے ساتھ شام کو گئے۔ تو اس وقت بھی آپ کی ملاقات بحیرا راہب سے ہوئی۔ اور اُس نے آپ سے کہا۔ کہ میں نے آپ میں سب علامتیں پہچان لی ہیں سوائے مُہر نبوت کے۔ پس آپ اپنی پُشت مبارک سے کپڑا اُٹھایئے، آپؐ نے اُٹھایا تو وہ مُہر نبوت کو دیکھ کر کہنے لگا۔ اَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَ اَشْهَدُ اَنَّكَ رَسُوْلُ اللّٰهِ النَّبِيُّ الْاُمِّيُّ الَّذِیْ بَشَّرَبِهٖ عِيْسَى ابْنُ مَرْيَمَ۔ یعنی میں گواہی دیتا ہوں کہ خدا کے سوا کوئی بھی لائق عبادت نہیں۔ اور (باقی صفحہ ۲۰۴ پر)

رُخِ انور کے آثار و انوار

ے رُخِ انور پہ نہ ہونے دیا قرباں مولا
ہند میں چھوڑ دیا کر کے مسلماں مولا

بُحیرا راہب کا قِصّہ بعض تفصیلات کو چھوڑ کر حافظ ابن حجرؒ کے قول کے موافق قابلِ اعتبار ہو یا بقولِ حافظ ذہبیؒ موضوع و باطل ہو۔ لیکن اس میں شک

(بقیہ حاشیہ ۲۰۳ کا) میں یہ بھی گواہی دیتا ہوں۔ کہ آپؐ خدا کے رسُول نبی اُمّی ہیں جن کی بشارت عیسٰی بن مریمؑ نے دی تھی۔ حافظ ابن حجرؒ فرماتے ہیں کہ اس کے بعد شرف المصطفیٰؐ میں سارا قصّہ بالتفصیل مذکور ہے، اس کے خلاف حافظِ ذہبیؒ تخلیص مستدرک میں فرماتے ہیں اَظُنُّہٗ مَوْضُوْعًا وَبَعْضُہٗ بَاطِلٌ (مستدرک جلد ۲ صفحہ ۶۱۶) یعنی میں اسے موضوع خیال کرتا ہوں اور بعض حِصّہ اس کا تو سرے سے ہی باطل ہے۔ غالباً اس سے اُن کی مُراد حضرت ابوبکرؓ اور بلالؓ کا ذکر ہے کیونکہ آپ میزان الاعتدال میں عبد الرحمٰن غزدان کے ترجمہ میں جو اس روایت کے راویوں میں سے ہے فرماتے ہیں۔ کہ اس نے یونس بن ابی اسحٰق سے سن کر روایت کی ہے اِس کے بعد بُحیرا راہب کا ذکر کر کے کہا ہے۔ کہ اس کے باطل ہونے کی یہ دلیل ہے۔ کہ اُس نے کہا ہے کہ ابو طالب نے آنحضرتؐ کو واپس (وطن میں) بھیج دیا۔ اور ابو بکرؓ نے بلالؓ کو آپ کے ساتھ کر دیا۔ حالانکہ بلالؓ (باقی بر صفحہ ۲۰۵)

نہیں کہ قدرت نے اپنے کامل بندوں اور بعض اقبال مندوں کے چہرے پر ان کے باطنی کوائف و کمالات اور ان کے متعلق آئندہ کی توقعات کے گواہ قائم کر رکھے ہوتے ہیں۔ قیافہ شناسوں کو ان

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۲۰۴ کا) اس وقت تک پیدا بھی نہیں ہوئے تھے۔ اور ابو بکرؓ ابھی بچے تھے (میزان جلد دوم صفحہ ۱۰۲)

مولانا شبلیؒ نے اس روایت پر ایک نرالی جرح کی ہے، کہ یہ قصہ حضرت ابو موسیٰ کی روایت سے ہے، اور وہ اس وقت ہمراہ نہ تھے، اور جس (راوی) سے سن کر کہتے ہیں اس کا نام نہیں بتاتے ہیں یہ روایت مرسل ہے لہٰذا قابل اعتبار نہیں (سیرۃ النبیؐ صفحہ ۱۰۰ جلد اول طبع ۱) اس کا جواب یہ ہے کہ اس قصہ کی تفصیلات گو قابلِ اطمینان نہ ہوں۔ لیکن اس کے مرسل ہونے کی وجہ سے اسے ناقابلِ اعتبار کہنا اصولِ محدثین کے خلاف ہے کیونکہ یہ مرسل صحابی ہے اور صحابی کی مرسل روایت موصول کے حکم میں ہوتی ہے، چنانچہ حافظ عراقی جن کے مولانا صاحب بہت مداح ہیں، الفیہ میں فرماتے ہیں اَمَّا الَّذِی اَرْسَلَہٗ الصَّحَابِیْ فَحُکْمُہٗ اَلْوَصْلُ عَلَی الصَّوَابِ' یعنی مراسیل صحابہؓ صحیح مذہب کے بموجب موصول کے حکم میں ہیں"۔ حافظ ابن کثیرؒ نے بھی اپنی تاریخ میں حضرت ابو موسیٰ کی حدیث کو مرسل کہنے کا یہی جواب دیا ہے جو ہم نے لکھا ہے۔ مولانا کی باقی جرحوں کا جواب بھی حافظ ابن حجر کی تفصیلات میں آجاتا ہے۔ گو حافظ ذہبیؒ نے اس قصے پر سخت سے سخت جرح کی ہے۔ (باقی بر صفحہ ۲۰۶)

علامات کی شناخت میں کوئی بھی دقت نہیں پڑتی۔ جس طرح انگریزی حروف کو نہ جاننے والا شخص ان کی سطروں کو اُلٹی سیدھی سیاہ لکیریں سمجھتا ہے۔ لیکن ایک انگریزی دان اِنہی کیڑے مکوڑوں کی شکلوں سے بڑے بڑے اہم علوم حاصل کر لیتا ہے۔ اِسی طرح چہرے کے نقوش وخطوط سے جو دستِ قدرت کے لکھے ہوئے ہوتے ہیں۔ اور انسانی وضع کردہ شکلوں سے ماورا ہوتے ہیں۔ اہل بصیرت بڑے بڑے اور نہایت گہرے اُمور کا علم حاصل

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۲۰۵ کا) لیکن تفصیلات میں جس امور کے مدرج ہونے اور بعض کے تاریخی طور پر غلط ہونے سے اصل قِصّہ سرے سے غلط نہیں ہو سکتا۔ حافظ ابن کثیرؒ کی تاریخ کے مطالعہ سے پیشتر س عاجز کی رائے حافظ ذہبیؒ کے موافق ہوگئی تھی چنانچہ جو مسودہ اخبار اہلحدیث کے سلسلے میں شائع ہوا اُس میں حافظ ذہبیؒ کی موافقت بتائی گئی ہے۔ لیکن حافظ ابن کثیرؒ اس قصہ کو بغیر جرح کے نقل کرتے ہیں، حالانکہ اُن کی عام روش یہی ہے کہ وہ قابلِ جرح روایت پر جرح ظاہر کر دیتے ہیں، اس لئے ہم اس قدر کثیر جماعت ائمہ حدیث کے بیان کو نظر انداز نہیں کر سکتے۔ واللہ اعلم بحقیقۃ الحال ۱۲ منہ

کر لیتے ہیں۔ تَعْرِفُهُمْ بِسِيمَاهُمْ[1] (بقرہ پ۳)، اور فَلَعَرَفْتَهُمْ بِسِيمَاهُمْ[2] (محمد پ۲۶) اس کی شہادت کے لئے کافی ہے۔

کشتی والوں نے حضرات خضر اور موسیٰ اور یوشع علیہم السلام کو جو بغیر اُجرت کے کشتی پر سوار کرلیا تھا۔ تو اُس کی بابت حافظ ابن حجرؒ نے فتح الباری میں ابن ابی حاتم کی روایت سے نقل کیا۔ کہ کشتی والوں کے سردار نے کہا:۔ اِنِّیْ اَرٰی عَلٰی وُجُوْهِهِمُ النُّوْرَ فَحَمَلَهُمْ بِغَيْرِ اُجْرَةٍ[3]۔ (جزو ۱۹ صفحہ ۲۴۶ مطبوعہ دہلی)

صحیح بخاری میں حضرت اُسامہ بن زیدؓ کی بابت مذکور ہے۔ کہ دونوں باپ بیٹا مسجد نبویؐ میں مُنہ ڈھانپے سوئے پڑے تھے، دونوں کے پاؤں ننگے تھے یمن کا قیافہ شناس ان کو دیکھ کر کہنے

---

[1] یعنی پہچانتے ہیں آپ اُن کو ان کے چہرے کے نشانوں سے ۱۲ منہ

[2] پس آپ ضرور پہچان لیں اُن کو اُن کے چہروں کے نشانوں سے ۱۲ منہ

[3] میں دیکھتا ہوں اُن کے چہروں پر نور۔ پس سوار کرلیا اُن کو بغیر اُجرت لینے کے ۱۲ منہ

لگا - یہ پاؤں ان پاؤں سے پیدا شدہ ہیں - آنحضرتؐ اِس پر کمال درجہ شاداں ہوئے (صحیح بخاری و مسلمؒ)

الغرض آنحضرتؐ کے رُخِ انور پر **نُورِ نبوّت** پُوری حقیقت سے جلوہ گر تھا - جو کسی صاحبِ بصیرت سے مخفی نہیں رہ سکتا تھا - متعدد احادیث میں مذکور ہے، کہ فلاں فلاں اشخاص اِسی نورِ نبوّت کے مشاہدہ سے مشرف باسلام ہُوئے -

(۱) ابو رافع صحابی کہتے ہیں "کہ قریش نے مُجھے آنحضرتؐ کی خدمت میں پیغام دے کر بھیجا تھا - فَلَمَّا رَأَيْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أُلْقِيَ فِيْ قَلْبِي الْإِسْلَامُ یعنی جب مَیں نے رسُول خدا صلعم کو دیکھا تو ڈالا گیا میرے دل میں اسلامؒ (مشکوٰۃ کتاب الجہاد باب الامان صفحہ ۳۴۹)

(۲) جب آنحضرت صلعم ہجرت کر کے مدینہ کو چلے تو راستہ میں ایک نیک اور مہمان نواز خاتون اُمّ معبد کے ہاں اُترے، اُس نے بغیر اس کے کہ آپؐ کو جانتی ہو - آپؐ کے چہرے مبارک کے آثار اور آپؐ کی شیریں گفتار کا ذکر نہایت فصیح الفاظ میں بیان کیا - جس کی تفصیل انشاء اللہ سفرِ ہجرت میں

کی جائے گی (زاد المعاد وغیرہ)

(۳) جب آنحضرتؐ مدینہ میں پہنچے، تو حضرت یوسفؑ کی نسل سے ایک اسرائیلی عالمِ دین حضرت عبداللہ بن سلام آپ کی زیارت کو آئے وہ کہتے ہیں ۔ نَظَرْتُ اِلَیْہِ وَ تَاَمَّلْتُ وَجْھَہٗ فَعَلِمْتُ اَنَّہٗ لَیْسَ بِوَجْہِ کَذَّابٍ یعنی میں نے آپ کی طرف نظر کی اور خوب غور سے آپ کے چہرۂ (مبارک کے آثار) کو دیکھا تو میں نے جان لیا کہ یہ مُنہ جھوٹ بولنے والا نہیں ۔

بشاراتِ محمدیہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم

اِن مذکورہ بالا اندرونی آثار و انوار کے علاوہ جو قدرت نے آپؐ کے چہرۂ مبارک پر پیدا کر رکھے تھے کثرت سے بیرونی اور کتابی شہادات بھی ہیں جو خدائے تعالےٰ نے انبیائے سابقین کی معرفت بیان کر دی تھیں ۔ کتب سابقہ میں آپؐ کا حُلیہ ۔ آپؐ کا مولد (جائے ولادت) آپؐ کا وطن و مسکن آپؐ کا مہجر (ہجرت گاہ) آپؐ کے جنگی اور اسلامی کارنامے آپؐ کے معجزات و برکات، آپؐ کے

صحابہؓ کے نمایاں علامات و نشانات غرض سب کچھ نہایت وضاحت سے مکتوب و مذکور ہے۔ اور باوجود عہدِ بعید کی تحریفاتِ لفظیہ و معنویہ کے اُن جواہر ریزوں پر پردہ نہیں پڑسکا۔ اور آپؐ کے ظہورِ قدسی کے نور نے اُن تحریفات کی ظلمتوں کو دُور کر دیا۔ جب سے حضرت موسیٰ علیہ السلام نے خدا کی وحی سے بنی اسرائیل کو آپؐ کی بشارت سُنائی۔ یہودی برابر آپؐ کے ظہور کے منتظر رہے۔ چنانچہ حضرت یحییٰؑ کے ظہور پر یہودی آپ سے پُوچھتے ہیں۔ کیا تو ایلیاہ ہے؟ حضرت یحییٰ جواب دیتے ہیں۔ کہ نہیں۔ پھر وہ پوچھتے ہیں کیا تو مسیح ہے؟ آپ فرماتے ہیں کہ نہیں۔ وہ پھر پوچھتے ہیں۔ کیا تو وہ نبی ہے؟ آپ کہتے ہیں نہیں (انجیل یوحنا باب اول) وہ نبی سے یہود کی مراد وہی نبیِّ موعود نبی آخر الزمان تھا۔ جس کی بشارت حضرت موسیٰؑ نے اُن کو سنائی تھی (کتاب استثناء ۱۸ ورس ۱۸) [1]

---

[1] کتاب استثناء کی اس بشارت کے متعلق ہم نے اپنی پہلی تصنیف "تاریخ نبوی صلعم" میں صفحہ ۱۴ سے ۱۷ تک جو ۱۹۰۵ء میں طبع ہوئی تھی، بکمال وضاحت ثابت کر دکھایا ہے کہ اس بشارت کا مصداق سوائے حضرت اقدس صلعم کے دیگر کوئی نہیں ہوا ۱۲ منہ

جب آپ طائف کے تبلیغی سفر سے واپس پھرے تو رستے میں جنات کا ایک ٹولہ آپ کی قرأتِ قرآن سُنکر مسلمان ہوگیا۔ اُنہوں نے اپنی قوم کے پاس جاکر کہا :- اِنَّا سَمِعْنَا کِتَابًا اُنْزِلَ مِنْ بَعْدِ مُوْسٰی (الاحقاف پ۲۶) یعنی ہم نے ایک کتاب سُنی جو موسیٰ علیہ السلام کے بعد اُتاری گئی ہے۔

اُنہوں نے مِنْ بَعْدِ مُوْسٰی اِس لئے کہا کہ وہ اُمّتِ موسویہ میں سے تھے۔

۲۔ اِسی طرح حضرت عیسیٰؑ نے اپنے رفع سماوی سے چندے پیشتر اپنے حواریوں کو تسلی دی کہ تمہارے لئے میرا جانا ہی بہتر ہے۔ کیونکہ اگر میں نہ جاؤں تو تمہارے پاس فارقلیط[1] نہیں آئے گا۔ جس سے مُراد ذاتِ بابرکات سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم ہے (انجیل یوحنا باب ۱۶ درس ۷)۔

۳۔ اِسی طرح حضرت عیسےٰؑ کی رفع سماوی کے

---

[1] اس لفظ کو عیسائیوں نے بدل ڈالا ہے۔ کسی ترجمہ میں تسلی دینے والا اور کسی میں وکیل لکھدیا ہے اور یہ صفات بھی ذات آں سرور صلعم پر ہی صادق آتے ہیں کیونکہ جو امور بعد اس کے خود حضرت مسیحؑ کی زبان مبارک سے نقل کیئے گئے ہیں کہ وہ آنیوالا یہ یہ کام کرے گا وہ کام سوائے آنحضرتؐ کے کسی نے نہیں کیئے ۱۲ منہ

بعد حضرت پطرس حواریوں کے بھرے مجمع میں کہتے ہیں۔ لازم ہے کہ مسیح آسمان پر رہے۔ جب تک کہ عہد کا رسُول جس کی خبر موسٰی نبی نے دی تھی۔ اور ہمارے باپ دادے اُس کی خبر دیتے چلے آئے ہیں۔ نہ آلے (ملخص کتاب رسولوں کے اعمال مشمولہ عہد نامہ جدید باب ۳ ورس ۲۱ سے ۲۵ تک)۔

اِس سے معلوم ہؤا کہ حضرت عیسٰیؑ کی رفع کے بعد بھی خود عیسائیوں میں اِس عہد کے رسُول کا انتظار تھا۔ نیز یہ کہ حضرت عیسٰیؑ اور وہ عہد کا رسُول دو الگ الگ اشخاص ہیں۔ اس امر کو قرآن مجید نے جا بجا ذکر کیا ہے۔ چنانچہ فرمایا:۔ یَجِدُوْنَهٗ مَکْتُوْبًا عِنْدَهُمْ فِی التَّوْرٰىةِ وَالْاِنْجِیْلِ (اعراف پ ۹)۔ یعنی پائیں گے اس کو (یہود و نصرانی) لکھا ہؤا پاس اپنے توریت میں بھی اور انجیل میں بھی۔ نیز حضرت عیسٰیؑ کی زبانی فرمایا:۔ مُصَدِّقًا لِّمَا بَیْنَ یَدَیَّ مِنَ التَّوْرٰىةِ وَمُبَشِّرًا بِرَسُوْلٍ یَّاْتِیْ مِنْۢ بَعْدِی اسْمُهٗۤ اَحْمَدُ یعنے توریت کی تصدیق کرنے اور اپنے بعد کے رسُول احمدؐ نام کی بشارت دینے آیا

ہوں (پ۲۸ سورہ صف) اور خود آنحضرتؐ نے بھی ایک صحابی کے سوال پر فرمایا تھا۔ کہ میں اپنے باپ ابراہیمؑ کی دُعا اور عیسیٰؑ کی بشارت ہوں اور اپنی ماں کا نظارۂ (نور) ہوں۔ جو مجھے جننے کے وقت اُنہوں نے دیکھا تھا۔ حاصل کلام یہ کہ ظہور قدسی سے پہلے یہود و نصاریٰ ہر دو قومیں آپؐ کے ظہور کی منتظر تھیں، سورۂ بقرہ پ۱ میں وَكَانُوا مِنْ قَبْلُ يَسْتَفْتِحُونَ عَلَى الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فَلَمَّا جَآءَهُمْ مَّا عَرَفُوْا كَفَرُوْا بِهٖ میں اہل کتاب کی اسی حالت کا ذکر ہے، اور اس وجہ سے خدا تعالےٰ اُن کو ملزم گردانتا ہے۔ کہ آپؐ کے ظہور سے پہلے تو وہ دعائیں مانگتے تھے، کہ خداوندا! ہم کو نبی آخرالزمان کی برکت سے کفار پر فتح بخش۔ لیکن جب وہ نبیؐ آگیا اور اُنہوں نے اُسے آثار و علامات سے پہچان بھی لیا تو کافر ہو گئے، اور جو اُن میں سے مسلمان ہو گئے تھے اُن کا قول یوں بیان کیا اِنَّا كُنَّا مِنْ قَبْلِهٖ مُسْلِمِيْنَ (عنکبوت پ۲۱) یعنی ہم تو اِس (قرآن) سے پیشتر ہی (بالاجمال) مسلمان تھے۔ آنحضرتؐ کا حُلیہ حضرت سلیمان علیہ السلام کی کتاب "غزل الغزلات" میں یوں مرقوم

ہے :۔

۴۔ "میرا محبوب سُرخ و سفید ہے دس ہزار قدوسیوں کے درمیان وہ جھنڈے کی مانند کھڑا ہوتا ہے۔ اُس کا سر ایسا ہے جیسے چوکھا سونا۔ اُس کی زلفیں پیچ در پیچ ہیں اور وہ کوّے کی سی کالی ہیں۔ اُسکی آنکھیں اُن کبوتروں کی مانند ہیں جو لب دریا دودھ میں نہا کے تمکنت سے بیٹھے ہوں۔ اُس کے رُخسارے پھولوں کے چمن اور بلسان کی اُبھری ہوئی کیاری کی مانند ہیں اُس کے لب سوسن ہیں۔" (باب ۵)

آپؐ کا یہ حلیہ اور شان حضرت سلیمان کو کشفی حالت میں دکھایا گیا تھا۔ شمائل ترمذی میں حضرت علیؓ اور دیگر صحابہؓ سے اسی طرح مروی ہے۔ جسے سر ولیم میور نے بھی "لائف آف محمدؐ" میں نقل کیا ہے اور جو دس ہزار پاک نفوس کا ذکر ہے۔ وہ فتح مکہ کے روز کا واقعہ ہے۔ اس روز آنحضرتؐ کے ساتھ دس ہزار پاک نفوس تھے، چنانچہ غزوۂ فتح مکہ کے ذکر میں تاریخ ابن خلدون میں مرقوم ہے وَخَرَجَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فِیْ عَشَرَۃِ الْاٰفٍ (جلد ۲ صفحہ ۳۴۲) نیز اَلرَّوض الانف

کے حاشیہ پر صفحہ ۲۶۷ جلد ثانی نیز تاریخ کامل ابن اثیر جلد ۲ صفحہ ۹۲) اور سیرت ابن ہشام جلد ۲ صفحہ ۲۳۱ برحاشیہ زاد المعاد مصری -

۵- اسی طرح حضرت موسیٰؑ کی پانچویں کتاب استثنا میں ہے :-

"اور اُس نے کہا کہ خداوند سینا سے آیا اور شعیر پر طلوع ہوا اور فاران ہی کے پہاڑ سے وہ جلوہ گر ہوا - دس ہزار قدسیوں کے ساتھ آیا - اور اُس کے داہنے ہاتھ ایک آتشی شریعت اُن کے لئے تھی - ہاں وہ اُس قوم سے بڑی محبت رکھتا ہے" (باب ۳۳ درس ۲ - ۳)

اس میں تین پیغمبروں کی جائے نبوت کا ذکر ہے - کوہ سینا سے نبوت موسویؑ اور کوہ شعیر سے نبوتِ عیسویؑ اور کوہ فاران سے مراد نبوت محمدیؐ ہے اور دس ہزار پاک نفوس کا اس میں بھی ذکر ہے - اور آتشی شریعت سے مراد وہ شریعت ہے جو احکامِ جہاد اور سیاست پر بھی شامل ہو اور وہ نبوت محمدیؐ ہے نہ کہ عیسویؑ اور فاران کا پہاڑ بھی مکہ شریف میں ہے - جہاں حضرت اسمٰعیلؑ اور اُن کی اولاد آباد ہوئی - دیکھو

کتاب پیدائش میں حضرت ہاجرہ علیہا السلام کے ذکر میں لکھا ہے:-

۱۷- "تب خدا نے اُس لڑکے کی سُنی اور خدا کے فرشتے نے آسمان سے ہاجرہؑ کو پکارا اور اُس سے کہا کہ اے ہاجرہؑ! تجھ کو کیا ہوا مت ڈر کہ اس لڑکے کی آواز جہاں وہ پڑا ہے، خدا نے سنی (۱۸) اُٹھ اور لڑکے کو اُٹھا اور اُسے اپنے ہاتھ سے سنبھال کہ میں اُس کو ایک بڑی قوم بناؤں گا (۱۹) پھر خدا نے اُس کی آنکھیں کھولیں اور اُس نے پانی کا ایک کنواں دیکھا اور جاکر اُس مشک کو پانی سے بھرا- اور اُس لڑکے کو پلایا (۲۰) اور خدا اُس لڑکے کے ساتھ تھا- اور وہ بڑھا اور بیابان میں رہا- اور تیر انداز ہو گیا- اور وہ فاران کے بیابان میں رہا- اور اُس کی ماں نے ملک مصر سے ایک عورت اُس سے بیاہنے کو لی"- (باب ۲۱- ورس ۱۷ سے ۲۱ تک)

یہاں "اس لڑکے" سے مراد حضرت اسمٰعیلؑ ہیں- جیسا کہ اس سے پہلے کی عبارت میں مصرح ہے اِس حوالہ میں تین باتیں قابلِ شرح ہیں:-

(۱) آواز سنی- اِسمٰعِیل کے معنی ہی ہیں سُن یَا اللہ!

اِسْمَعْ کے معنی سن اور اِیْل عبرانی اور سریانی میں اَللہ کا نام ہے۔ جیسے بَیْتِ اِیْل (اللہ کا گھر)۔ اِسْرَاءِیْل (اللہ کا بندہ)۔

(۲) ایک کنواں یہ آبِ زمزم کا کنواں ہے جو اعجازی طور پر نمودار ہوا تھا۔ جیسا کہ صحیح بخاری میں بھی بالتفصیل مذکور ہے۔ نیز اس کا ذکر داؤد علیہ السلام کی زبور میں بھی ہے :۔

"(۴) مبارک وہ ہیں جو تیرے گھر میں بستے ہیں وہ سدا تیری ستائش کریں گے۔ سلاؔ (۵) مبارک وہ انسان جس میں قوت تجھ سے ہے۔ اُن کے دل میں تیری راہیں ہیں (۶) وہ بکاؔ کی وادی میں گذر کرتے ہوئے اُسے ایک کوآں بناتے پہلی برسات اُسے برکتوں سے ڈھانپ لیتی"۔ (زبور ۸۴)۔

اِس جگہ خدا کے گھر سے مراد بیت اللہ شریف ہے، جو کہ مکّہ شریف میں ہے۔ اور مکّہ کو بکہ بھی کہتے ہیں۔ جیسا کہ قرآن مجید میں چوتھے پارے میں ہے لَلَّذِیْ بِبَکَّۃَ اور بکّہ کو عیسائیوں نے تحریف کرکے بُکا بنا دیا۔ اور اُس کے معنے آنسوؤ کے کردیئے والعیاذ باللہ اور یہ نہ سوچا کہ آنسوؤں کو کنوئیں

سے کیا تعلق ہے۔ دیکھو صحیح لفظ بکّہ رکھنے سے تینوں باتیں صاف صاف پوری اتر آتی ہیں۔ بیت اللہ بھی اور آبِ زمزم بھی اور مکّہ شریف بھی۔

اور ستائش کا جو ذکر ہے، اُس سے خدا کی حمد مراد ہے اور اُمّتِ محمدیہ کی صفت حمّادون ہے جو اگلی کتابوں میں مرقوم ہے (صفحہ ۱) اور دُنیا میں اُمّتِ محمدیہ سے بڑھ کر یا اُن کے برابر کوئی اللہ کی حمد وستائش نہیں کرتی۔

۸۔ کتاب یسعیاہ نبی کے باب ۴۲ میں مرقوم ہے:

"(۱۱) بیابان اور اس کی بستیاں قیدار کے آباد دیہات اپنی آواز بلند کریں گے، سلع کے بسنے والے ایک گیت گائیں گے، پہاڑوں کی چوٹیوں پر سے للکاریں گے"۔ [1]

قیدار حضرت اسمٰعیلؑ کا دوسرا بیٹا ہے۔ جس کی

[1] یہ بشارت غزوۂ خندق کے متعلق ہے، جو شوال ۵ھ ہجری میں ہوا اور اُس میں یہود و مشرکین اپنی متفقہ طاقت سے مدینہ شریف پر حملہ آور ہوئے تھے، ہم نے اپنی جدید تصنیف "دو نبی اور عہد کا رسولؐ" میں اس کا ذکر بہ بسط تمام کیا ہے۔ ۱۲ منہ

اولاد سے آنحضرت صلعم ہیں (دیکھو کتاب پیدائش باب ۲۵ ۔ آیت ۱۳) ۔

اور سلع مدینہ شریف کے ایک پہاڑ کا نام ہے (دیکھو قاموس اور صراح وغیرہ) اور صحیح بخاری میں اس پہاڑ کا نام متعدد جگہ ذکر ہوا ہے ۔ مثلاً ذکر غزوۂ تبوک حدیث کعب بن مالک (جلد ثالث صفحہ ۵۸ مطبوعہ مصر ۔)

۹ ۔ اسی طرح کتاب حبقوق نبیؑ میں مرقوم ہے :-

"(۳) خدا تیما سے اور وہ جو قدوس کوہ فاران سے آیا ۔ سلاہ ! اُس کی شوکت سے آسمان چھپ گیا اور زمین اُس کی حمد سے معمور ہوئی" (باب ۳) ۔

اس جگہ تیما کے دو معنی ہو سکتے ہیں ۔ اوّل اُس کے معنے ہیں "دکھن" اور مدینہ شریف بیت المقدس سے سیدھا دکن کو ہے ۔ دوم تیمہ سے مراد بنی تیمہ ہے اور حضرت اسمٰعیلؑ کے ایک بیٹے کا نام تیمہ ہے ۔ جس کی اولاد اس دکھن کی زمین میں آباد ہوئی ۔ (دیکھو کتاب پیدائش باب ۲۵ ۔ آیت ۱۵ ۔ ۱۶)

۱۰ ۔ اسی طرح یسعیاہ نبی کی کتاب میں "عرب کی بابت الہامی کلام" سُرخی دے کر لکھا ہے :-

"عرب کے صحرا میں تم رات کاٹو گے ۔ اے ددانیوں

کے قافلو! پانی لیکے پیاسے کا استقبال کرنے آؤ۔ اَے تیماؔ کی سرزمین کے باشندو! روٹی لیکے بھاگنے والے کے ملنے کو نکلو۔ کیونکہ دے تلواروں کے سامنے ننگی تلوار سے اور کھینچی ہوئی کمان سے اور جنگ کی شدّت سے بھاگے ہیں۔ کیونکہ خداوند نے مجھ کو یوں فرمایا۔ ہنوز ایک برس ہاں مزدور کے سے ایک ٹھیک برس میں قیدؔار کی ساری حشمت جاتی رہے گی اور تیر اندازوں کے جو باقی رہے۔ قیدار کے بہادر لوگ گھٹ جائیں گے۔ کہ خداوند اسرائیل کے خدانے یوں فرمایا" (باب ۲۱ ورس ۱۳ سے ۱۷ تک)۔

اِس میں آنحضرتؐ کے سفرِ ہجرت اور اُس کے بعد غزوہ بدؔر کا نقشہ اور نتیجہ بتایا گیا ہے اِس کی تشریح حسب ذیل ہے۔

عربؔ کا لفظ تو صاف ہے۔ اِس کے دَداؔنیوں کی نسبت معلوم ہو کہ دَدان حضرت ابراہیمؑ کے بیٹے یقسان کا بیٹا ہے۔ جو آپ کے حرم قطورہ سے تھا (دیکھو تواریخ کی پہلی کتاب باب اوّل ورس ۳۲-۳۳) نیز (کتاب پیدائش باب ۲۵۔ آیت ۱ سے ۳ تک) اور تیماؔ کی نسبت ہم سابقاً لکھ چکے ہیں کہ یا تو اس

سے مراد دکھن کی زمین ہے اور مدینہ شریف جو آنحضرتؐ کی ہجرت گاہ ہے اور جس کا یہاں ذکر ہے۔ یروشلم سے دکھن کی جانب ہے اور یا اس سے مراد تیمہ کی اولاد ہے جو حضرت اسمٰعیلؑ کا ایک بیٹا تھا۔ اور اُس کی اولاد یہاں آباد تھی (دیکھو کتاب پیدائش باب ۲۵ - ورس ۱۲ سے ۱۶ تک و نیز تواریخ کی پہلی کتاب باب اوّل ورس ۲۹ سے ۳۱ تک) اور روٹی لیکر بھاگنے کی تشریح یوں ہے۔ کہ سفر ہجرت میں آنحضرت صلعم مع حضرت ابوبکرؓ کے روٹی ہی لیکر نکلے تھے۔ چنانچہ حضرت ابوبکرؓ کی بڑی بیٹی اسماءؓ نے اپنی کمر کی پیٹی کے دو ٹکڑے کرکے زادِ راہ کے تھیلے کو باندھا۔ جس سے اُن کا نام ذات النطاقین پڑ گیا۔ اور تلواروں اور کمانوں۔ اور جنگ کی شدت سے بھاگنے کا بیان یوں ہے۔ کہ آنحضرت صلعم ہجرت کے وقت کفار کی ایسی ہی سرگرمیوں کی حالت میں نکلے تھے۔ جب کہ قریشیوں نے آپ کے قتل کا ارادہ کیا تھا۔

اور مزدور کے سے ایک برس کا بیان یوں ہے۔ کہ ہجرت کے پہلے سال میں آنحضرت صلعم نے

نماز کے لئے مسجد نبوی اور اپنے رہنے کے لئے حُجرے بنائے اور اُس میں آپؐ مع دیگر صحابہؓ کے مزدوروں کی طرح مٹّی پتھر ڈھونے کا کام کرتے رہے' اور ایکؓ برس کے بعد قیدآر کی حشمت جاتی رہنے اور اُن کے بہادر گھٹ جانے کا بیان یُوں ہے۔ کہ قیدار حضرت اسمٰعیلؑ کا دُوسرا بیٹا ہے۔ جس کی اولاد سے قبیلۂ قریش ہے۔ اور جنگ بدر ۲ھ میں ہُوا جس میں کفارِ قریش کے کم و بیش چوبیس نامور آزمودہ کار بہادر مارے گئے۔

اِسی طرح بائبل کی مختلف کتابوں میں نہایت صاف اور صریح الفاظ میں ایسے اُمور مرقوم ہیں جو سوائے آنحضرت صلعم کے کسی دُوسرے پر صادق نہیں آتے۔

ناظرین! اِن حوالجات میں آپ نے دیکھ لیا کہ حضرت موسیٰؑ حضرت داؤدؑ حضرت سلیمانؑ حضرت یسعیاہؑ اور حضرت حبقوقؑ کی کتابوں میں آنحضرت کا حلیہ آپؐ کا خاندان۔ آپؐ کی جائے ولادت' آپ کی ہجرت اور آپؐ کی حیاتِ طیبہ کے اہم واقعات و علامات و مقامات کا ذکر نہایت صفائی سے مُوجود ہے۔

اسی طرح کے بہت سے دیگر حوالے بھی ہیں۔ لیکن ہم اس جگہ انہیں پر اکتفا کرتے ہیں[1]۔ واللہ الہادی۔

بعض اِرہاصات

"ارہاص" دیوار کی بُنیاد محکم کرنے کو کہتے ہیں (نہایہ) اور اصطلاح میں اُن خارقِ عادات امور کو کہتے ہیں جو کسی نبی برحق کے متعلّق اُس کی نبوّت کے ظہور سے پیشتر واقع ہوتے ہیں۔ گویا نبوّت کی بنیاد رکھی جاتی ہے۔

جب بحیرا راہب کے قصّے کا ذکر آگیا۔ اور اُس میں بقولِ اہلِ سیرت بعض اِرہاصات کا ذکر بھی ہے جن کو ہم نے بوجہ ضعفِ سند نقل نہیں کیا۔ تو بعض دیگر امور جو بطور اِرہاص واقع ہوئے اور کتبِ حدیث میں مروی ہیں، اُن کا ذکر کر دینا مناسب معلوم ہوتا ہے۔

---

[1] آنحضرتؐ کی بشارات کے متعلّق اس امیدوار شفاعت نے دو کتابیں لکھی ہیں اوّل بشاراتِ محمّدیہ جس میں ایک بشارت سام وید میں سے بھی بتائی گئی ہے جس کا جواب کسی آریہ نے نہیں دیا۔ اب یہ کتاب بعینہٖ تو نہیں ملتی ہاں بنام محمدؐ رشی دفتر اخبار اہلحدیث امرتسر سے شائع ہوئی تھی، اُس میں سام وید والی بشارت (باقی ۲۲۴ پر)

حافظ ابن حجرؒ نے شرح بخاری کے مقدمہ میں فرمایا۔ کہ اس شرح میں دیگر (کتب حدیث) مسانید وجوامع میں سے جو کچھ نقل کروں گا۔ وہ بشرطِ صحت و حُسن ہوگا (صفحہ ۴ مطبوعہ دہلی) لہذا ہم بنظرِ اختصار و اعتبار اُن امور کو فتح الباری سے نقل کرکے اپنے ناظرین کے سامنے رکھ دیتے ہیں۔

آپؐ کی ولادت کے نزدیک اور اُس کے بعد آپؐ کی نبوت کے علامات میں سے جو کچھ ظاہر ہُوا ان میں سے ایک وہ ہے جسے طبرانی نے عثمان بن ابی العاص ثقفیؓ سے اور اُس نے اپنی والدہ سے روایت کیا۔ کہ میں آنحضرتؐ کی والدہ (ماجدہ حضرت) آمنہ (خاتون) کے پاس تھی۔ جب آپ کو دردِ زِہ شروع ہُوا تو میں نے ستاروں کو دیکھا کہ وہ نیچے جُھک رہے ہیں۔ حتّٰی کہ میں نے گمان کیا۔ کہ وہ مجھ پر گر پڑیں گے، جب آپ وضع سے

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۲۲۳ کا) لفظ بلفظ منقول ہے۔ دُوسری کتاب وہ نبی اور عہد کا رسُول ہے۔ یہ کتاب تاریخی اور جاگریفیکل حوالجات سے مزین کی گئی ہے۔ اور غالبًا اپنی نوعیت کی سب کتابوں پر فوقیت رکھتی ہے ۱۲ منہ

فارغ ہوئیں تو آپ سے ایک نور نکلا جس سے وہ گھر اور وہ محلہ روشن ہوگیا۔ اور اس حدیث کی شاہد عرباض بن ساریہؓ کی حدیث ہے۔ جو کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کو فرماتے سنا کہ میں اللہ کا بندہ ہوں، اور میں (خدا کے علم میں) اُس وقت بھی خاتم النبیین تھا۔ جبکہ حضرت آدمؑ گیلی مٹی میں پڑے ہوئے تھے، اور ابھی تم کو اُس کی حقیقت بتاتا ہوں۔ میں اپنے باپ ابراہیمؑ کی دُعا[1] اور حضرت عیسیٰؑ کی بشارت ہوں جو انہوں نے میری بابت کی تھی۔ مولانا حالی مرحوم فرماتے ہیں:

ہوئے پہلوئے آمنہ سے ہویدا
دُعائے خلیل اور نویدِ مسیحا

اور اپنی والدہ ماجدہ کی رؤیت ہوں جو انہوں نے دیکھی تھی، اور انبیاء علیہم السلام کی مائیں اسی طرح دیکھتی آئی ہیں اور بیشک رسول اللہ کی والدہ (ماجدہ) نے بھی آپ کی ولادت کے وقت ایک نور دیکھ

[1] اس میں حضرت ابراہیمؑ کی دعا رَبَّنَا وَابْعَثْ فِيهِمْ رَسُولًا (پ۱) اور حضرت عیسیٰؑ کی بشارت مُبَشِّرًا بِرَسُولٍ يَأْتِي مِنْ بَعْدِي اسْمُهُ أَحْمَدُ (پ۲۸ صف) کی طرف اشارہ ہے ۱۲ منہ

جس سے شام کے محلات روشن ہو گئے، روایت کیا اس حدیث کو امام احمدؒ نے اور صحیح کہا اس کو ابن حبانؒ نے اور امام حاکمؒ نے اور حضرت ابو امامہؓ کی حدیث میں بھی اسی طرح ہے، جو امام احمدؒ نے روایت کی اور امام ابن اسحاقؒ نے ثور بن یزیدؒ سے اور اُس نے خالد بن معدانؒ سے اور وہ آنحضرتؐ کے صحابہؓ سے اسی طرح روایت کرتے ہیں۔ اور کہا کہ علاقہ شام کا شہر بصریٰ روشن ہو گیا۔ اور امام ابن حبانؒ اور حاکمؒ نے آپ کی شیر خوارگی کے قصے میں ابن اسحاق کے طریق سے باسنادِ دایہ حلیمہ سعدیہؓ ایک لمبی حدیث بیان کی اُس میں علاماتِ (نبوت) میں سے یہ بھی ہیں:" اُس کی چھاتیوں میں دودھ کا زیادہ ہو جانا اور اُس کی اُونٹنی کا دُودھ دینا۔ حالانکہ وہ زیادہ لاغر ہو گئی تھی۔ اور آپؐ کی سواری کے گدھے کا تیز رَو ہو جانا" اور اُس کے بعد دایہ حلیمہ کی بکریوں کا دُودھ زیادہ ہو جانا اور اُس کے علاقہ کی زمین میں پیداوار کی فراوانی اور اُس کی کاشت کا بہت جمنا اور اُگنا۔ اور دو فرشتوں کا آپ کا سینہ مبارک شق کرنا۔ اور اس آخری بات یعنی شق صدر کو امام مسلم

نے حضرت انسؓ کی حدیث سے روایت کیا ہے۔ کہ نبی کریم صلعم کے پاس حضرت جبریلؑ آئے۔ جبکہ آپ (بچپن میں) لڑکوں کے ساتھ کھیل رہے تھے۔ پس آپ کو پکڑا اور لٹا دیا۔ اور آپ کے قلب کو چیر کر اُس سے جما ہوا خون نکالا۔ اور کہا یہ آپ سے شیطان کا حصّہ تھا (جو نکال ڈالا ہے) پھر اُسے یعنے آپ کے دِل کو سنہری طشت میں (رکھ کر) آبِ زمزم سے دھویا۔ پھر اُسے جمع کر دیا۔ اور اُس کے ٹھکانے پر رکھدیا۔ الحدیث۔

اور مخزوم بن ہانی مخزومی کی حدیث میں ہے۔ وہ اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں۔ اُس نے کہا (اور اُس وقت اُس کی عمر ایک سو پچاس برس ہو چکی تھی)۔ کہ جس رات کو آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم تولد ہوئے۔ کسرائے ایران کا محل ٹوٹ گیا۔ اور اُس کے چودہ کنگرے گر پڑے اور (آتش پرست) فارسیوں کی (عبادت کی) آگ بجھ گئی۔ اور وہ اُس سے پہلے ایک ہزار سال سے کبھی نہ بجھی تھی۔ اور بحیرہ ساوہ کا پانی نیچے چلا گیا۔ اور مؤبدان ایرانی نے دیکھا کہ سخت اور قوی اونٹ اچھے اچھے

گھوڑوں کو کھینچ رہے ہیں۔ اور دریائے دجلہ کا پانی، ٹوٹ گیا ہے۔ اور اُس کے گرد کے شہروں میں منتشر ہو گیا ہے۔ جب کسریٰ صبح کو اُٹھا۔ تو اُسے اِس واقعہ سے گھبراہٹ ہوئی اور اُس نے اپنے اہلِ مملکت سے دریافت کیا۔ تو اُنھوں نے سطیح (کاہن) کی طرف پیغام بھیجا۔ پھر سارا قصّہ بطوالت مذکور ہے۔ روایت کیا اس کو ابنِ سکن وغیرہ نے معرفۃ الصحابہ میں۔ (مترجماً فتح الباری مطبوعہ دہلی جلد ۱۴ صفحہ ۳۲۵)۔

بچپن میں آنحضرتؐ کی گلّہ بانی

بچپن میں آپؐ نے بکریاں بھی چرائی ہیں۔ لیکن ملازمت اور وجہِ معاش کے لئے نہیں۔ بلکہ وہ بکریاں آپؐ کی اپنی تھیں جن کی حفاظت و پرورش آپؐ کا فرض تھا۔ ہم اس امر کو ذرا تفصیل سے بیان کرنا چاہتے ہیں۔ کیونکہ بعض عیسائی اور اُن کی دیکھا دیکھی دیگر غیر مسلم مصنفوں نے کجروی سے سیدھی سادی بات میں بھی لوگوں کو غلطی میں ڈالنا چاہا ہے۔ دل ٹیڑھا ہو جائے، نیت فاسد ہو جائے۔ تعصّب کا بھوت سوار ہو جائے تو ہر صاف و سادہ

بات کو بھی ٹیڑھا کر سکتے ہیں۔ منطقیوں کا مشہور مقولہ ہے لَا حَجْرَ فِي التَّصَوُّرِ (سلم العلوم صـ ۲) یعنی تصور ہر شئے کے متعلق ہو سکتا ہے اُس میں کسی طرح کی رکاوٹ نہیں۔ صحیح اور غلط ہر دو امروں کے متعلق ہو سکتا ہے سو معلوم ہو کہ آپؐ کا آبائی پیشہ تجارت تھا۔ چنانچہ آپؐ کے والد ماجد عبداللہ اور آپؐ کے پردادا ہاشم اور اُن کے بھائی مطلب[1] سب اپنے اپنے وقتوں میں تجارتی سفروں ہی میں فوت ہوئے (کامل ابن اثیر جلد ۱)

آپؐ بھی پہلی عمر میں تجارت میں پڑے۔ لیکن قدرت نے آپؐ کو دُنیا جہان کی رہنمائی کے لئے پیدا کیا تھا۔ اس لئے آپؐ کو تجارت پر جمنے نہ دیا۔ بلکہ آپؐ کے دل میں دُنیا سے بے رغبتی و نفرت اور تنہائی و خلوت کی محبت اور اپنے خالق کی یاد کی اُلفت ڈالدی۔ جیسا کہ انشاء اللہ آئندہ عنوان "عطائے نبوت" میں مذکور ہوگا۔ اور کچھ عرصہ تک جو بکریاں چرائیں۔ تو اُس میں بھی قدرت کی عمیق حکمت تھی۔ کہ چونکہ آپؐ کو عوام کالانعام کی اصلاح و تربیت اور شیطانی[2] حملوں سے

---

[1] ان کا ذکر باب اوّل میں صفحہ ۸۲ پر گذر چکا ہے' امام شافعی انہی کی نسل سے ہیں [2] قال النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم الشَّيْطَانُ ذِئْبُ الْإِنْسَانِ الحدیث (مشکوٰۃ صفحہ ۲۳) یعنی شیطان انسان کا بھیڑیا ہے۔ ۱۲ منہ

اُن کی حفاظت کا عُہدہ جلیلہ سپرد کرنا تھا۔ اس لئے بکریوں کی گلہ بانی سے آپ کو ٹریننگ و عملی تعلیم دی گئی اور اسی راز کے پردے میں ہر نبی سے بکریاں چروائیں۔ چنانچہ صحیح بخاری میں ہے:۔ مَا بَعَثَ اللّٰهُ نَبِيًّا اِلَّا رَعَى الْغَنَمَ فَقَالَ اَصْحَابُهٗ وَاَنْتَ فَقَالَ نَعَمْ، كُنْتُ اَرْعَاهَا عَلٰى قَرَارِيْطَ لِاَهْلِ مَكَّةَ (کتاب الاجارہ)
"یعنے آپ نے فرمایا۔ کہ جس نبی کو بھی خدا نے مبعوث کیا ہے، اس نے بکریاں چرائی ہیں۔ صحابہؓ نے عرض کیا حضور کیا آپ نے بھی؟ آپ نے فرمایا۔ ہاں! اہل مکّہ کے قراریط پر[1]۔

---

[1] تشریح۔ قراریط کے معنے میں اختلاف ہے۔ سُوَید بن سعید جو امام ابن ماجہ کے شیخ الحدیث ہیں۔ کہتے ہیں۔ کہ اِس سے مراد نقدی کا سکّہ ہے، اور امام ابراہیم حربیؒ اور شیخ سعدیؒ کے اُستادِ حدیث ابن جوزیؒ اور اُن کے شیخ ابن ناصرؒ وغیرہم کہتے ہیں، کہ قراریط سے سکہ نقدی مراد نہیں ہے (کیونکہ اس زمانہ میں مکہ میں اِس سکہ کا رواج نہیں تھا۔ ہاں مصر میں تھا) بلکہ یہ ایک مقام کا نام ہے جو مکہ شریف میں جیاد کے قریب ہے، اور ایک دُوسری روایت میں جیسے عینیؒ نے اسی حدیث کی شرح میں نقل کیا ہے۔ یہ لفظ ہیں۔ "كُنْتُ اَرْعٰى غَنَمَ اَهْلِيْ بِجِيَادٍ وَهُوَ دَ ابی (بر صفحہ ۲۳۱ پر)

حربِ فجار

سیرت ابن ہشام میں ہے۔ کہ جب آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عمر چودہ یا پندرہ سال کی ہوئی۔ تو قریش اور بنی قیس میں ایک خونریزی

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۲۳۰ کا) مَوْضَعٌ بِاَسْفَلِ مَكَّةَ (جلد ۵ صفحہ ۲۰۱)

اور بخاری کی روایت میں لِاَهْلِ مَكَّةَ کا جو لفظ ہے۔ اس سے کسی کو یہ وہم نہ پڑے کہ یہ بکریاں شہر مکہ میں سے کسی غیر کی تھیں بلکہ اس کے معنے یہ ہیں۔ کہ قراریط جو اہل مکہ کا ایک مقام ہے اور جہاں وہ لوگ بکریاں چرایا کرتے تھے۔ میں بھی وہاں چرایا کرتا تھا۔ اور یہ لفظ قراریط کی صفت ہے، اور اَرْعَاهَا کے متعلق نہیں ہے کیونکہ مذکور الفوق روایت میں لِاَهْلِي کا لفظ موجود ہے، اسی طرح حافظ ابن حجرؒ نے امام نسائیؒ کے حوالے سے غَنَماً لِاَهْلِي کے الفاظ نقل کیئے ہیں۔ اسی طرح مورخ سہیلیؒ نے بھی شرح سیرت ابن ہشامؒ میں اس امر کا ذکر کیا ہے (صفحہ ۱۱۲ جلد ۱) اور اگر کسی کو یہ وہم گذرے کہ امام بخاریؒ نے اس حدیث کو کتاب الاجارہ میں ذکر کیا ہے، اور یہ اُسی صورت میں درست بیٹھ سکتا ہے۔ جب قراریط سے سکہ نقدی مراد لیا جائے، تو اس کا جواب یہ ہے کہ صحیح بخاری کے تراجم الابواب کا فہم اور (باقی صفحہ ۲۳۲ پر)

شروع ہو گئی' جسے حرب فجار (بکسر الفاء) کہتے ہیں چونکہ یہ لڑائی ماہ حرام میں شروع ہوئی - اور

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۲۳۱ کا) اُن کے ذیل کی احادیث میں اُن سے مطابقت دینا ایک دقیق امر ہے' بڑے بڑے لائق شرّاح کو اِن میں بہت بہت مشکلات پڑی ہیں - اِسی لئے مؤرخ ابن خلدون کہتے ہیں' کہ یہ اُمت پر ایک قرض ہے (جس سے وہ ابھی سبکدوش نہیں ہوئی) امام بخاریؒ نے اِس امر کی ہرگز ہرگز تصریح نہیں کی - کہ قراریط سے مراد سکہ نقدی ہے اور نہ ایسے الفاظ لکھے ہیں جن سے ہم کو مترددہ سکہ نقدی والے معنے کرنے پڑیں - بلکہ قراریط کے متعلق جو دو قول ہیں اُنہیں میں سے ہر ایک کے لئے گنجایش ہے کیونکہ آپ کے الفاظ یہ ہیں بَابُ رَعْيِ الْغَنَمِ عَلٰى قَرَارِيْط اگر اس قراریط سے مراد سکہ لیا جائے تو علیٰ معاوضہ کے لئے ہوگا - اور اگر مقام کا نام ہو - تو بمعنی بؔ ہوگا - جو ظرفیت کے لئے ہوگا اور حروفِ جارہ عام طور پر ایک دوسرے کے معنی میں مستعمل ہوتے ہیں' اور ایسے موقع پر ہماری زبان میں بھی لفظ (پر) دونوں معنوں کے لئے آتا ہے - معاوضہ کے لئے بھی اور ظرفیت کے لئے بھی' پس امام نسائی کی روایت کو سامنے رکھنے سے حدیث بخاری اور اُس کے ترجمۃ الباب کے معنے مقام قراریط پر بکریاں چرانا ہوئے - اور کتاب الاجارہ میں لانے کا جواب یہ ہے کہ امام بخاری کی مراد یہ ہے کہ جس پیشہ کا کرنا جائز ہے' اس کا اجارہ بھی جائز ہے' جب آنحضرتؐ بکریاں چرانا اپنا اور انبیائے سابقین کا کام فرما رہے ہیں - تو اس کا اجارہ بھی جائز ہے' (باقی حاشیہ صفحہ ۲۳۳ پر)

اِس میں اَدب کے مہینوں کی حُرمت توڑی گئی اِس لئے اِس کا نام حَرب فجار یعنی نافرمانی اور گناہ کی لڑائی رکھا گیا۔

(بقیہ حاشیہ ۲۲۲ کا) ھذا ما خطر ببالی الفاتر وسنح لی وقل من تنبہ علی ھذا وللہ الحمد۔

غرض سُنتِ انبیائے سابقین کی موافقت میں آپ نے بھی بکریاں چرائیں علامہ عینی نے اسی حدیثِ بخاری کی شرح میں بحوالہ امام نسائی ایک اور حدیث بھی نقل کی ہے، کہ آنحضرتؐ نے فرمایا بُعِثَ مُوْسٰی وَھُوَرَاعِیْ غَنَمٍ وَبُعِثَ دَاؤدُ وَھُوَرَاعِیْ غَنَمٍ (جلد ۵ صفحہ ۱۴۲) یعنی مبعوث ہوئے موسیٰؑ اور وہ بکریاں چراتے تھے۔ اور مبعوث ہوئے داؤدؑ اور وہ بھی بکریاں چراتے تھے۔

علامہ عینیؒ نے ذکر کیا کہ آنحضرتؐ کی عمر اُس وقت کوئی بیسؔ سال کی ہوگی جیسا کہ محمدؒ بن اسحٰقؒ اور واقدی کے کلام کے استقراء سے معلوم ہو سکتا ہے۔

مولانا شبلی مرحوم نے سیرۃ النبی میں ذکر کیا ہے کہ "فرانس کے ایک مؤرخ نے لکھا ہے۔ کہ ابوطالب چونکہ محمد (صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) کو ذلیل رکھتے تھے، اس لئے اُن سے بکریاں چرانے کا کام لیتے تھے۔" (جلد ۱ صفحہ ۱۲۸)۔

اِسی طرح ہم کو جزیرہ جاوہ کے شہر سورابیہ سے اہلحدیث کانفرنس بلی کی معرفت ایک تحریر انگریزی زبان میں پہنچی تھی۔ جو کسی غیر مسلم معترض کی تحریر کا ترجمہ تھا۔ اُس میں لکھا تھا کہ آپ بیسؔ برس کی عمر تک بھیڑ بکری چراتے رہے۔ (باقی حاشیہ بر صفحہ ۲۲۴)

قاموس میں اُس وقت آنحضرتؐ کی عمر بیس سال کی لکھی ہے۔ اور سیرت ابن ہشام میں بھی محمدؒ بن اسحٰق کی روایت میں بیسؔ سال کی لکھی

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۲۲۳ کا) جو بچوں اور غلاموں کا کام تھا۔
اس کا جواب یہ ہے کہ ابو طالب کو جو اُلفت و محبت اپنے یتیم بھتیجے سے تھی وہ دُنیا۔ جہان کے چچاؤں سے زالی تھی' بلکہ اکثر باپوں سے بھی بڑھ کر تھی۔ دُنیا میں اس کی نظیر یں ملیں گی تو سہی لیکن بہت کم۔ آنحضرتؐ اُن کی آنکھ کا تارا اور دِل کا سہارا تھے' ایسی صورت میں معاذ اللہ آپ کو ذلیل رکھنے کے خیال سے کیوں بکریاں چروانے والے تھے' نیت

(باقی بر صفحہ ۲۳۵)

لے اس عاجز نے اس تحریر کا جواب آل انڈیا اہلحدیث کانفرنس کی فرمائش سے بنام سیرت محمدیہ لکھا۔ اور اس کا ترجمہ کراکر انگریزی میں بھی چھپوایا گیا۔ وہ ترجمہ جاوہ میں بھیجا گیا۔ جنہوں نے اُسے ملایا زبان میں ترجمہ کراکر بتعداد بچاس ہزار اور پھر ڈچ زبان میں ترجمہ کراکر بتعداد پانچ ہزار طبع کراکر اُس ملک جاوہ میں تقسیم کیا۔ اور خود کانفرنس نے اُردو مسودہ بہ تعداد دو ہزار اور انگریزی غالباً ایک ہزار چھپواکر ملک ہند میں مفت تقسیم کیا۔ اس کے بعد متعدد دفعہ اس خاکسار مصنف نے اُردو مسوّدہ کو اپنی لاگت و خرچ سے کئی دفعہ چھپوایا ہے۔ یہ قبولیت خدا کا فضل ہے۔ میری لیاقت و قابلیت کا نتیجہ نہیں ہے۔ اُردو سیرتِ محمدیہ۔ علاوہ محصولڈاک ۸ر (محمد ابراہیم میر سیالکوٹی)

ہے۔ لیکن حدیث میں خود آنحضرتؐ جو اپنی شرکت کی صورت فرماتے ہیں۔ اس سے چودہ پندرہ سال کی عمر صحیح معلوم ہوتی ہے۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۲۳۴ کا)
بد ہو تو سیدھی بات کو ٹیڑھا کرتے دیر نہیں لگتی وہ آپ کو ذلیل رکھنے کے خیال سے بکریاں نہیں چرواتے تھے بلکہ حقیقت یہ تھی کہ وہ لوگ سادی اور بے تکلف زندگی بسر کرتے تھے، شرفا و معززین کو آجکل کے نازک طبع لوگوں اور بگڑے ہوئے امیروں یا امیرزادوں کی طرح اپنے گھر کے کام کاج اور رنج کے اشغال کو اپنے ہاتھوں سے کرنے میں کسی قسم کی عار نہیں تھی اور نہ ہونی چاہئے، جو شخص اپنے کام خود نہیں کرتا۔ وہ اپاہج ہے، وہ اپنی جان پر بوجھ ہے۔ اور وہ کسی کے کیا کام آسکتا ہے۔

سر ولیم میور اپنی مشہور کتاب لائف آف محمدؐ میں آپ کے بکریاں چرانے کے متعلق لکھتے ہیں:۔ "ہاں محمد (صلعم) کے زمانے میں معزز خاندانوں کے لڑکوں کے لئے یہ کام غیر معمولی اور موجبِ خفت و سبکی نہ تھا۔ چنانچہ ہم ایک اور قریشی نوجوان کی بابت بھی پڑھتے ہیں، جو محمد (صلعم) کے ساتھ اپنے ہی ریوڑ چرانے کا کام کرتا تھا۔" (جلد ۲ صفحہ ۱۳) (بقیہ حاشیہ ۲۳۶ پر)

اِس لڑائی کی تفصیل بہت طویل ہے ۔ لیکن ہم اِس کا اُتنا ہی حِصّہ ذکر کریں گے ۔ جِسے آنحضرتؐ کی سیرت سے تعلق ہے، اس لڑائی میں قریش کا سالارِ اعظم ابو سفیان کا باپ حرب بن امیّہ تھا،

(باقی حاشیہ صفحہ ۲۳۵ کا ملاحظہ ہو)

دیگر یہ کہ عرب و فلسطین میں ابراہیمی نسل کے شرفاء میں یہ امر حقیر نہیں سمجھا جاتا تھا ۔ اسی لیئے کہ اِن لوگوں کے تموّل و دولتمندی کی بضاعت یہی بھیڑ بکریاں جانور ہی ہُوا کرتے تھے، جیسا کہ ہم پُرانی تاریخوں میں سامٹک رسامی) قوموں کے حالات میں جو شیریا اور عرب میں آباد تھے، پڑھتے ہیں ۔ اور بائبل میں جدِ انبیاء حضرت ابراہیمؑ اور اُن کی اولاد حضرت اسمٰعیلؑ و اسحٰقؑ اور پھر اُن کی اولاد اور اُن کے بھتیجے لوطؑ اور حضرت ایوبؑ وغیرہم ۔ کے حالات میں اُن کی کثیر التعداد بھیڑ بکریوں کے ریوڑوں کا صریح ذکر ہے، یہ سب بزرگ انبیاءؑ حسب و نسب اور اخلاق و آداب اور عزت و حرمت اور شرافت و وقار اور قبولیتِ عامہ میں بلا نزاع شرفا ۔ اور معزز تھے، اسی طرح ہم ہندوستان کے قدیم معزز شرفاء اور معزز خاندانوں کے حالات میں بھی پاتے ہیں ۔ کہ بھیڑ بکریوں کے گلے اُن کی منقولہ جائداد ہوتی تھی چنانچہ تاریخ ہند مصنفہ سنہا ایم ۔ اے اور (باقی بر صفحہ ۲۳۷)

اور آنحضرتؐ کے اپنے چچا بھی اس میں شامل تھے
چونکہ قریش بر سر حق تھے، اور اپنے خاندان کی عزت
وحرمت کا پاس بھی ملحوظ تھا۔اس لئے آنحضرتؐ اپنے
چچاؤں کی رفاقت میں لڑائی میں شامل تو ہو گئے
لیکن عملی طور پر گہری دلچسپی نہ لی۔چنانچہ علامہ سہیلی
شارح سیرت ابن ہشام فرماتے ہیں:۔
وانما لم یقاتل رسُولُ اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۲۳۶ کا)
گیرٹ ایم۔اے صاحبان میں قوم دراوڑ (Dravidian)
کی تہذیب و تمدن کے متعلق لکھا ہے :" وہ (دراوڑ) قوم کول کی
نسبت تہذیب و تمدن میں بہت بڑھے ہوئے تھے۔اور فن
زراعت سے بہتر واقف تھے اور اُن کے مویشیوں کے گلے باافراط تھے"
غرض بھیڑ بکری اور اونٹ گائے وغیرہ جانوروں کے گلّوں کا
مالک ہونا اور اُن کی نگہبانی کرنا اُس زمانہ کے شرفاء میں بکثرت
تھا۔لہذا معترضین کا اعتراض کہ ابو طالب (معاذ اللہ) آنحضرتؐ
کو ذلیل رکھنے کے خیال سے آپ سے بکریاں چرانے کا کام
لیتے تھے، یا یہ کہ یہ پیشہ بچوں اور غلاموں کا تھا ہرگز درست
نہیں۔تمّ والحمد للہ الملہم ۱۲ منہ

مع اعمامہ (وکان ینبل علیہم)، وقد کان بلغ سن القتال لانہا کانت حربَ فِجَار وکانوا ایضاً کلہم کفار اولم یاذنِ اللّٰہ تعالیٰ لمؤمن ان یقاتل الا لتکون کلمۃُ اللّٰہ ھی العلیا (جلد۱ صفحہ ۱۲۰) یعنی آپؐ نے اس جنگ میں اپنے چچاؤں کے ساتھ بنفس نفیس شریک ہو کر جنگ نہیں کی (ہاں ان کو تیر پکڑاتے تھے) حالانکہ آپؐ لڑائی کی عمر کو پہنچ چکے تھے، وجہ یہ تھی کہ لڑائی گناہ کی تھی (جو ماہِ حرام میں شروع ہوئی) نیز وہ سب کافر تھے اور مومن کو خدا تعالیٰ نے قتال کی اجازت نہیں دی۔ مگر اس لئے کہ خدا کا کلمہ بلند ہو۔ (اور وہ اس میں مقصود نہیں تھا)

لیکن قاموس میں ہے :۔ حضرھا النبیّ صلے اللّٰہ علیہ وسلم وھو ابن عشرین وفی الحدیث کنتُ انبل علیٰ عمومتی یوم الفجار ورمیت فیہ بالسھم وما اُحِبُّ اَنِّیْ لم اکن فعلت (زیر مادہ فجر[1]) یعنے آنحضرتؐ

---

[1] حرب فجار ہوئی تو ماہِ ذوالقعدہ میں جو اشہر حرم میں سے ہے جس کی وجہ سے اس کا نام فجار پڑا۔ لیکن اس کا سلسلہ کئی سال تک جاری رہا۔ ایک دفعہ تو عبد اللہ بن جُدعان کی کوشش سے (جن کا ذکر انشاءاللہ حلف الفضول میں آئے گا) صلح ہو گئی۔ اور لڑائی کئی سال تک بند رہی۔ لیکن پھر ایک ناگوار بات سے بگڑ گئی۔ (باقی بر صفحہ ۲۳۹)

اس لڑائی میں شریک ہوئے جبکہ آپ کی عمر بیس سال کی تھی۔ چنانچہ حدیث میں ہے کہ میں اپنے چچاؤں کو تیر اُٹھا اُٹھا کر دیتا تھا۔ اور خود میں نے بھی چند ایک تیر چلائے تھے اور مجھے (یہ کہنا پسند نہیں

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۲۳۸ کا) اور چار سال تک جاری رہی، اس دُوسری دفعہ کے سلسلہ میں جس سال کی لڑائی میں آنحضرتؐ بھی شریک ہوئے، وہ ماہ شوال میں ہوئی تھی (کاتب الواقدی صفحہ ۲۴) جو اشہر حرم سے پہلے پڑتا ہے اس لئے آنحضرتؐ فرماتے ہیں کہ مجھے یہ کہنا پسند نہیں کہ میں نے یہ نہ کیا ہوتا۔ (جیسا کہ قاموس کے حوالہ سے اوپر مذکور ہو چکا ہے) لیکن چونکہ اس خونریز جنگ کی ابتدا ادب کے مہینے ذوالقعدہ میں ہوئی تھی اس لئے اس کا نام وہی حرب فجار رہا۔ ہر چند کہ آنحضرتؐ اُس وقت بعہدہ نبوّت ممتاز نہیں ہوئے تھے۔ لیکن پھر بھی چونکہ نبی قبل از نبوت بھی معصوم ہوتا ہے، اس لئے خدا تعالےٰ نے آپ کو ماہ حرام کی حرمت ٹوٹنے والے سال میں شریک ہونے سے بچا لیا اور جس میں شریک کیا وہ ادب کے مہینے میں واقع نہ ہوئی تھی بلکہ شوال میں ہوئی تھی۔ فافہم۔
تنبیہ۔ ادب کے مہینے چار ہیں۔ تین متوالی یعنی پے درپے (ذوالقعدہ، ذوالحج اور محرم) اور ایک الگ یعنی رجب جو ساتواں مہینہ ہے، یہ حکم حج اور تجارت کے لئے ملک میں امن قائم رکھنے کے لئے ہے، ذوالحج حج کے لئے اور ذوالقعدہ اور محرم حج کو جانے اور وہاں سے واپس ہونے کے لئے (باقی برصفحہ ۲۴۰)

کہ میں نے یہ نہ کیا ہوتا)۔[1]

خاتمۂ جنگ ابتدا میں قیس غالب آئے لیکن انجام کار اُن کو شکست ہوئی اور میدان قریش کے ہاتھ رہا۔ قیس بھاگتے وقت آئندہ سال مقامِ عُکاظ پر جمع ہو کر جنگ کرنے کی سناتے گئے تھے، اس لئے بنی قیس حسب وعدہ دُوسرے سال میدان میں آئے۔ لیکن عُتبہ بن ربیعہ قریشی جو ابھی لڑکے تھے، اُونٹ پر سوار ہو کر خود بخود میدان میں آ گئے، اور صلح کی آواز دے دی اور جنگ بند ہو گئی عربوں میں یہ بات "زبان

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۲۳۹ کا) اور رجب سال کے درمیان میں تجارت میں امن کے لئے ۱۲ منہ

[1] سیرت ابن ہشام میں اس حدیث کا حوالہ بالاختصاص موجود ہے پھر بھی مولنا شبلی مرحوم فرماتے ہیں "چونکہ قریش اس جنگ میں برسرِ حق تھے، اور خاندان کے ننگ و نام کا معاملہ تھا۔ اس لئے رسول اللہ صلعم نے بھی شرکت فرمائی۔ لیکن جیسا کہ ابن ہشام نے لکھا ہے آپ نے کسی پر ہاتھ نہیں اُٹھایا۔ امام سہیلیؒ نے صاف تصریح کی ہے کہ آنحضرتؐ نے خود جنگ نہیں کیا۔ ان کے الفاظ یہ ہیں"۔ (اس کے بعد سہیلی کی مذکورہ بالا عبارت نقل کی ہے اور وہ الفاظ (وکان ینبل علیہم) جو ہمارے حوالہ میں تو تبیین میں ہی نقل نہیں کئے، ہمارے پاس[2] "الروض الانف" کا جو نسخہ ہے وہ مطبع جمالیہ مصر میں ۱۳۳۲ھ/۱۹۱۴ء کا طبع شدہ ہے۔ ۱۲ منہ

زد ہوگئی۔ کہ کوئی تنگدست قریشی سوائے عُتبہ اور اور ابوطالب کے قوم کا سردار نہیں ہوا' یہ دونوں (ذاتی قابلیت کی وجہ سے) بغیر مال کے قوم کے سردار ہوگئے (سہیلی جلد ۱ صفحہ ۱۲۱)

سُوقِ عُکاظ

جس طرح آج کل بعض شہروں میں تجارتی منڈیاں بازار۔ ہاٹ۔ میلے۔ اور نمائشیں لگتی ہیں۔ کہ وہاں پر دور و نزدیک سے لوگ جمع ہوتے اور فروخت کے لئے ہر قسم کا مال لاتے ہیں۔ اسی طرح عُکاظ میں ماہ ذوالقعدہ میں بڑا بھاری بازار لگتا تھا۔ سر ولیم میور اس کی خصوصیت کی نسبت فرماتے ہیں:۔

"(۱) ماہ ذوالقعدہ میں جو حج کے مہینے سے پیشتر پڑتا ہے۔ عُکاظ[1] میں ایک سالانہ میلہ لگتا تھا۔ مکہ (شریف) سے تین دن کی مسافت پر سایہ دار کھجوریں اور ٹھنڈے چشمے مسافروں اور تاجروں کے لئے کڑے سفروں کے بعد عمدہ آرام گاہ بناتے تھے"۔ (صفحہ ۱)

---

[1] عکاظ کا محل وقوع طائف اور نخلہ کے درمیان ہے (لائف آف محمدؐ صفحہ ۱ فٹ نوٹ)

(۲) اس سالانہ اجتماع میں ایک نہایت عمدہ سبق بھی ملتا تھا۔کہ عرب کی اس رزمگاہ میں مسیحیت کے نمائندے بھی حاضر ہوتے تھے۔اور اگر ہم روایت کا اعتبار کریں تو کہہ سکتے ہیں کہ محمدؐ (صلعم) نے اپنے لڑکپن میں قُسّ بن ساعدہ کی سماعت ضرور کی۔جو علاقہ نجران کا بشپ تھا۔وہ زوردار اور بلیغ دلائل میں اہل مکہ کی نسبت زیادہ صاف پاکیزہ مذہب کی تبلیغ کرتا تھا! صفحہ ۷)

(۳) انہی دلائل نے محمدؐ (صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی روح کو بیدار کیا اور اُبھارا"

(۴) اس موقع پر یہودی بھی پوری سرگرمی اور جوش سے حاضر ہوتے تھے جو عیسائیوں کی نسبت شمار میں تو بہت تھے، لیکن مساوی طور پر ایک ہی الہامی کتاب (توریت) کی تبلیغ کرتے تھے، اس طرح اس سالانہ نظارہ نے بیشک محمدؐ (صلعم) کے دل پر جب کہ آپ جوان ہوئے گہرا اثر ڈالا" (صفحہ ۸)

(۵) آپ کا میلان و تعارف عیسائیوں کی نسبت یہودیوں کی طرف زیادہ تھا۔کیونکہ بچپن میں آپ نے اُن کو مدینہ میں دیکھا تھا۔اور اُن کی عبادت کا حال

سُنا تھا۔ اور اُن کی عزت و حرمت سیکھی تھی کہ وہ ایسے آدمی ہیں جو خدا سے ڈرتے ہیں۔" (صفحہ ۸)

"(۲) بلاشک عیسائیوں اور یہودیوں کی صحبت نے جو اِس بڑے میلہ میں کثرت سے ہوتی تھی۔ پیغمبر صاحب کے دل میں خیالات و تصورات پیدا کر دیئے یقیناً پیغمبر صاحب نے اپنی پچھلی عمر میں قُس بن ساعدہ کی یاد[1] کا تسی سے حوالہ دیا جو کہ اس جگہ دین حنیفی (یعنی دین ابراہیمی) کی تبلیغ کرتا تھا" (صفحہ ۹)

---

[1] قس بن ساعدہ کا کچھ ذکر سر ولیم میور صاحب نے کاتب الواقدی سے نقل کیا ہے، کہ جب بنی بکر بن وائل کا وفد مدینہ میں آیا۔ تو ان میں سے ایک نے آنحضرتؐ سے یوں خطاب کیا۔ کیا آپ قُس بن ساعدہ کو جانتے ہیں؟ آنحضرتؐ نے جواب دیا لیس ھو منکم ھذا رجل من ایاد تحنف فی الجاھلیۃ فوافیٰ عکاظ والناس مجتمعون فتکلم بکلامہ الذی حُفِظ عنہ (لائف آف محمدؐ جلد دوم حاشیہ صفحہ ۱۰) یعنی وہ تم میں سے نہیں تھا۔ وہ قبیلہ ایاد میں سے تھا۔ جس نے زمانہ جاہلیت میں دین ابراہیمی (توحید کو) اختیار کر لیا تھا۔ بس وہ عکاظ میں آیا۔ اور لوگ اس کے گرد جمع تھے۔ بس اُس نے ان لوگوں سے کلام کیا۔ جو اس سے حفظ کر لیا گیا۔

سر ولیم میور صاحب کی اس سے اور دیگر اوپر کی (باقی آگے ۲۴۴)

ناظرین خیال فرمادیں کہ سر ولیم میور صاحب کا وہم با ایں ہمہ علم و فضل کدھر سے کدھر کو دَوڑ گیا۔ علم اس لئے ہوتا ہے۔ کہ انسان توہمّات سے بچکر حقیقت شناسی کر سکے۔ لیکن اگر ایک صاحبِ علم و فضل اُنہی توہمات میں جا پھنسے جن میں علم و تہذیب سے خالی لوگ پھنسے ہوتے ہیں۔ تو اُس نے اپنے علم و فضل سے کیا فائدہ اُٹھایا۔ سر ولیم میور کی ہر بات کا جواب ذیل میں ملاحظہ فرماویں۔

(بقیہ حاشیہ ۲۴۳ کا) باتوں سے غرض یہ ہے کہ آنحضرتؐ نے توحید و نبوت کے خیالات یہودیوں۔ عیسائیوں اور موحدین عرب سے لئے تھے۔ لیکن قس بن ساعدہ والی مذکورہ بالا روایت کا ذکر کرنے سے پیشتر خود ہی فرماتے ہیں۔ کہ یہ ہیچ ہے۔ کہ اسی ایک روایت سے ثابت نہیں ہو سکتا۔ کہ پیغمبر صاحب نے کبھی قس کی سماعت کی ہو۔

(حاشیہ صفحہ ۹)

حافظ ابن حجرؒ نے اصابہ میں کہا۔ کہ طبرانی کی مطولات وغیرہ میں قس کی حدیث اور اس کا شعر اور اُس کا خطبہ بعض راویوں نے ذکر کیا ہے۔ اور اُس کے کل طرق ضعیف ہیں، انہی ضعیف میں سے بنی بکر بن وائل کے وفد والی روایت کو بھی ذکر کیا ہے (صفحہ ۵۵۹) ۱۲ منہ

(۱) قس بن ساعدہ کے خطبوں کی سماعت کا حال تو حافظ ابن حجرؒ کی تنقید سے معلوم ہو گیا۔ کہ اس کے متعلق کوئی بھی روایت صحیح نہیں اور جو روایت سر ولیم میور صاحب نے کاتب الواقدی سے نقل کی ہے خود اُن کو اس پر وثوق نہیں ہے، جیسا کہ حاشیہ سابقہ میں گذر چکا ہے۔

(۲) کسی روایت میں مذکور نہیں کہ سُوق عکاظ میں آنحضرتؐ نے قبل نبوت کبھی بھی خطبہ دیا ہو۔ اور نہ یہ مذکور ہے کہ کسی نصرانی یا حنیفی سے فلاں مسئلہ سیکھا۔

(۳) یہود و نصاریٰ خود دین ابراہیمی سے برگشتہ ہو رہے تھے، کوئی اُن سے دین ابراہیمی کیا سیکھ سکتا تھا۔

(۴) حنفائے مکہ اگرچہ بُت پرستی سے بیزار رہے لیکن باوجود خواندہ ہونے اور کمال جستجو کرنے کے نہ تو شریعتِ ابراہیمی کی تفصیلات معلوم کر سکے، اور نہ اپنے لئے اور نہ دوسروں کے لئے کوئی صورتِ عبادت اور لائحہ عمل تیار کر سکے، جیسا کہ عنقریب حضرت عمرؓ کے چچا کے بیٹے زید کے ذکر میں بیان ہوگا۔ انشاءاللہ

(۵) یہود و نصاریٰ آنحضرتؐ سے صدہا سال پیشتر جزیرہ عرب میں آباد ہو چکے تھے، بلکہ حکومتیں بھی قائم کر چکے تھے، اور مذہبی تبلیغ سے عربوں کے کئی ایک خاندانوں میں رسوخ بھی پیدا کر چکے تھے، لیکن بایں ہمہ نہ تو قوم عرب کے توہماتِ شرکیہ کی اصلاح کر سکے اور نہ اُن کے اخلاق کو سنوار سکے ورنہ اُن کی خانہ جنگیاں اور خونریزیاں بند کر سکے، اور نہ باوجود اُن کے ایک ہی جد امجد (ابراہیمؑ) کی نسل ہونے کے اُن کو کسی متحدہ پلیٹ فارم پر لاکر ایک قوم بنا سکے، حالانکہ یہود و نصاریٰ لکھے پڑھے اور صاحبانِ علم لوگ تھے، آنحضرتؐ کی ایک اکیلی اور ناخواندہ ذات نے چند سالوں میں وہ کام کر دکھایا اور عقائد و اخلاق و سیاست و تمدن میں وہ مہذب انقلاب و اصلاح پیدا کر دی۔ جس کی نظیر دُنیا میں نہ اس سے پیشتر نہ اس کے بعد پائی گئی۔ گویا عرب کی کایا پلٹ دی صرف عرب کی نہیں بلکہ اس کے گرد و نواح کے ممالکِ عجم، بلکہ کل عالم کی کایا پلٹ دی۔ مولانا حالی صاحب مرحوم نے اس حالت کا نقشہ یوں کھینچا ہے ؎

عرب جس پہ قرنوں سے تھا جہل چھایا

پلٹ دی بس اک آن میں اُس کی کایا

(۶) جب آنحضرتؐ نے مدینہ شریف کا پہلا سفر کیا تو اُس وقت آپؐ کی عمر چھ سال کی تھی۔ آپؐ اپنی والدۂ ماجدہ کے ہمراہ گئے، اور ایک مہینے کے قیام کے بعد واپس لوٹ آئے، اس عمر کی نسبت یہ کہنا کہ آپؐ نے یہود کو بچپن میں مدینہ میں دیکھا تھا۔ اور اُن کی عبادت گاہ میں اُن کی سماعت کی تھی۔ وغیرہ وغیرہ یہ سب مضحکہ خیز باتیں ہیں۔ جو سر ولیم میور جیسے فاضل شخص کے منہ اور قلم سے نہیں نکلنی چاہئیں۔ چھ سال کا ناخواندہ بچہ اپنی جوانی اور روانی طبع کی عمر اسی حالت میں گذار کر اور ناخواندہ رہ کر چالیس سال کے بعد ایک ایسے مذہب کی بنیاد رکھے، جسے اُس نے اپنے خیال کے سانچے میں ڈھالا ہو وہ مذہب چند سالوں میں تمام ملک میں رائج ہو جائے، اور اس نئے ملک کی اصلاح ایسے طریق پر کر دی ہو جس سے یہود و نصاریٰ خواندہ قوموں کی متفقہ کوششیں عاجز و بے اثر رہ گئی ہوں۔ اور پھر اُس کی نسبت ہم یہ کہہ سکیں، کہ یہ سب کچھ بغیر خدائی تصرّت و نصرت کے تھا۔ موجب حیرت و افسوس ہے کہ ایسا نہ کبھی

ہؤا ہے۔ اور نہ آگے کے لئے، دماغ اُسے اپنے اندر جگہ دے سکتا ہے، سب کے بعد یہ کہ وہ ناخواندہ شخص ایک ایسی مکمل شریعت رائج کرتا ہے، جو انسانی زندگی میں انسان کے لئے ہر پہلو میں خضرِ راہ ہے اور لطف یہ کہ اُس سے قبل کی شریعتیں کہ وہ بھی آسمانی ہیں، صرف ایک جزو کی نسبت رکھیں اور اُس کے ماننے والوں کو باوجود ساری دنیا پر پھیل جانے کے اور باوجود دُنیا کے اکثر ممالک پر حکمران ہونے کے اُس سے باہر جانے کی ضرورت نہ پڑی ہو۔ اُس کو ناخواندہ شخصِ واحد کے دماغ کا نتیجہ نہیں کہہ سکتے۔

(۷) قُسّ بن ساعدہ کی نسبت سر ولیم میور صاحب لکھتے ہیں کہ وہ نجران کا بشپ تھا (صفحہ ۷) اور پھر یہ بھی لکھتے ہیں کہ وہ دینِ حنیفی کی تبلیغ کرتا تھا (صفحہ ۹) یہ دونوں باتیں آپس میں متضاد ہیں۔

حِلف الفضول

حربِ فجار کے کئی سال تک مسلسل جاری رہنے

سے ملک میں ایک ہولناک منظر پیدا ہو گیا تھا۔ قبیلوں کی صفائی ہوگئی۔ جوان مارے گئے۔ بوڑھوں کے سہارے ٹوٹ گئے۔ عورتیں بیوہ ہوگئیں۔ بچے یتیم ہوگئے رستوں میں امن نہ رہا۔ غرض ہر پہلو سے خرابی و بربادی نمودار ہوگئی۔ خدا کے علم میں قیامِ امن کا وقت آگیا۔ تو اُس نے ایک تقریب پیدا کردی۔ کہ حربِ فجار کی آخری لڑائی جو (باختلافِ مؤرخین) ماہِ شعبان یا شوال میں صلح سے ختم ہوئی۔ اِس کے بعد ماہِ ذیقعدہ میں قبیلۂ زُبَید میں سے ایک یمنی شخص نے مکہ شریف میں عاصی بن وائل سہمی کے ہاتھ کچھ بیچا۔ عاصی ہرچند کہ امیر کبیر تھا۔ لیکن رقم کے ادا کرنے سے مچلتا تھا۔ اور آج کل پر ٹالتا تھا (جیسا کہ متکبر سرمایہ داروں کا دستور ہے) یمنی مسافر نے تنگ آکر احلافِ مکہ[1] کی طرف رجوع کیا۔ کہ وہ اُس کی فریاد رسی کریں۔ لیکن عاصی بن وائل کے اقتدار کے سامنے کسی نے اِس بچارے کی حامی نہ بھری

[1] آنحضرت کی ولادت سے بہت پہلے حلف المطیبین کے مقابلہ میں جن قبیلوں نے باہمی تناصر و تعاون پر قسمیں کھائی تھیں اُن کو احلاف کہتے تھے چونکہ ان حلفوں کا آنحضرت کی ذات خاص سے تعلق نہیں۔ اس لئے ہم نے ان کی تفصیل و کوائف کا ذکر نہیں کیا ۱۲ منہ

بلکہ اُسے جھڑکا اور گھُرکا۔ مسافر نے جبل ابوقبیس پر چڑھ کر اُونچی آواز سے دُہائی مچائی ؎

یَآ اٰلَ فِھرٍ لِمَظلُومٍ بِضَاعَتُہٗ
بِبَطنِ مَکَّۃَ نَائِی الدَّارِ وَالنَّفَرِ

یعنی اَے فہر بن مالک کی اَولاد (قریش!) اپنے وطن اور اپنے آدمیوں سے دُور اُفتادہ کی فریاد کو پہنچو۔ جس پر حرم مکہ کے اندر اُس کے مال کے متعلق ظلم ہوَا ہے۔

شرفائے قریش اُس وقت خانہ کعبہ کے گرد بیٹھے تھے، مسافر کی دوہائی بے اثر نہ گئی۔ بلکہ اُس نے امن عامہ کی بنیاد قائم کر دی۔ آنحضرتؐ کے تایا جی زُبیر بن عبد المطلب اُٹھے اور کہنے لگے، کہ یہ فریاد ضائع نہیں جانی چاہئے۔ اُسی وقت دار النَدوہ (قومی کمیٹی گھر) میں جو قومی مشوروں اور اقراروں کے لئے حرم کعبہ ہی میں آنحضرتؐ کے جد اعلیٰ حضرت قُصیّ کا قائم کردہ تھا۔ جمع ہوئے اور سب نے اس بات پر اتفاق کیا۔ کہ حدِّ حرم میں کِسی پر ظلم نہ ہونے دیں گے، اَور کوئی بھی ہو مظلوم کا حق ظالم سے لے کر دیں گے۔ یہاں سے چل کر عبد اللہ

بن جدعان نے جو رؤساء قریش میں سے نامی آدمی تھا شرفاء قریش کو اپنے گھر میں ضیافت پر بلایا اور وہاں سب نے اس اقرار پر حلفیں اُٹھائیں۔

آنحضرتؐ کی شرکت آنحضرتؐ اِس حلف میں شامل تھے، جیسا کہ ابھی انشاء اللہ ذکر کیا جائے گا کیونکہ اس میں عدل و انصاف کے قائم کرنے اور ظلم و بیدادی کے دور کرنے کا اقرارِ تھا۔ جو آپؐ کی بعثت کے اہم مقاصد میں سے ہے، چنانچہ کتاب یسعیاہ نبی کے باب ۴۲ کے شروع میں جو بشارت آنحضرتؐ کے متعلق ہے اُس میں لکھا ہے۔

"وہ عدالت کو جاری کرائے گا کہ دائم رہے"

(۴۲ : ۳)

وجہ تسمیہ سہیلیؒ نے شرحِ سیرت ابن ہشام میں اس کی دو وجہیں لکھی ہیں۔ اوّل یہ کہ جن لوگوں نے پہلے پہل اِس کی بنیاد ڈالی تھی اُن کے ناموں میں مادۂ فضیلات میں سے کوئی لفظ تھا دیگر یہ کہ آنحضرتؐ نے فرمایا کہ میں عبد اللہ بن جدعان کے گھر میں حلف کے وقت

موجود تھا۔ اگر اس حلف کے متعلق مجھے کوئی آج عہدِ اسلام میں بھی بلائے تو میں اُسے قبول کروں گا۔ تحالفوا ان ترد الفضول علیٰ اھلھا الخ یعنی انہوں نے اس بات پر قسمیں اُٹھائی تھیں کہ فاضل مال اس کے اہل کو دلایا جائے گا۔ یعنی کوئی کسی سے کچھ بھی ظلم سے چھین نہ سکے گا۔ تو اس وجہ سے اِس کا نام حِلف الفضول ہوگیا۔

یہ ہیچمدان کہتا ہے، کہ یہ عہد دو دفعہ ہوا۔ پہلا آنحضرتؐ کی ولادت سے پہلے جس میں جرہم اور قطورا کے قبیلے شامل تھے۔ دوم عبد اللہ بن جدعان کے گھر میں جس میں آنحضرتؐ بھی شریک تھے۔ اور قریشیوں کے چند خاندان بھی شامل تھے۔ چونکہ اس دوسری دفعہ کی حلف میں بھی وہی اِقرار تھا جو پہلی میں تھا۔ کہ مکہ میں امیر و غریب اور زبردست و کمزور اور مقیم و مسافر ہر ایک کو میزانِ عدل و انصاف میں مساوی رکھا جائے گا اور سب کو ایک باٹ سے تولا جائے گا۔ اس لئے اس حلف کا نام بھی پہلی حلف کے نام پر حِلف الفضول ہی رکھا گیا۔ اگرچہ اس میں مادہ فضیلت کے نام والے اشخاص کے سوا دوسرے صاحبان شرف و فضیلت تھے۔

(مستفاد از لسان العرب بزیادۃ تا) مولٰنا شبلی مرحوم نے اِس موقعہ پر ایک قابل قدر نکتہ لکھا ہے :-

"اگرچہ (پہلا) معاہدہ بیکار ہو گیا - اور کسی کو یاد بھی نہ رہا۔ چنانچہ قریش نے نئے سرے سے بنیاد ڈالی تاہم بانیٔ اول کو نیک نیتی کا یہ ثمرہ مِلا کہ اُن کے نام کی یادگار اب تک باقی ہے"۔ (سیرۃ النبی ج ۱ - صفحہ ۱۳۳)

یہ عاجز اس پر مزید کہتا ہے - کہ پہلے بانیوں کی نیک سعی کی قبولیت کی یہ دلیل بھی ہے کہ دُوسری دفعہ جب اُسی داغ بیل پر امن و امان اور عدل و انصاف قائم رکھنے کی حلف اُٹھائی گئی - تو اس مجلس میں عادلِ اعظم سیّد العرب والعجم بھی شامل تھے۔ ؎

گدایاں را ازیں معنٰے خبر نیست
کہ سلطانِ جہاں با ماست امروز

اور پھر یہ کہ آپؐ اپنے عہدِ نبوّت میں بھی اُس پر قائم ہیں - بلکہ اُسے دُنیائے جہان میں اپنے اخلاقی مواعظ اور نمونۂ عمل اور سیاسی اقتدار سے عام طور پر رائج کر دیا - مولٰنا حالی مرحوم نے مسدّس میں اس کا نقشہ یوں دکھایا ہے ؎

لگایا تھا مالی نے اِک باغ ایسا نہ تھا جس میں چھوٹا بڑا کوئی پودا

؎ یعنی آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ۱۲ منہ

خلیفہ تھے اُمت کے ایسے نگہباں | ہو گلہ کا جیسے نگہبان چوپاں
سمجھتے تھے ذِمّی و مُسلم کو یکساں | نہ تھا عبد و حُر میں تفاوت نمایاں
کنیز اور بانو تھی آپس میں ایسی | زمانہ میں ماجائی بہنیں ہوں جیسی

اِس حلف کا زمانہ

علامہ عبدالرحمٰن سہیلیؒ شرح سیرت ابن ہشام میں فرماتے ہیں :-

"حلف الفضول حربِ فجار کے بعد ہوئی۔ کیونکہ حربِ فجار شعبان میں تھی اور حلف الفضول ذیقعد میں ہوئی۔ آنحضرتؐ کی بعثت (نبوّت) سے بیسؐ سال پیشتر۔ (ج ۱ صفحہ ۹۱)

تنبیہ :- سابقاً حربِ فجار کے ذکر میں گذر چکا ہے۔ کہ حربِ فجار بقول ابن ہشامؒ جب واقع ہوئی اُس وقت آنحضرتؐ کی عمر چودہ پندرہ برس کی تھی۔ لیکن علّامہ عینیؒ کہتے ہیں۔ کہ بیس سال کی تھی۔ اِن دُو قولوں کو یوں جمع کیا جا سکتا ہے۔ کہ حربِ فجار کا زمانہ مسلسل کئی سال تک رہا۔ جب شروع ہوئی اُس کے ایک سلسلہ کے وقت آنحضرتؐ چودہ پندرہ برس کے تھے لیکن جب وہ ختم ہوئی جس میں آپ بھی شریک تھے اُس وقت آپ کی عُمر شریف بیس برس کی تھی کیونکہ جب حسب قول سہیلیؒ حلف الفضول میں آپ کی

عمر بیسؔ برس کی تھی۔ اور وہ حرب فجار کے خاتمہ کے بعد ہوئی تو حرب فجار میں شمولیت کے وقت آپ کی عمر بیس برس کی ہونی صاف ظاہر ہے۔[1]

---

[1] حل اشکال :۔ زمانۂ جاہلیت میں ایک دوسرے کی مدد میں جو قسمیں اُٹھائی جاتی تھیں۔ اُن کے متعلق دو حدیثیں ہیں۔ ایک یہ کہ آنحضرتؐ نے فرمایا لَا حِلْفَ فِی الْاِسْلَامِ یعنی اسلام میں کوئی حلف نہیں۔

دُوسری یہ کہ آنحضرتؐ نے فرمایا کہ جو بھی قسم جاہلیت میں تھی۔ اسلام نے اُس میں پختگی ہی کی ہے۔ بظاہر اِن ہر دو میں تخالف پایا جاتا ہے۔ اِس لئے اس اِشکال کا حل ضروری ہے۔ محدّث ابن اثیر نے نہایہ میں زیر لفظ حِلف لکھا ہے :۔

"حِلف کا اصل ایک دوسرے کا بازو بننا اور مدد کرنا اور موافقت کرنا ہے۔ پس جاہلیت میں جو قسم فتنوں کے کھڑا کرنے اور قبائل میں جنگ مچانے اور غارت ڈالنے پر تھی وہ یہ حلف ہے۔ جس سے اسلام میں ممانعت ہوئی آنحضرتؐ کے اِس قول سے کہ آپؐ نے فرمایا لَا حِلْفَ فِی الْاِسْلَامِ اور جو حِلف جاہلیت میں مظلوم کی نصرت اور صلہ رحمی پر تھی مثلاً حِلف المطیّبین اور اُس کی مانند۔ سو اس قسم کی نسبت آنحضرتؐ نے فرمایا۔ کہ جو قسم جاہلیت میں تھی۔ (باقی اگے)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا شغلِ تجارت اور اس میں صدق و امانت

آپؐ کے خاندان کا عام پیشہ تجارت تھا۔ آپؐ کے چچا ابو طالب اور والد عبد اللہ اور دادا عبد المطلب اور پردادا ہاشم کے حالات میں سابقاً ذکر ہو چکا ہے۔ کہ وہ تجارت کرتے تھے۔ پس نبوت سے پیشتر

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۲۵۵ کا)

اسلام نے اس میں پختگی ہی پختگی کی ہے۔ مراد یہ کہ نیکی اور نصرتِ حق پر معاہدہ کرنا۔ اسی طریق سے دونوں حدیثیں جمع ہو جاتی ہیں۔ اور یہی حلف ہے۔ جس کا تقاضا اسلام کرتا ہے۔ اور منع وہ ہے۔ جو حکم اسلام کے خلاف ہو (مترجماً نہایہ جلد ا صفحہ ۲۸۴)[1]

یہ عاجز کہتا ہے۔ کہ قرآن نے اس ساری بحث کو دو لفظوں میں سمجھا دیا ہے وَتَعَاوَنُوا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوٰى وَلَا تَعَاوَنُوا عَلَى الْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ (مائدہ پ ۶) یعنی نیکی اور تقویٰ کے کام پر ایک دوسرے کی مدد کرو اور گناہ اور زیادتی کے کام پر مدد نہ کرو۔ پس آیت میں دونوں حدیثوں کا مطلب جمع ہے۔ وَلِلّٰہِ الْحَمْدُ۔

[1] ابن اثیر کی مذکورہ عبارت کو "لسان العرب" میں بھی زیر لفظ حلف نقل کیا گیا ہے۔

آپؐ کو بھی تجارت ہی وجہِ معاش بنانی پڑی[1]۔ چنانچہ خورد سالی میں جب آپؐ اپنے چچا ابو طالب کے ساتھ سیریا کو گئے۔ تو ابو طالب کا وہ سفر تجارت ہی کے لئے تھا۔ دوسری دفعہ جب آپؐ کی عمر بیس سال کی تھی اور حضرت ابو بکرؓ کے ساتھ شام کو گئے تو وہ سفر بھی تاجرانہ تھا۔ تیسری دفعہ جب حضرت خدیجہؓ کے غلام مَیسرہ کے ساتھ گئے تو وہ بھی سفرِ تجارت ہی تھا۔ اِس کے علاوہ دیگر روایات سے بھی معلوم

---

[1] اس جگہ لفظ "بنانی پڑی" اِس لئے لکھا ہے کہ آپ کسب معیشت کے لئے نہیں۔ بلکہ ہدایتِ خلق کے لئے پیدا کئے گئے تھے۔ اس لئے آپ کی طبعی رغبت اس طرف نہیں تھی۔ چنانچہ سر ولیم میور مَیسرہ کے ساتھ جانے والے سفر کے ذکر سے پیشتر لکھتے ہیں۔

"محمدؐ کبھی دولت کے خواہشمند نہیں ہوئے۔ یا اپنی زندگی کے کسی زمانہ میں بھی اپنی ذات کی خاطر دولت کمانے کے پیچھے آپ نے سرگرمی کی ہو۔ اگر آپ کو اپنی مرضی کے مطابق چھوڑ دیا جاتا تو آپ غالباً اپنی موجودہ زندگی کی آسائش کو تجارتی سفر کی تگ و دو اور تفکرات پر ترجیح دیتے" (مترجمًا صفحہ ۱۶ جلد ۱)

ہوتا ہے کہ ابتدا میں آپ نے تجارت کو وجہ معاش بنایا۔ آپؐ نہایت صدق و متانت اور دیانت و امانت سے تجارت کرتے تھے۔ چنانچہ قیس بن سائب مخزومیؓ کہتے ہیں۔ کہ زمانہ جاہلیت میں آنحضرتؐ میرے ساتھ مل کر تجارت کرتے تھے وَكَانَ خَيْرَ شَرِيْكٍ یعنی آپؐ بہت اچھے شریک تھے لَا يُدَارِئُ وَلَا يُمَارِئُ یعنی آپؐ نہ مخالفت کرتے تھے اور نہ جھگڑا کرتے تھے۔[1]

اسی طرح سنن ابی داؤد میں سائب بن ابی سائب سے مروی ہے۔ کہ میں آنحضرتؐ کی خدمت میں حاضر ہوا تو لوگ آپؐ کے پاس میری تعریف کرنے لگے۔ آپؐ نے فرمایا أَنَا أَعْلَمُكُمْ یعنی میں ان کو تمہاری نسبت زیادہ جانتا ہوں۔ میں نے عرض کیا۔ میرے ماں باپ قربان ہوں۔ آپ سچ فرماتے ہیں۔ آپؐ میرے شریک (تجارت) تھے۔ پس آپؐ نہایت اچھے شریک تھے۔ آپؐ نہ تو کبھی اختلاف کرتے تھے۔ اور نہ جھگڑا کرتے تھے۔[2]

---

[1] استیعاب ترجمہ قیس بن سائب صفحہ ۵۲۳ جلد ۲ و اصابہ جلد ۵ صفحہ ۹۵۔۳۴۰ ۱۲ منہ

[2] سنن ابی داؤد جلد ثانی کتاب الادب۔ باب کراہیۃ المماراۃ۔ ۱۲ منہ

غرض آپ کی امانتداری اور صدق شعاری زمانۂ نبوت سے پیشتر ہی دُور و نزدیک۔ اپنوں بیگانوں میں مسلّم و مشہور ہو چکی تھی اور شرافتِ خاندانی نے اِس سونے پر سہاگے کا کام کر رکھا تھا۔ چنانچہ خدائے تعالیٰ نے زبانِ خلق پر آپ کے نام کے ساتھ اَلْاَمِیْنَ کے لقب کا نقارہ بجا دیا۔ آپ کے اِس شہرہ کو سُن کر حضرت خدیجہؓ نے آپ کو اپنے مال کی تجارت کے لئے اپنے غلام مَیسرہ کے ساتھ علاقۂ شام میں بھیجنے کے لئے بُلایا۔ اور کہا کہ آپ میرے غلام مَیسرہ کے ساتھ میرا مال علاقہ شام میں لے جائیں جو معاوضہ میں اَوروں کو دیا کرتی ہوں آپ کو اُس سے بہت زیادہ دُوں گی۔

آپ نے قبول فرمایا۔ اور قافلہ مع سازو سامان روانہ ہو کر مقامِ بُصریٰ میں جا اُترا۔ سارا مال کثیر نفع پر وَہیں فروخت ہو گیا۔ اور وہاں سے بھی اپنے مُلک کے لئے مالِ تجارت خرید کیا۔ وہ مال بھی مکہ شریف میں کثیر نفع پر بِکا۔ اور حضرت خدیجہؓ کو اس پھیرے میں دوہرا فائدہ ہوا۔

آنحضرتؐ کا حضرت خدیجہؓ سے سابقہ رشتہ

حضرت خدیجہؓ خاندانِ قریش سے ایک معزز خاتون تھیں آنحضرتؐ سے اُن کا رشتہ چوتھی پانچویں پُشت میں جا ملتا ہے۔ چنانچہ شجرۂ نسب یوں ہے:۔

سیدھی سطروں میں یوں پڑھیے۔

(۱) محمدؐ بن عبد اللہ بن عبد المطلب بن ہاشم بن عبد المناف بن قصیٰ۔

(۲) خدیجہ بنت خویلد بن اسد بن عبد العزیٰ بن قصیٰ۔

محمدؐ	×
بن	
عبد اللہ	خدیجہ
بن	بنت
عبد المطلب	خویلد
بن	بن
ہاشم	اسد
بن	بن
عبد مناف	عبد العزیٰ
بن	بن
قصیٰ	قصیٰ

اب اس سے صاف واضح ہوگیا۔ کہ آنحضرتؐ اور حضرت خدیجہؓ ہمجدی ہیں اور آپ کا سلسلۂ نسب چوتھے۔ پانچویں دادا قصیٰ پر جا ملتا ہے۔

اِس سفر کی برکات وارہاصات

اِس سفر میں تجارت میں معمول سے زیادہ فائدہ ہونے کے علاوہ دیگر کئی اخلاقی برکات اور رُوحانی ارہاصات بھی ظہور پذیر ہوئے۔ جن کا اثر میسرہ کے دل پر بہت گہرا پڑا۔ جب آپ شہر

بُصرٰی میں پہنچ کر جاگزین ہوئے۔ تو آپ ایک درخت کے سائے میں بیٹھ گئے۔ اُس درخت کے قریب ایک راہب کا صومعہ (عبادت خانہ) تھا۔ راہب نے وہاں سے آنحضرتؐ کو دیکھا اور میسرہ سے پُوچھا۔ کہ جو شخص اِس درخت کے نیچے اُترا ہے وہ کون ہے؟ مَیسرہ نے کہا کہ وہ اہلِ حرم میں سے خاندان قریش سے ایک شخص ہے۔ راہب نے کہا اِس وقت اِس درخت کے نیچے جو اُترا ہے وہ ضرور نبی[1] ہے۔

امام سہیلیؒ نے شرح سیرتِ ابن ہشام میں کہا کہ اِس راہب کا نام نسطورا تھا نہ بُحیرا۔ جِس کا ذکر سفر سابق میں ہو چکا ہے۔

(۲) مَیسرہ نے اِس سفر میں یہ بھی دیکھا کہ دُھوپ میں چلنے کے وقت آنحضرتؐ کو دو فرشتے سایہ کئے رکھتے ہیں۔ نسطورا راہب کے قول اور اُن نشانات اور دیگر اخلاقی فضائل کے مشاہدے سے جو اتنے طویل سفر

[1] راہب کے الفاظ کے جو معنے ہم نے کئے ہیں وہ امام سہیلیؒ سے لیے ہیں۔ اُنہوں نے پُوری تفصیل سے بحث کر کے یہ معنے کئے ہیں دیکھو الروض الانف جلد اوّل صفحہ ۱۲۱ مطبوعہ مصر ۱۲ منہ ۔

یں شب و روز ساتھ رہنے سے میسرہ نے معلوم کئے
اُس کے دل میں حسن اعتقاد اور اُلفت کی لہریں دوڑنے
لگیں۔چنانچہ اُس نے واپسی پر ساری باتیں (نسطورا کا
قول۔ ملائکہ کا سایہ کرنا۔ مال کا کثیر نفع پر فروخت
ہونا۔اور دیگر مکارم اخلاق) اپنی مالکہ حضرت خدیجہؓ
کو کہہ سُنائیں۔

حضرت خدیجہؓ کی شخصیت

اوپر گذر چکا ہے۔کہ حضرت خدیجہؓ قریش کے خاندان
بنی اسد سے تھیں۔ اسد آپ کے دادا کا نام تھا جن
کے نام پر اُن کے خاندان کا نام بنی اسد پڑ گیا۔اور
اسد حضرت قصیٰ کے پوتے تھے جو آنحضرتؐ کے
دادا ہاشم کے بھی دادا تھے۔ جیسا کہ شجرۂ نسب مرقومہ
بالا سے واضح ہے۔ تمام مؤرخین اور مصنفین سیرت
یکساں الفاظ سے حضرت خدیجہؓ کی اخلاقی شرافت اور
عفت وطہارت اور عقل و فراست کی تعریف کرتے ہیں
لیکن ہم اس جگہ خصوصیت سے سر ولیم میور کے الفاظ
کو اردو میں پیش کرتے ہیں۔تاکہ غیروں پر حجت ہو۔
اور بعض جگہ اُن سے جو غلطی ہوئی ہے۔ اُس کی تصحیح

بھی ہو جائے ۔ اور بعض جگہ جو اُن کو غلط فہمی پیدا ہوگئی ہے ۔ یا اُنہوں نے عمداً پیدا کی ہے ۔ اُس کی اصلاح بھی ہو جائے ۔ آپ عنوانِ "حضرت خدیجہؓ کے کوائف" میں فرماتے ہیں :-

"حضرت خدیجہ ایک قریشی خاتون تھیں جو خاندانی پیدائش میں بھی ویسی ہی ممتاز تھیں جیسی کہ نصیبہ اور بخت میں تھیں ۔ خویلد آپ کا باپ اسد کا پوتا تھا[1] ۔ خویلد نے حربِ فجار میں قریش کی جانب بہت بڑا حصّہ لیا تھا ۔ اور اسی طرح اُن کے بھتیجے عثمان بن حویرث نے بھی ۔ حضرت خدیجہ کا مال و دولت پہلے شوہروں سے وراثت میں حاصل کردہ یا خود پیدا کردہ بہت زیادہ تھا ۔ اور آپ نے اُسے بذریعہ اُجرتی ایجنٹوں کے تجارتی خرید و فروخت سے بہت زیادہ بڑھایا تھا ۔ آپ عقل و تمیز اور نیکی کی بہت اہم بخششوں اور فیاض دل کی جامع تھیں ۔ اور اگرچہ آپ درمیانہ عمر سے

[1] اس جگہ سر ولیم میور صاحب کو غلطی لگ گئی ہے ۔ خویلد (حضرت خدیجہ کا باپ) ، اسد کا پوتا نہیں تھا ۔ بلکہ بیٹا تھا ۔ دیکھو تاریخ طبری صفحہ ۱۹۶ جلد ۲ ۔ نیز سیرت ابن ہشام اور اس کی شرح الروض الانف للسہیلی صفحہ ۱۲۲ جلد اول ۱۲ منہ

کچھ اُوپر ہونے کی وجہ سے قدرے نرم پڑ گئی تھیں تاہم خوبصورت اور جاذب خدو خال رکھتی تھیں۔ قریش کے نامور شرفاء ان جواذب سے بےخبر نہ تھے۔ چنانچہ کئی ایک نے آپ سے نکاح کی خواہش ظاہر کی۔ لیکن آپ نے باوقار بیوگی کی حالت میں زندگی بسر کرنے کو زیادہ پسند کرنے کی وجہ سے سب کی عرضداشتوں کو ٹھکرا دیا[1] تھا۔" (انتہٰی مترجماً)

امام سہیلیؒ نے کہا کہ حضرت خدیجہؓ جاہلیت و اسلام (ہر دو زمانوں) میں طاہرہ کے نام سے مشہور تھیں۔ اور سیرۃ تیمی میں ہے۔ کہ آپ "سیّدۃ نساءِ قریش" کے نام سے بھی موسوم تھیں۔ یعنی قریشی عورتوں کی سردار۔[2] غرض آپ خاندانی شرافت۔ اخلاق و عادات کی طہارت۔ مزاج کی متانت۔ طبع کی سخاوت۔ دل کی فیاضی اور صورت و سیرت کی خوبی۔ سب اوصافِ حمیدہ سے متصف ہوتے ہُوئے ایک نہایت بابرکت و خوش قسمت خاتون تھیں۔

---

[1] لائف آف محمدؐ مصنفہ سر ولیم میور جلد دوم صفحہ ۲۲ مطبوعہ لندن ۱۸۶۱ء۔

[2] الروض الانف شرح سیرت ابن ہشام للسہیلیؒ جلد اول صفحہ ۱۲۲-۱۲۰

آنحضرتؐ کا نکاح حضرت خدیجہؓ سے

حضرت خدیجہؓ کی شخصیت آپ کی خاندانی شرافت۔ اخلاقی طہارت اور وسعتِ تجارت کا کچھ ذکر پہلے گذر چکا ہے چونکہ امور مذکورہ بالا کا تعلق آپ کے نکاح سے بھی ہے۔اس لئے اِن سب کو بعض دیگر حوالجات سے بالاختصار دوبارہ ذکر کیا جاتا ہے۔سیرت ابن ہشام میں ہے:۔

"محمدؐ بن اسحاق (امام مغازی) نے کہا۔کہ حضرت خدیجہ بنت خویلد ایک تجارت پیشہ خاتون ہونے کے ساتھ شریف اور مالدار بھی تھیں لوگوں کو اپنے مال کی تجارت کے لئے بطور ایجنٹ ملازم رکھ کر نفع میں ان کا حصہ مقرر کر دیتی تھیں اور قریشی لوگ (عام طور پر) تجارت پیشہ تھے۔جب حضرت خدیجہؓ کو آنحضرتؐ کی زبان کی سچائی اور دیانتداری کی عظمت اور مکارمِ اخلاق کی شہرت کی خبر پہنچی تو اُنہوں نے آنحضرتؐ کو بُلا بھیجا اور کہا کہ آپ میرے غلام میسرہ کے ساتھ تجارت کے لئے علاقہ شام کو جائیں۔میں آپ کو اُس سے بہت زیادہ دُوں گی جو دُوسروں کو دیا کرتی ہوں"

آنحضرتؐ نے اس امر کو قبول کر لیا۔ اور ان کے غلام مَیسرہ کے ساتھ سفر کو روانہ ہو پڑے۔ حتیٰ کہ علاقہ شام تک جا پہنچے۔

(۲) وہاں پر آنحضرتؐ نے وہ مال جو لے کر روانہ ہوئے تھے تمام فروخت کر دیا۔ اور نیا مال جو (مکہ شریف میں لانے کے لئے) خریدنا تھا خرید لیا۔ پھر جب مکہ شریف میں آئے۔ اور وہ مال حضرت خدیجہؓ کے حوالے کر دیا۔ تو وہ قریبًا دُگنی قیمت پر فروخت ہوا۔"

(۳) مَیسرہ نے حضرت خدیجہؓ سے راہب کا قول (کہ یہ شخص جو اس وقت درخت کے نیچے بیٹھا ہے۔ نبی اللہ ہے) اور دُھوپ کے وقت دو فرشتوں کا آپ پر سایہ کئے رکھنا جو دیکھا تھا۔ وہ سب کہہ سُنایا۔ حضرت خدیجہؓ بہت دانا۔ شریف اور عقیل خاتون تھیں۔ ہمجدّی رشتہ دار ہونے کی وجہ سے آنحضرتؐ کے اخلاق و عادات کو خود بھی جانتی پہچانتی تھیں۔ اس پہ مزید یہ کہ خدائے تعالےٰ کا ان پر فضل کرنے کا ارادہ تھا۔ پس جب مَیسرہ نے یہ باتیں سنائیں۔ تو انہوں نے آنحضرتؐ کو بُلا بھیجا اور کہا:۔

"میرے چچا کے بیٹے! [1] آپ کے رشتہ کی قرابت نسب کی فضیلت۔ آپ کی امانتداری وصدق گفتاری اخلاق کی خوبی۔ عادات ومزاج کی سنجیدگی کی وجہ سے میں آپ سے عقد نکاح کرنا چاہتی ہوں [2] (سیرت ابن ہشام)

اس کے بعد امام ابن ہشام حضرت خدیجہؓ کی شرافت کے متعلق تحریر فرماتے ہیں:-

"اُس وقت حضرت خدیجہؓ نسب میں (ماں اور باپ ہر دو کی طرف سے) سب قریشی عورتوں سے اولیٰ تھیں۔ اور شرف میں سب سے بزرگ تھیں اور مال میں سب سے زیادہ تھیں۔ اِن کی قوم کے سب بڑے آدمیوں نے

---

[1] عرب میں باپ کے سب اوپر کے جدی رشتے داروں کو چچا۔ اور نیچے والوں کو چچا کا بیٹا اور عورتوں کو پھوپھی اور ماں کی طرف کے سب اوپر کے مردوں کو ماموں اور نیچے والوں کو ماموں کے بیٹے اور عورتوں کو خالہ کہنے کا محاورہ تھا۔ ورنہ ہمارے محاورے سے آنحضرت صلعم حضرت خدیجہؓ کے بھائی عبداللہ کے بیٹے تھے۔ جیسا کہ شجرہ نسب سابقہ سے معلوم ہوسکتا ہے۔ [2] اُس زمانہ میں عربوں میں شادی کے پیغام وگفتگو کے متعلق عورتوں کو آزادی حاصل تھی۔ اسلام نے بالغہ عورت کے حقِ انتخاب کو برقرار رکھا جسے ایجاب کہتے ہیں۔ لیکن مصالح بدیہ اور حفاظتِ حقوق کے لئے ولی کی اجازت کو بھی ضروری قرار دیا (مشکوٰۃ وغیرہ کتب احادیث) - ۱۲ منہ

اُن سے نکاح کرنے کی خواہش کی تھی۔ لیکن کوئی بھی کامیاب نہ ہو سکا۔ جب حضرت خدیجہؓ نے آنحضرتؐ سے نکاح کرنے کی خواہش ظاہر کی تو آپ نے اس کا تذکرہ اپنے چچاؤں سے کیا۔

آنحضرتؐ کا کفیل کون ہوا؟

سیرت ابن ہشام میں محمدؐ بن اسحاق کی روایت مذکورہ بالا میں تو یہ مذکور ہے۔ کہ آنحضرتؐ کے ساتھ آپ کے چچا حضرت حمزہؓ گئے۔ لیکن علامہ ابو القاسم عبد الرحمٰن سہیلیؒ نے اُس کی شرح الروض الانف میں کہا ہے۔ کہ نہیں آپ کے ساتھ آپؐ کے چچا ابو طالب گئے تھے۔ اور اُنھی نے خطبہ نکاح پڑھا۔ اور وہی ذینِ مہر کے کفیل ہوئے۔ جیسا کہ انشاء اللہ ابھی آئے گا۔ (جلد اوّل صفحہ ۱۲۲)

لـه یہ عاجز کہتا ہے کہ ہو سکتا ہے کہ دونوں گئے ہوں۔ اور ابو طالب نے خطبہ پڑھا اور کفیل بھی آپ ہی ہوئے ہوں۔ کیونکہ ابو طالب بڑے تھے اور پرورش بھی اُنھوں ہی نے کی تھی۔ حاشیہ لکھنے کے بعد میں نے مولنا شبلیؒ کی سیرت میں دیکھا تو اس میں بھی مولنا نے ہر دو روایت کو اسی طرح جمع کر کے لکھا ہے۔ والحمد للہ علی الوفاق ۱۲ منہ

حضرت خدیجہؓ کا ولی نکاح کون تھا؟

سیرت ابن ہشام میں امام ابن شہاب زہریؒ سے منقول ہے کہ نکاح کا ولی حضرت خدیجہؓ کا باپ خویلد تھا۔ یہ روایت منقطع ہے۔ امام زہریؒ صغارِ تابعین سے ہیں۔ آنحضرتؐ کے اس نکاح کا واقعہ سوائے کئی واسطوں کے نہیں جان سکتے اور وہ مذکور نہیں ہیں۔ اس لئے یہ روایت قابلِ حجت نہیں ہے۔

دیگر یہ کہ یہ روایت تاریخی طور پر واقعہ کے خلاف ہے۔ کیونکہ حضرت خدیجہؓ کے والد خویلد اس سے قبل حربِ فجار سے بھی پیشتر فوت ہو چکے تھے۔ جیسا کہ امام طبریؒ نے اور سہیلیؒ نے ذکر کیا۔ تاریخ طبریؒ میں ابن شہاب زہریؒ کی مذکورہ بالا روایت کے ذکر کے بعد امام ابو جعفر طبریؒ لکھتے ہیں۔ قَالَ الْوَاقِدِیُّ وَکُلُّ ھٰذَا غَلَطٌ یعنی یہ سب قصہ غلط ہے۔ اس کے بعد لکھتے ہیں:۔

لہ تاریخ طبری جلد ۲ صفحہ ۱۹۸ ۔ اور الروض الانف للسہیلیؒ جلد اوّل صفحہ ۱۲۲ ۔ لہ حافظ ابن کثیرؒ نے بھی اپنی تاریخ میں مُولیٰ اور سہیلی سے نقل کر کے یہی فیصلہ کیا ہے ۱۲ منہ

"امام واقدیؒ لکھتے ہیں کہ لوگ یہ بھی کہتے ہیں۔ کہ حضرت خدیجہؓ نے آنحضرتؐ کو بُلوایا کہ اپنے آپ کو آپؐ کی زوجیت میں دے۔ اور وہ شرف و بزرگی والی خاتون تھیں۔ اور سب قریشی اُن کے نکاح کے خواہشمند تھے پس اُس نے اپنے باپ کو بلایا۔ اور اُسے شراب پلادی۔ حتّٰی کہ وہ بالکل بیہوش ہوگیا۔ اور ایک گائے ذبح کی اپنے باپ کو خوشبو لگائی۔ اور اُسے ایک یمنی نقشی چادر بھی پہنائی۔ پھر آنحضرتؐ کو مع آپ کے چچاؤں کے بُلایا پس وہ گئے۔ اور خویلد نے آنحضرتؐ سے خدیجہؓ کا نکاح کر دیا۔ جب نشہ اُتر گیا اور وہ ہوش میں آیا تو کہنے لگا۔ یہ قربانی کیسی؟ اور یہ خوشبو کیسی؟ اور یہ نقشی چادر کیسی؟ بیٹی نے باپ سے کہا کہ آپ نے محمدؐ بن عبد اللہ سے میرا نکاح جو کر دیا ہے (یہ اُسی کی تقریب ہے) باپ نے کہا مَیں نے ایسا نہیں کیا۔ کیا مَیں ایسا کر سکتا ہوں؟ حالانکہ اکابرِ قریش نے تیرا رشتہ مانگا تو میں نے نہ دیا۔"

اِس کے بعد امام واقدیؒ کا یہ قول مذکور ہے:۔

"یہ (شراب پلانے والی) روایت بالکل غلط ہے۔ اور ہمارے نزدیک جو ثابت و محفوظ ہے۔ وہ محمدؐ بن عبد اللہ

بن مسلم کی روایت سے ہے۔ وہ اپنے باپ سے
وہ محمدؐ بن جبیر بن مُطعم سے روایت کرتے ہیں اور
ابو زناد کی روایت سے بھی ہے۔ وہ ہشام بن عُروہ
سے وہ اپنے باپ عُروہ سے اور وہ حضرت عائشہؓ
سے روایت کرتے ہیں۔ نیز ابن ابی حبیبہ کی روایت
سے ہے۔ وہ داؤد بن حُصین سے وہ عِکرمہ سے
اور وہ حضرت ابن عباسؓ سے روایت کرتے ہیں۔ کہ
رسولؐ اللہ کے ساتھ حضرت خدیجہ کی اس تزویج کو
حضرت خدیجہ کے چچا عَمرو بن اَسد نے انجام دیا تھا۔
اور حضرت خدیجہؓ کا باپ خویلد تو حرب فجار سے پیشتر
ہی فوت ہو چکا تھا!

اِسی طرح امام سہیلیؒ سیرت ابن ہشام کی شرح میں فرماتے
ہیں:۔

"(ابن ہشام نے) رسولؐ اللہ کا خویلد بن اَسد کے پاس
جانا ذکر کیا ہے۔ اور ابن اسحاق کے سوا دیگروں نے
کہا کہ خُویلد تو اُس وقت فوت ہو چکا تھا۔ اور جس
نے حضرت خدیجہؓ کا نکاح کرایا وہ اُن کا چچا عمرؓو بن
اَسد تھا۔ امام مبرّد اور اُن کے ساتھ ایک جماعت
(علماء) نے اَیسا ہی کہا ہے۔ اور یہ بھی کہا ہے۔

کہ رسولؐ اللہ کے ساتھ جو گئے تھے وہ ابو طالب تھے اور اُنہی نے نکاح کا خطبہ پڑھا تھا۔"

پھر خطبہ کے بعض الفاظ جن میں آنحضرتؐ کی تعریف ہے۔ ذکر کرنے کے بعد فرماتے ہیں:۔

"عَمرو بن اسد (حضرت خدیجہؓ کے چچا) نے اس کے جواب میں فرمایا تھا ھُوَ الْفَحْلُ الَّذِی لَا یُقْدَعُ اَنْفُہٗ[1] یعنی یہ ایسا نر ہے جس کی ناک موڑی نہیں جاتی۔" پس اُس نے آپؐ سے حضرت خدیجہؓ کا نکاح کر دیا۔ اور (یہ بھی) کہا جاتا ہے کہ یہ مَثل ورقہ بن نوفل نے کہی تھی۔ لیکن جو کچھ (امام) مُبَرِّدؒ نے کہا ہے وہی صحیح ہے۔ یعنی یہ کہ یہ مثل عَمرو بن اسد نے کہی تھی[2] کیونکہ امام طبریؒ نے جبیرؓ بن مطعمؓ سے اور حضرت ابن عباسؓ سے اور حضرت

---

[1] یہ مثل کسی کی شرافتِ نسبی بیان کرنے کے لئے بولی جاتی ہے۔ اس کی تشریح کا موقع نہیں ۱۲

[2] یہ عاجز کہتا ہے کہ اگر ورقہ بن نوفل کے کہنے والی روایت کی سند صحیح ہو۔ تو ہو سکتا ہے کہ یہ مثل دونوں نے کہی ہو۔ کیونکہ مجلس نکاح تھی۔ اگر ایک نے ایک بات کہی اور دوسرے نے بھی اس کی تائید کر دی تو اس میں کوئی اختلاف نہیں، غرض تو آنحضرتؐ کی تعریف تھی اور دونوں آنحضرتؐ کے ہمجدی ہیں اور آنحضرتؐ کو جانتے پہچانتے ہیں ۱۲ منہ

عائشہؓ سے بااسناد روایت کیا اور ان سب نے یہ کہا کہ حضرت خدیجہؓ کا نکاح آنحضرت صلعم سے عمرو بن اسد نے کرایا تھا۔ اور خویلد (حضرت خدیجہؓ کا باپ) حرب فجار سے پیشتر فوت ہو چکا تھا۔" (الروض الانف للسہیلیؒ جلد اول صفحہ ۱۲۲)

امام طبریؒ کی یہ روایات ایسے شخصوں سے مروی ہیں۔ جو رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم اور حضرت خدیجہؓ ہر دو کے قریبی رشتہ دار ہیں۔

حضرت جبیر بن مطعمؓ ایک معزز قریشی ہیں۔ جن کا سلسلہ نسب آنحضرتؐ سے تو عبد مناف پر اور حضرت خدیجہؓ سے قصیّ پر جو عبد مناف کا باپ تھا جا ملتا ہے۔ اور حضرت عبد اللہ بن عباسؓ تو آنحضرتؐ کے حقیقی چچا زاد بھائی ہیں۔ اور حضرت عائشہؓ آنحضرت صلعم کی زوجہ مطہرہ ہونے کے علاوہ سلسلۂ نسب میں آپ سے تو ساتویں پشت پر اور حضرت خدیجہؓ سے چھٹی پشت پر جا ملتی ہیں۔ کیونکہ وہ قصیّ بن کلاب کے بھائی تیم کی اولاد میں سے ہیں۔ چنانچہ سب کا شجرہ نسب حسب ذیل ہے:-

شجرۂ نسب ملاحظہ ہو۔
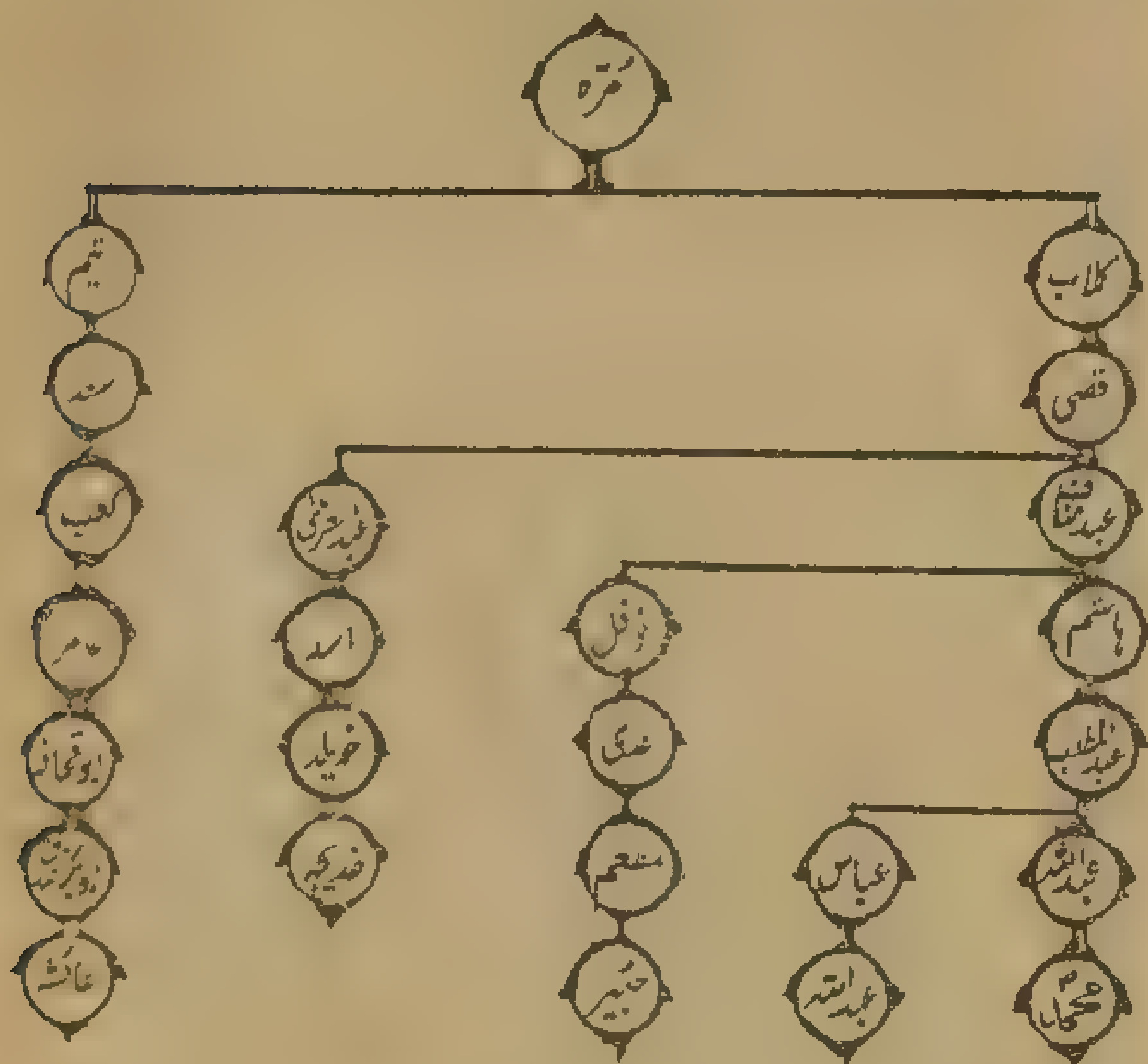
اس تفصیل سے ہماری غرض یہ ہے۔ کہ حضرت جُبیرؓ اور عبد اللہؓ اور عائشہؓ۔ آنحضرتؐ اور حضرت خدیجہؓ ہر دو کے جدّی رشتہ دار ہیں۔ ان سب کی روایات میں یہ مذکور ہے۔ کہ اس نکاح کا متولی حضرت خدیجہؓ کا حقیقی چچا عمرو بن اسد تھا۔ اور حضرت خدیجہؓ کا باپ خُویلد وقتِ نکاح سے بہت پیشتر فوت ہو چکا تھا۔ چونکہ یہ شہادتیں ایسے

اشخاص کی ہیں۔ جو طرفین کے جدی رشتہ دار ہیں۔ اس لئے وہ اپنے خاندانی واقعات کو دوسروں کی نسبت زیادہ وثوق سے جان سکتے ہیں۔ اور گھروں میں باہم تذکرہ ہوتے رہنے سے دوسروں کی نسبت زیادہ پختہ طور پر محفوظ رکھ سکتے ہیں۔ اس لئے ان کی شہادت معتبر ہے، اور جو روایت اُن کے برخلاف ہو وہ سراسر غیر معتبر ہے، چہ جائیکہ اس کی سند بھی کوئی نہ ہو۔ وَهٰذَا التَّحْقِيْقُ مِنْ فَضْلِ رَبِّيْ وَلِلّٰهِ الْحَمْدُ!

آنحضرتؐ کے نکاح کا خطبہ

آپؐ کے نکاح پر آپ کے چچا ابو طالب نے جو خطبہ پڑھا۔ وہ خصوصیت سے قابلِ ذکر ہے۔ اس لئے ہم اُسے پورا نقل کرتے ہیں :۔

الحمد لله الذی جعلنا من ذریۃ ابراھیم وزرع اسمٰعیل وضئضئ معد وعنصر مضر وجعل لنا بیتا محجوجا وحرما امنا وجعلنا امناء بیته وسواس	سب تعریف خدا کو ہے۔ جس نے ہم کو حضرتؑ ابراہیم کی ذریت اور حضرت اسمٰعیلؑ کی نسل اور معد کے اصل اور مضر کے عنصر سے پیدا کیا۔ اور ہمارے لئے ایک گھر بنایا جس کا حج کیا جاتا ہے اور امن والا حرم بھی دبنایا؛ اور ہم

حرمه وجعلنا الحكام
على الناس وان ابن
اخي محمد بن عبد الله
من قد علمتم قرابته
وهو لا يوزن باحد
الا رجح به وان كان
في المال قل فان المال
ظل زائل وقد خطب
خديجة بنت خويلد
وبذل لها من الصداق
ما عاجله واجله من
مالي كذا (ابن خلدون جلد ا)

کو اپنے اس گھر کا امین اور اپنے حرم کا
محافظ بنایا۔ اور ہم کو لوگوں پر حکومت
بخشی۔ بیشک میرا بھتیجا محمد بن عبداللہ
وہ ہے۔ جس کی قرابت اور نسب کو تم
سب جانتے ہو۔ اور وہ جس کسی کے
ساتھ بھی تولا جائے گا۔ اس سے
(شرافت وفضائل میں) بھاری نکلے گا۔
اگرچہ وہ قلیل المال ہے۔ بیشک مال
ایک ڈھل جانے والا سایہ ہے۔
اور خدیجہ بنت خویلد نے اس کا رشتہ
چاہا ہے۔ اس (محمد) نے اتنا مہر معجل
اور مؤجل میرے مال میں سے دیا ہے۔

آنحضرتؐ کی عمر اس وقت پچیس برس کی۔ اور حضرت
خدیجہؓ کی چالیس برس کی تھی۔ اس مجلس نکاح میں قوم
کے عام بزرگ موجود تھے۔ جن میں ورقہ بن نوفل جیسے
سنجیدہ اور عمر رسیدہ معززین بھی تھے۔ ابو طالب سب
کے سامنے آنحضرتؐ کو سب قریشی جوانوں پر فضیلت
کھلی دیتے ہیں۔ اور کوئی بھی اس سے انکار نہیں کرتا۔
جس سے صاف ظاہر ہے۔ کہ اس عمر میں بھی آنحضرتؐ

کی اخلاقی شرافت و فضیلت سب کے نزدیک مسلّم تھی۔

حضرت خدیجہؓ کے مال کا مصرف

مصنّفین سیرت نے اس عنوان کی طرف توجہ نہیں کی کہ نکاح کے بعد حضرت خدیجہؓ کا مال کیا ہوا؟ اگرچہ خاص اس موضوع پر کتبِ سیرت میں کوئی باب نہیں باندھا گیا۔ لیکن ہم خدا کی توفیق سے جستہ جستہ حالات و اندراجات کو یکجا جمع کرکے ناظرین کے سامنے رکھ دیتے ہیں۔ سو واضح ہو کہ یہ تو سب کو معلوم ہے۔ کہ حضرت خدیجہؓ کی سابقہ اولاد دو بیٹے اور ایک بیٹی بھی تھی۔ سو حضرت خدیجہؓ نے اپنے مال کا ایک جزو اُن کو دیکر باقی مال جیسا کہ واقعات سے پتہ چلتا ہے۔ آنحضرتؐ کے سپرد کر دیا تھا۔ اور اُس کے صرف کا کامل اختیار دے دیا تھا۔ چنانچہ حافظ ابن عبدالبر قرطبیؒ استیعاب میں باسنادِ خود حضرت عائشہؓ سے روایت کرتے ہیں۔ کہ آنحضرتؐ نے اُن سے خطاب کرکے فرمایا۔

"خدا کی قسم! خداتعالیٰ نے مجھے خدیجہؓ کے بدلے

اس سے بہتر کوئی بیوی نہیں دی۔ وہ مجھؐ پر ایمان لائی جب اور لوگوں نے کفر کیا۔ اور اُس نے میری تصدیق کی جب اور لوگوں نے میری تکذیب کی۔ اور آپؓ نے اپنے مال سے میری غمخواری کی جبکہ لوگوں نے مجھے محروم رکھا۔ اور خدائے تعالیٰ نے مجھے اولاد بھی بخشی جب کہ دیگر (مہر والی) بیویوں سے اولاد نہ دی۔" الحدیث[1]

حافظ ابن قیمؒ زاد المعاد میں حضرت خدیجہؓ کے ذکر میں فرماتے ہیں:-

"یہ وہ بیوی ہے جس نے نبوّت پر آپؐ کی تائید کی۔ اور آپؐ کے ساتھ اپنی ہمّت خرچ کی۔ اور اپنے مال وجان سے آپ کی غمخوارئ[2] کی"۔

شاہ عبد القادر صاحبؒ سورۂ والضحیٰ کی آیت وَوَجَدَكَ عَآئِلًا فَاَغْنٰى پر حاشیہ میں فرماتے ہیں:-

"حضرت خدیجہؓ اپنی قوم میں اشراف تھیں اور مالدار۔ اُن سے نکاح ہوا۔ سب مال اُنھوں نے حاضر کیا"۔

---

[1] استیعاب صفحہ ۷۲۱ جلد ۲۔ نیز اصابہ صفحہ ۵۲۴ جلد ۸ ذکر حضرت خدیجہؓ ۱۲ منہ

[2] زاد المعاد صفحہ ۲۶ جلد ۱ مطبوعہ مصر۔ ۱۲ منہ

اسی طرح تفسیر معالم میں بھی اسی آیت کے ذیل میں۔ بِمَالِ خَدِيْجَةَ یعنی "(خدا نے) غنی کیا خدیجہؓ کے مال سے" لکھا ہے۔

اِن حوالجات سے واضح ہوگیا۔ کہ وفادار و جان نثار بیوی نے اپنا سارا مال آنحضرتؐ کی خدمت میں پیش کر دیا تھا۔ اور آپ کو اُس کے صرف کا کامل اختیار دے دیا تھا۔ چونکہ آپ اپنے آباؤ اجداد کی طرح سخی اور فیاض واقع ہوئے تھے اور آپ کا دستِ کرم بہت فراخ تھا۔ اس لئے آپ یہ مال قبل از نبوت اپنی خانگی ضروریات کے علاوہ خدمتِ خلق اللہ میں یعنی بیکسوں کی امداد۔ مقروضوں کی ذمہ داری۔ یتیموں کی پرورش اور بیواؤں کی خبر گیری میں اور عہدِ نبوت میں ان مصارف کے علاوہ خدمتِ دین میں خرچ کرتے رہے۔ چنانچہ سیرتِ ابن ہشام میں آنحضرتؐ کے غارِ حرار میں گوشہ نشینی کرنے کے ذکر میں مرقوم ہے:۔

"رسول اللہ صلعم ہر سال اس مہینہ (رمضان) میں گوشہ نشینی کرتے تھے اور ہر مسکین کو جو آپ کے پاس آتا کھانا کھلاتے تھے"۔[1]

---

[1] ابن ہشام جلد۱ نیز تاریخ طبری جلد۲ صفحہ ۲۰۶ نیز تاریخ حافظ ابن کثیرؒ جلد۳ صفحہ ۵ ۲۰۱منہ

ذیل کی تفصیل سے یہ بات واضح ہوجائے گی:۔
قبل از نبوّت غارِ حراء میں گوشہ نشینی کے ایام میں جب آپؐ کو منصبِ نبوت سے سرفراز کیا گیا۔ تو بوجہ فرشتوں کی ملاقات سے نامانوس ہونے کے آپ کی طبعیت پر دہشت طاری ہوگئی۔ آپ نے گھر پر آکر سارا ماجرا حضرت خدیجہؓ سے ذکر کیا۔ اور کہا مجھے تو اپنی جان کا خطرہ ہوگیا ہے۔ اس پر حضرت خدیجہؓ نے بالفاظِ ذیل آپؐ کو تسلّی دی۔

كَلَّا وَاللهِ لَنْ يُخْزِيَكَ اللهُ اَبَدًا اِنَّكَ لَتَصِلُ الرَّحِمَ وَتَحْمِلُ الْكَلَّ وَتَكْسِبُ الْمَعْدُوْمَ وَتَقْرِئُ الضَّيْفَ وَتُعِيْنُ عَلٰى نَوَآئِبِ الْحَقِّ۔ (صحیح بخاری کتاب بدء الوحی)	یعنی ایسا ہرگز نہیں ہوگا۔ خدا کی قسم! خدائے تعالےٰ آپ کو ہرگز رُسوا نہیں کرے گا۔ کیونکہ آپ قرابت داروں سے صلہ رحمی کرتے ہیں۔ اور ان لوگوں کے بوجھ اُٹھاتے ہیں جو اپنے لئے کافی نہیں ہیں۔ اور ناداروں کو جن کو کہیں سے بھی میسر نہیں ہوتا آپ عطا کرتے ہیں۔ اور مہمانوں کی خاطر تواضع کرتے ہیں۔ اور حق کی مصیبتوں پر امداد واعانت کرتے ہیں۔

آنحضرتؐ کی طرزِ زندگی کے متعلق حضرت خدیجہؓ کی یہ رائے محض ذہنی اور قیاسی نہیں بلکہ برابر پندرہ

سال کے استقراء اور شب و روز کے مشاہدۂ احوال و واقعات پر مبنی ہے۔ اور ظاہر ہے کہ یہ اوصاف و اعمال بغیر خرچ اموال کے فعل میں نہیں آ سکتے، اس سے یہ بھی واضح ہوگیا۔ کہ حضرت خدیجہؓ نے آنحضرتؐ کو اپنے مال پر کامل اختیار دیا ہوا تھا۔ ورنہ وہ اِن فیاضیوں پر آنحضرتؐ کی ایسی تعریف نہ کریں۔ اسی معنی میں آپ کے چچا ابو طالب کا قصیدہ لامیہ ہے۔ جس کا ایک شعر یہ ہے ؎

وَاَبْيَضَ يُسْتَسْقَى الْغَمَامُ بِوَجْهِهٖ
ثِمَالَ الْيَتَامٰى عِصْمَةً لِّلْاَرَامِلِ[1]

"یعنی محمدؐ نورانی صورت والے جن کے چہرے سے بادل پانی مانگتا ہے یا جن کے چہرے کو پیش کرکے خدا سے بارش مانگی جاتی ہے، آپؐ یتیموں کے پُشت پناہ اور بیواؤں کے محافظ ہیں۔"

اور آنحضرتؐ کے انہی اوصاف کو مولانا حالی مرحوم نے اپنی مقبولِ عام مسدّس میں اس طرح نظم کیا ہے ؎

وہ نبیوں میں رحمت لقب پانے والا
مرادیں غریبوں کی بَر لانے والا

---

[1] سیرت ابن ہشام مطبوعہ مصر علی ہامش۔ زاد المعاد صفحہ ۵۲۸ جلد اول۔ منہ

مصیبت میں غیروں کے کام آنے والا
وہ اپنے پرائے کا غم کھانے والا
فقیروں کا ملجا ضعیفوں کا ماویٰ
یتیموں کا والی غلاموں کا مولیٰ

کتب سیرت اور حدیث کی ورق گردانی سے اور بھی بہت سے حوالے پیش ہو سکتے ہیں۔ لیکن اثباتِ مدعا کے لئے اس قدر بیان کافی ہے۔ اور حضرت خدیجہؓ سے بڑھ کر کسی اور شہادت کی ضرورت بھی نہیں۔ کیونکہ وہ آنحضرتؐ کی زوجہ محترمہ ہیں۔ اور اپنے مال کی اصل مالکہ بھی ہیں۔ اور آنحضرتؐ یہ سب فیاضیاں اُن کی نظر کے سامنے کرتے ہیں۔ اور وہ اُن پر خوش ہوتی ہیں۔

قبولیّتِ عامہ

قدرت نے آنحضرتؐ کو جملہ اوصافِ حمیدہ سے آراستہ اور تمام عاداتِ پسندیدہ سے پیراستہ اور ہر قسم کی چھوٹی یا بڑی بُرائی سے مبرّا کر رکھا تھا کیونکہ آپ نبی ہونے والے تھے، اور نبوّت کے ساتھ طہارتِ نفس اور اخلاقِ فاضلہ اور خصائل حسنہ کا جوڑ

نہایت ضروری ہے۔
۱۔ آپ کے حسن معاملہ کا ذکر سابقاً آپ کے شریکِ تجارت حضرت سائب بن یزیدؓ کی زبانی اور صدق گفتاری اور امانت داری کا بیان حضرت خدیجہؓ کے ایجنٹ میسرہ کی رفاقت کے سفر میں اور عام فیاضی و غریب نوازی و راستبازی آپ کی زوجہ محترمہ حضرت خدیجہؓ کی شہادت سے ابھی مرقوم ہو چکے ہیں۔
۲۔ روم کے عیسائی بادشاہ ہرقل نے جب ابو سفیان وغیرہ تجارِ مکہ سے آنحضرتؐ کی نسبت پوچھا۔ هَلْ كُنْتُمْ تَتَّهِمُوْنَهٗ بِالْكَذِبِ قَبْلَ اَنْ يَّقُوْلَ مَا قَالَ" یعنی کیا تم دعوٰے نبوت سے پیشتر آپ پر جھوٹ کی تہمت رکھتے تھے"؟ تو ابو سفیان نے ہرچند کہ وہ اُس وقت مشرف باسلام نہیں تھا۔ سب کے سامنے نہایت صفائی سے کلمہ لاؔ سے اس کی نفی کی۔
۳۔ اسی طرح جب آپؐ نے اپنی قوم کو کوہِ صفا پر پیغام الٰہی سُنانے کے لئے جمع کیا۔ تو اُن سے سب سے پہلے یہی پوچھا۔ اَكُنْتُمْ مُصَدِّقِيَّ یعنی "اگر میں تم کو کوئی (ایسی ایسی) خبر دوں۔ تو کیا تم مجھے

صادق جانو گے؟ تو اس کے جواب میں سب نے بالاتفاق کہا:۔ نَعَمْ مَا جَرَّبْنَا عَلَیْکَ کَذِبًا یعنی "ہم نے آپ پر جھوٹ کا تجربہ کبھی نہیں کیا"[1]

۴۔ اسی طرح جب آپ عہدۂ نبوّت پر ممتاز ہوئے اور اس کا ذکر حضرت ابوبکرؓ سے کیا۔ جو شروع سے آپؐ کے دوست ورفیق تھے' اور آپؐ کے اخلاق و عادات اور صدق وصفا کے محرم و آشنا تھے۔ تو اُنہوں نے بلا تردّد و تامل کہا:۔ بِاَبِیْ اَنْتَ وَ اُمِّیْ اَھْلُ الصِّدْقِ اَنْتَ اَشْھَدُ اَنْ لَّآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَ اَنَّکَ رَسُوْلُ اللّٰہِ یعنی آپ پر سے میرے ماں باپ قربان ہوں۔ آپؐ اہلِ صدق ہیں۔ میں شہادت دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی بھی لائق عبادت نہیں ہے۔ اور یہ بھی کہ آپ اللہ کے رسول برحق ہیں[2]

غرض آپ اوصاف حمیدہ میں مشہور و معروف اور عام فیاضی کے سبب محبوبِ کل تھے۔ حاجتمند اور غربار اپنی حاجتوں کے لئے اور فریقین اپنے تنازعات کے فیصلوں کے لئے آپ کی طرف رجوع کرتے۔ اور

[1] [2] نور الیقین فی سیرت سید المرسلین للشیخ محمد الخضری المصری صفحہ ۳۳ و صفحہ ۲۸/۲ ۱۲ منہ

ہر کوئی آپ سے احسان و کرم اور عدل و انصاف کی امید رکھتا۔ قدرت نے خلقت کی زبان پر آپ کے لئے الامین کا معزز لقب جاری کر دیا۔ جو ہر نبی کے لئے بمنزلہ بنیادی وصف کے ہوتا ہے۔ کیونکہ وہ خدا کی وحی کا امین ہوتا ہے۔

تعمیر کعبہ

جب آنحضرتؐ کی عمر پینتیس سال کی ہوئی تو خانہ کعبہ کی عمارت ایک طوفان کے سبب شہید ہوگئی۔ قریش نے اُسے ایسے طریق پر از سرِ نو تعمیر کرنا چاہا۔ کہ آئندہ طوفان اثر نہ کر سکے۔ کیونکہ کعبہ شریف نشیب جگہ میں تھا۔ اور ارد گرد کی پہاڑیوں سے بارش کا پانی آکر ہمیشہ اُسے نقصان پہنچاتا تھا۔ ان دِنوں میں اتفاق سے یونانیوں کا ایک جہاز جدہ کے قریب بندرِ شُعَیبَیہ پر ٹوٹ گیا۔ مکہ شریف میں اس کی خبر پہنچی۔ حضرت خالدؓ بن ولید کا چچا ابو اُمیہ بِن مغیرہ قریش کی ایک جماعت کو ساتھ لے کر بندر پر گیا۔ اور جہاز کی لکڑی وغیرہ خرید لایا۔ جہاز میں ایک یونانی یا رُومی شخص باقوم نام فنِ عمارت و سنگ تراشی

کا ماہر تھا۔ اُسے بھی ساتھ لیتے آئے۔ اور کعبہ کی تعمیر اُس کے سپرد کر دی[1]۔

قریشیوں کے مختلف خاندان تھے سب کو، چار گروہوں میں تقسیم کر کے کعبہ کی ایک ایک جانب ہر ایک گروپ (Group) یعنے گروہ کے حصّے میں دی گئی۔ نہایت تاکید اور احتیاط سے نہایت پاک اور حلال کمائی کا چندہ جمع کیا گیا۔ اور بڑے بڑے نامی سردارانِ قریش شوق سے مزدوروں کی طرح پتھر ڈھونے لگے۔ حضرتِ عبّاسؓ اور سرورِ کائنات بھی اس کام میں شریک تھے، چنانچہ صحیح بخاری میں حضرت جابر بن عبد اللہؓ سے مروی ہے کہ:-

"جب کعبہ تعمیر کیا جا رہا تھا۔ تو آنحضرتؐ اور حضرت عباسؓ (دونوں چچا بھتیجا) بھی پتھر ڈھوتے تھے۔ حضرت عباسؓ نے آنحضرتؐ سے کہا۔ اپنا تہمد اپنے سر پہ رکھ لیں تاکہ پتھروں (کی رگڑ) سے بچے رہیں (آنحضرتؐ نے چچا کے کہنے پر عمل کیا) پس آپ (غش کھا کر) زمین پر گر پڑے، اور آپؐ کی آنکھیں آسمان کی طرف کھلی رہ گئیں۔ آپؐ کو افاقہ ہوا۔ تو آپؐ نے چچا سے کہا۔

[1] نور الیقین مطبوعہ مصر صفحہ ۲۸ - ۱۲ منہ

اِزَارِیْ اِزَارِیْ (میرا تہمد میرا تہمد) پس چچا نے آپ کو تہمد بندھوا دیا۔[1]

ازالۂ شک باوجودیکہ یہ روایت صحیح بخاری کی ہے۔ جو التزام صحت میں مسلّم کل ہے اور سر ولیم میور خود بھی تعمیر کعبہ کا بیان بالتفصیل بیان کر کے آنحضرتؐ کے تہمد اُتار کر سر پر رکھنے اور غش کھا کر گر پڑنے کا واقعہ بھی بیان کرتے ہیں۔ لیکن چونکہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ قدرت کی اس حفاظت و عنایت میں ایک خصوصیت پائی جاتی ہے۔ اس لئے سر ولیم میور باایں ہمہ فضیلت اپنی عادت سے مجبور ہو کر اس واقعہ کو مشکوک کرنا چاہتے ہیں۔ کہ کاتب الواقدی محدّث ابن سعدؒ تو اس واقعہ کو تعمیر کعبہ کے وقت کا بتاتے ہیں۔ لیکن ابن ہشام اسے آپ کے بچپن کے زمانے کا لکھتے ہیں۔ جبکہ آپ بچّوں کے ساتھ کھیل رہے تھے۔ سر ولیم میور اس کے بعد فرماتے ہیں "کہ کوئی شخص اس نتیجہ پر پہنچ سکتا ہے۔ کہ

---

[1] صحیح بخاری کتاب الحج باب فضل مکۃ و بنیانہا نیز کتاب المناقب کے بعد باب بُنیانُ الکعبہ ۱۲ منہ

ایسی کہانیاں کس درجہ کی دلیل ہو سکتی ہیں؟[1]

حیرانی ہے کہ سر ولیم میور بایں ہمہ فضل و کمال اور وسعتِ مطالعہ صحیح بخاری اور اس کی شرح فتح الباری کے بیانات کو مشکوک کہانیاں سمجھتے ہیں۔ جن کے مصنفین ایک ایک جزوی امر کو بھی صحتِ اسناد سے روایت کرتے ہیں۔ اور حضرت مسیحؑ کے بچپن کے عجیب و غریب حالات کو مرقس و لوقا اور متی و یوحنا کے بیانات کی بنا پر صحیح مانتے ہیں۔ جن میں سے پہلے دُو یعنی مرقس و لوقا تو حواری ہی نہیں۔ اور دُوسرے دُو یعنی متی و یوحنا حواری تو ہیں لیکن یہ امر ابھی فیصلہ طلب اور مشکوک ہے۔ کہ جو کتابیں اُن کی طرف منسوب ہیں۔ وہ خود اُن کی تصنیف ہیں۔ یا کسی اَور کی۔ اور اگر بالفرض یہ مان بھی لیا جائے۔ کہ خود اُن کی تصنیف ہیں تو یہ معلوم نہیں کہ متی اور یوحنا اور اُن کی طرح مرقس اور لوقا نے یہ معلومات کن ذرائع اور وسائط سے حاصل کئے۔ کیونکہ اُن کو حضرت مسیحؑ کی ولادت اور بچپن کے کوائف بغیر کسی ذریعے اور واسطے کے معلوم نہیں ہو سکتے۔ اَور وہ ہر چہار مصنف کوئی ذریعہ اور

---

[1] لائف آف محمدؐ جلد دوم صفحہ ۳۴ ۔ فٹ نوٹ ۔

واسطہ کسی ایک بھی جزوی یا کلی امر کے متعلق بتاتے نہیں۔ نہ ولادت کے متعلق اور نہ بچپن کی بابت۔ اور مرقس و لوقا تو آپ کے تبلیغ رسالت کی نسبت بھی واسطہ کا نام نہیں بتاتے۔ حالانکہ وہ حواری نہیں ہیں۔ بلکہ وہ ان کی بابت یہ بھی دعوٰے نہیں کرتے۔ کہ ہمیں اُن کا ذاتی طور پہ علم ہے۔

ہاں ولادت و بچپن کے حالات کے علم کے لئے اگر کوئی ذریعہ و واسطہ ہو سکتا ہے۔ تو وہ صرف اور صرف یہود ہو سکتے ہیں۔ اور معلوم ہے کہ یہودی حضرت مسیح (علٰے نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام) کی ولادت اور آپ کی والدہ ماجدہ حضرت مریمؑ صدیقہ کے متعلق کیا کیا بیہودہ خیال کرتے تھے اور اب بھی رکھتے ہیں۔ جسے قرآن نے بُهْتَانًا عَظِيمًا کہہ کر ردّ کر دیا۔ پس یہود حضرت مسیحؑ کے ایسے عجیب و غریب حالات بیان نہیں کر سکتے۔ پس ایسے بیانات کی تصدیق کرنا جن کا سر ہے نہ پیر۔ نہ راوی کا علم نہ مروی عنہ کا پتہ۔ اور ایسی روایات سے انکار کرنا جن کا ایک ایک جملہ بلکہ ایک ایک لفظ بلکہ ایک ایک حرف ہیؔ اور تؔ کا فرق نکال کر اور ثؔ اور تؔ میں تمیز کر کے بصحتِ اسناد ثابت

ہے۔ اور مصنّف سے لیکر آخر راوی اور مروی عنہ تک ایک ایک فرد کی شخصیت وعظمت دیانت وصداقت اور عدالت وامانت۔ معروف ومسلّم ہے۔ نہایت تعجب خیز ہے۔ سچ ہے۔ تعصّب انسان کو اندھا کر دیتا ہے۔ اور نورِ بصیرت کو بجھا دیتا ہے۔ اسی معنی میں کہا گیا ہے ؎

وَكَمْ مِنْ عَائِبٍ قَوْلًا صَحِيْحًا ٭ وَّآفَتُهٗ مِنَ الْفَهْمِ السَّقِيْمِ

"یعنی بہت سے لوگ کسی صحیح اور درست بات میں عیب نکال کھڑا کرتے ہیں۔ حالانکہ وہ عیب نکالنے کی آفت اپنی ہی کوتاہ فہمی یا سُوءِ فہمی سے ہوتی ہے۔"

سُنئے جناب! یہ دو واقعات ہیں۔ اور دونوں جمع ہو سکتے ہیں۔ اِن میں کسی قِسم کا تضاد نہیں۔ تناقض نہیں ایک ہی امر ایک ہی صورت میں دو مختلف زمانوں میں (دو دفعہ) واقع ہو سکتا ہے۔ ایک آپ کی بچپن کی عمر کا ہے۔ جب آپ بچّوں کے ہمراہ کھیل رہے تھے۔ اور دُوسرا جوانی کی عمر کا ہے۔ جب آپ پینتیس سال کے تھے۔ اور قوم کے دیگر اشخاص کے ساتھ ملکر تعمیر کعبہ میں مشغول تھے۔ بچپن کی عمر میں آپ معصُوم تھے۔ اور معصُوم بچے کھیلنے کے وقت عادۃً کپڑے اُتار دیا کرتے

ہیں۔ لیکن چونکہ آپ خدا کے علم میں اُس وقت بھی نبی تھے اور نبی اپنی عمر کی ہر سٹیج (stage) میں معصوم ہوتا ہے۔ اس لئے قدرت نے غیبی طور پر آپ کی حفاظت کی۔ اور ننگا نہ رہنے دیا۔ اور تعمیر کعبہ کے وقت آپ نے اپنے بزرگوار چچا کے کہنے پر ضرورۃً عمل کیا۔ جنہوں نے ازروئے شفقت آپ سے کہا تھا کہ اپنا تہمد اپنے سر پر رکھ لیں۔ تاکہ پتھروں کی رگڑ سے بچے رہیں۔ جیسا کہ صحیح بخاری کے صریح الفاظ ہیں۔ یَقِیْكَ مِنَ الْحِجَارَةِ "یعنی بچائے گا آپ کو یہ (کپڑا سر پہ رکھنا) پتھر کی رگڑ سے"۔ پس اس وقت بھی قدرت نے آپ کی حفاظت کی اور بے تہمد نہ رہنے دیا۔

بتایئے! ان دونوں میں کونسی صورت تضاد و تناقض کی ہے۔ حافظ ابن حجرؒ نے فتح الباری میں امام سہیلیؒ سے ان ہر دو روایات کی جمع اسی طرح نقل کی ہے۔ چنانچہ فرمایا:۔ مَرَّةً فِي الصِّغَرِ وَمَرَّةً فِي حَالِ الْاِكْتِهَالِ[1] یعنی

---

[1] فتح الباری دہلوی جزو ۱۵ صفحہ ۴۲۶ نیز تاریخ حافظ ابن کثیر جلد ۲ صفحہ ۲۸۷ میں دونوں روایتیں مذکور ہیں۔ بچپن کی بھی اور بنائے کعبہ کے وقت کی بھی۔ جو لڑکپن کی ہے اس میں فی غلمان من قریش ننقل حجارۃ مالیعب الغلمان کے الفاظ بالتصریح مکتوب ہیں۔ یعنی آنحضرتؐ فرماتے ہیں کہ قریشی لڑکوں میں ملکر ہم پتھر اُٹھا اُٹھا کر اِدھر اُدھر لیجاتے تھے جو لڑکے (باقی آگے)

ایک دفعہ بچپن میں اور ایک دفعہ کہولت کی عمر میں۔

نوٹ ضروری:- تعمیر کعبہ کے کام میں جو آپ نے اپنا تہمد اُتار کر کندھے پر رکھ لیا۔ تو اس سے یہ نہ سمجھ لینا چاہیئے کہ معاذ اللہ آپ مادر زاد برہنہ ہوگئے تھے۔ یہ تو کوئی ادنےٰ سے ادنےٰ درجے کا شخص بھی بشرطیکہ وہ مجنون نہ ہو۔ اپنی قوم کے باوقار بزرگوں اور ہم عمروں کی کثیر جماعت کجا۔ کسی ایک شخص کے سامنے بھی نہیں کر سکتا۔ چہ جائیکہ عفت وحیا کا زندہ مجسمہ اور مکارمِ اخلاق کی جیتی جاگتی تصویر جو اسی واقعہ تعمیر کعبہ میں قوم کے رفع تنازُع کے لئے قدرت کے تصرّف غیبی سے حَکَم بننے والا ہے اور تمام اُس کی خوشی میں هٰذَا الْاَمِیْنُ هٰذَا الْاَمِیْنُ کے نعرے لگانے والے ہیں۔ اور وہ اس کے پانچ سال بعد خدا کی طرف سے رسالت کا تاج پہن کر اسی قوم کے سامنے آنے والا ہے۔ ایسی حرکت کرے۔ خدا کی قسم! ایسا ہرگز

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۲۹۱ کا) کھیلا کرتے ہیں، اس میں بناءِ کعبہ کا ذکر نہیں ہے اور دوسری آپ کی پینتیس سال کی عمر کا واقعہ بناءِ کعبہ کے وقت کا ہے۔ اس میں بناءِ کعبہ کا لفظ صاف موجود ہے۔ اور وہ صحیحین کی روایت ہے ۱۲ منہ

نہیں ہو سکتا۔ بات یہ ہے۔ کہ عربوں کے کرتے گھٹنوں سے نیچے اور لمبے ہوتے ہیں، وہ یورپینوں کی طرح نہ تو پتلون پہنتے ہیں اور نہ شارٹ شرٹ (Short Shirt - چھوٹی قمیص) اور نہ پیٹی کوٹ (Petty coat: چھوٹا کوٹ) کہ پتلون اُتار دینے پر شرمناک طور پر ننگے ہوجائیں۔ حضرت عباسؓ نے آپ کے کرتے کو سترِ عورت کے لئے کافی جان کر شفقتہً آپ کو تہمد کندھے پر ڈال لینے کا مشورہ دیا۔ تاکہ آپؐ کا نازک و بابرکت کندھا پتھروں کی رگڑ سے محفوظ رہے۔ لیکن قدرت نے ایسی حالت طاری کردی جس سے آپ اِزَارِیْ اِزَارِیْ پکار اُٹھے۔ اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلَیْہِ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَبَارِکْ وَسَلِّمْ۔

رجوع بمقصد:۔ ان ضمنی تشریحات کے بعد ہم اصل مضمون کی طرف رجوع کرتے ہیں۔ کہ جب کعبہ کی دیواریں چار پانچ فٹ کی بلندی تک پہنچ گئیں و حجرِ اسودؔ[1] کے رکھنے کا موقعہ آیا۔ تو سردارانِ قریش میں

---

[1] حجرِ اسود (سیاہ پتھر) کعبہ کے شمال مشرقی کونے کو ترچھائی میں دروازۂ کعبہ کے قریب باہر کی طرف لگا ہوا ہے۔ یہاں سے طواف شروع کیا جاتا ہے اور یہیں پر آکر ختم کیا جاتا ہے۔ (باقی بر صفحہ ۲۹۴)

اس بات پر تکرار ہو پڑی ۔کہ اس مبارک پتھر کو لگانے کی سعادت کون حاصل کرے ؟ اس کے لئے ہر بڑے شخص کا جی للچایا۔ اور ہر فریق دُوسرے کو

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۲۹۳ کا) چونکہ کعبہ کے گرد گھومنے سے دائرہ کی صُورت میں گردش کرنی پڑتی ہے ۔ اور اس طرح سات دفعہ گردش کرکے ایک طواف شمار کیا جاتا ہے ۔ اس لئے ضروری ہے ۔کہ کوئی خاص مقام ابتدا اور انتہا کے لئے مقرر کیا جائے ۔ اور اس غرض کے لئے کونے سے بڑھ کر کوئی نقطہ موزون و مناسب نہیں ہو سکتا ۔کعبہ کی یہ دیوار جس میں ایک کونہ میں حجر اسود اور دوسرے میں رکن یمانی کا پتھر ہے ۔ حضرت ابراہیمؑ کی بنیادوں پر ہے۔اور چونکہ حجر اسود کا کونہ دروازۂ کعبہ کے نزدیک ہے۔ اس لئے یہ کونہ دوسرے کونوں کی نسبت ابتداء و انتہا کا نقطہ ہونے کے لئے زیادہ موزون ہے ۔ ان دونوں کا استلام (چُومنا) سنت ہے۔ (جامع ترمذی) باقی رہا حجرِ اسود کی عظمت اور قیامت کے دن اس کی گواہی کا سوال تو یہ کوئی انوکھی بات نہیں اللہ تعالیٰ نے مادی اشیاء میں بھی ایک کو دُوسری پر فضیلت و خصُوصیت بخشی ہے ۔جنت کی اشیاء کو دنیا کی اشیا پر فضیلت ہے ۔ یہ پتھر حضرت آدمؑ کے ساتھ آیا تھا ۔اور جس طرح دیگر مواضع نیکی کرنے والوں (نماز پڑھنے والوں۔ اذان دینے والوں) (باقی بر صفحہ ۲۹۵ پر)

جنگ میں طلب کرنے لگا۔ حتیٰ کہ بنی عبد الدارؔ[1] نے خون کے بھرے ہوئے پیالے میں ہاتھ ڈبو کر مرجانے اور ڈھیر رہ جانے پر قسم کھالی۔

یہ جھگڑا اور تکرار چار پانچ روز تک رہا۔ اور اس مدت تک تعمیر کعبہ کا کام رُکا رہا۔ آخرکار ابو امیّہ بن ولید مخزومی نے جو اُس وقت قریشیوں میں عمر میں سب سے بزرگ تھا۔ کہا کہ صاحبو! جھگڑا تکرار

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۲۹۴ کا) اور بدی کرنے والوں (شراب پینے والوں بدکاری کرنے والوں) انسانوں کے اعضاء (آنکھ۔ کان اور چمڑے) ان کے افعال کی گواہی دیں گے۔ اسی طرح حجر اسود بھی قیامت کے دن حاجیوں کے لئے طواف کی گواہی دے گا۔ اس کی پرستش نہیں کی جاتی سی وہم کو دُور کرنے کے لئے حضرت عمرؓ نے سب حاضرین کے سامنے جو مختلف ممالک سے حج کو آئے تھے کہہ دیا تھا۔ کہ تو ایک پتھر ہے۔ جو نہ نفع بخش سکتا ہے اور نہ نقصان پہنچا سکتا ہے الخ (استیعاب جلد ۲ صفحہ نیز صحیح بخاری کتاب الحج صفحہ ۲۱۷ نیز جامع ترمذی) در حضرت عمرؓ نے حجر اسود کو خطاب کرکے جو کہا۔ تو یہ طریق فصحاء میں مروج ہے۔ آنحضرتؐ نئے چاند کو کہتے تھے رَبِّیْ وَ رَبُّکَ اللہ یعنی میرا بھی اور تیرا بھی دونوں کا رب اللہ ہے یہ طریق زیادہ مؤثر ہوتا ہے۔

[1] بنی عبد الدار آنحضرتؐ کے ہجدی تھے۔ آنحضرتؐ کی چوتھی پشت کا دادا عبد مناف اور عبد الدار دونوں حقیقی بھائی تھے۔ ان کے والد حضرت قصیّ نے وفات کے وقت ریاستِ کعبہ کے سب عہدے اسی بیٹے عبد الدار کو دیئے تھے۔ ۱۲ منہ

نہ کرو۔ اور آپس میں کسی کو حکم مان لو۔ سب نے بخوشی منظور کر لیا۔ اور قرار پایا۔ کہ جو شخص بابِ بنی شیبہ کی طرف سے سب سے پہلے داخل حرم ہو۔ سب کی پگڑی اُسی کے سر[1]۔

سر ولیم میور صاحب نے آئندہ کی صورتِ واقعہ جس طرح پر لکھی ہے۔ ہم اُس کا نقل کر دینا مناسب جانتے ہیں۔ آپ لکھتے ہیں :-

"اس تجویز کو سب نے بخوشی منظور کیا۔ اور انتظار کرنے لگے۔ حضرت محمدؐ (صلی اللہ علیہ وسلم) جو اس موقعہ پر اتفاق سے غیر حاضر تھے۔ اس دروازے سے سب سے پہلے داخل ہونے والے دیکھے گئے۔ وہ سب کہنے لگے۔ وہ ایماندار ہمنصف (امین صاحب) آ رہے ہیں۔ ہم اِن کے فیصلے پر سب کچھ چھوڑنے کو راضی ہیں۔ حلیم اللہ

[1] سر ولیم میور نے ابن سعدؒ سے یہ نقل کیا۔ کہ سب سے پہلے آنے والا حجر اسود کو اس کے موقعہ پر لگائے۔ اور طبریؒ اور ابن ہشامؒ سے یہ نقل کیا۔ کہ سب سے پہلے آنے والے کو حکم مانا جائے جو فیصلہ وہ کرے اُس پر عمل کیا جائے (لائف آف محمدؐ صفحہ ۲۷ نٹ نوٹ جلد ۱) ہم نے اپنی عبارت میں ایسا محاورہ اختیار کیا ہے۔ جس میں دونوں باتیں جمع ہو جاتی ہیں اور عبارت مختصر رہتی ہے ۱۲ منہ

ضابطہ محمدؐ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے اِس امر کو منظور کرلیا۔ اور اپنی معمولی دانائی سے فوراً ایسی تدبیر کی۔ جو سب کے لئے مناسب ثابت ہوئی۔ اپنی اوپر کی چادر اُتار کر زمین پر بچھائی۔ اور حجرِ اسود کو اس پر رکھ کر لوگوں سے کہا۔ تمہارے چاروں گروہوں سے ایک ایک صاحب آگے بڑھیں اور اس چادر کا ایک ایک کونہ پکڑ کر اُٹھائیں۔ چار سردار آگے بڑھے، اور اُنہوں نے ایک ایک کونہ پکڑ کر باتفاق اس پتھر کو (چادر سمیت) اُٹھایا۔ جب پتھر اپنے محل کی بلندی تک اُٹھایا گیا۔ تو محمدؐ نے پتھر کو اپنے دستِ خاص سے اُٹھا کر اُس کے موقعہ پر لگا دیا[1]۔ اس فیصلہ نے حضرت محمدؐ (صلی اللہ علیہ وسلم) کے کیریکٹر کو بلحاظ دانائی اور انصاف کے بہت بلند کر دیا۔" (جلد دوم صفحہ ۲۸۔۲۹)[2]

---

[1] اس پتھر (حجر اسود) کے رکھنے در غزوہ احزاب میں خندق کے کھودنے کی پیشگوئی آنحضرتؐ کی نسبت "سام وید" میں بھی مذکور ہے جیسے ہم نے اپنی کتاب "بشاراتِ محمدیہ" میں مفصل بیان کر دیا ہے۔ اس کتاب میں سے اس پیشگوئی کو مولانا ثناء اللہ صاحب مرحوم مغفور نے تحریک شدھی کے ایام میں محمدؐ رشی کے نام پر شائع کیا تھا۔

[2] اس کے بعد سر ولیم میور نے اپنی عادت سے مجبور ہو کر ایک عجیب وہم ذکر کیا ہے۔ جس سے ہم نے (باقی صفحہ ۲۹۸ پر)

سر ولیم کی یہ تحریر ان کی کتاب "لائف آف محمدؐ" میں سے ترجمہ کر کے نقل کی گئی ہے۔ یہ کتاب ۱۸۶۱ء میں لندن میں چار جلدوں میں چھپی تھی۔ اس کتاب کے علاوہ سر ولیم میور کی ایک اور کتاب بنام "محمدؐ اینڈ اسلام" بھی آنحضرتؐ کی سوانح عمری کے متعلق ہے۔ جو چھوٹی سی ایک جلد میں ہے غالباً یہ پہلی چار جلدوں کا خلاصہ ہے۔ آپ اس میں اس واقعہ حجر اسود میں آپ کے حَکم بننے اور اس پر قریشیوں کی خوشی کے متعلق فرماتے ہیں کہ انہوں نے یوں کہا:۔ Lo! it is the faithful one! They cried, we are content.

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۲۹۷ کا) یقین کر لیا ہے کہ صاحب موصوف کو آنحضرتؐ کی مخالفت اور نیش زنی کا میتنیا تھا۔ اور باوجود ایک لائق فاضل ہونے کے اپنی تصنیف میں تسلسل مضمون کے متعلق اسی میتنیا کے اثر سے جا اور بے جا اور مناسب و نامناسب بات میں امتیاز نہیں کر سکتے تھے۔ چنانچہ عنوان "مکہ میں کسی اعلیٰ صاحب اقتدار کا فقدان" میں لکھتے ہیں:۔ "کہ چونکہ اس عہد میں جب آپ نے حجرِ اسود کے متعلق یہ فیصلہ کیا۔ کوئی صاحب اقتدار آدمی نہیں رہا تھا۔ اور محمدؐ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی اس (باقی صفحہ ۲۹۹ پر)

یعنی " دیکھئے ! وہ حضرت آمین صاحب (آرہے) ہیں۔
ہم سب راضی ہیں"۔

غرض آپ کو آپ کی متانت و امانت اور تقویٰ
و دیانت کے سبب سب لوگ اَلْاَمِین پکارتے تھے
اور دل سے آپ کی عزت کرتے تھے۔

(بقیہ حاشیہ ۲۹۸ کا) فیصلہ سے جو قبولیت ہوگئی۔ تو آپ کو یہ خیال گذرا
کہ اس خالی وقت میں قوم اور شہر کی ریاست و سرداری حاصل کردں تو
آپ نے دعویٰ نبوت کا دعوےٰ کرکے اِس خواہش کو پُورا کیا"۔ سبحان اللہ
فہم سخن نصیب اعداء اسی کو کہتے ہیں۔ یہ اپنے اندر کی کدورت
کی تبخیر ہے۔ جس نے صاحب موصوف کے دماغ کو پریشان کردیا۔
اگر یہ بات تھی۔ تو جب تبلیغ رسالت کے وقت قریشیوں نے جمع
ہوکر آپ کے مربّی چچا ابو طالب کی معرفت آپ سے کہا تھا۔ کہ
اگر اس وعظ اور دعوت سے آپ کی یہ غرض ہے۔ کہ ہم آپ کو سردار
بنالیں تو لیجئے! ہم بنا لیتے ہیں لیکن آپ ہمارے بتوں اور مذہب
کی مذمت نہ کریں۔ تو آپ نے اُس وقت اُن کی درخواست کیوں منظور
نہ کی۔ اور کیوں کہدیا۔ کہ اگر تم میرے دائیں ہاتھ پہ سُورج رکھ دو
اور بائیں ہاتھ پر چاند رکھدو۔ تو میں پھر بھی خدا کا حکم چھپا نہیں
سکتا (تاریخ حافظ ابن کثیر وغیرہ کتب سیرت) ۱۲ منہ

بعض ضروری رموز و اشارات

اس موقع پر حرم کعبہ میں آپؐ کا رب سے پہلے تشریف لانا کوئی اتفاقی بات نہ تھی۔ بلکہ قدرت کا تصرّفِ غیبی تھا۔ جو بہ ہیئاتِ وقوعی نبوّتِ محمّدیہ کا مقدمہ تھا۔ کیونکہ قوم کی قیل وقال اور جنگ و تکرار سے اُن کی اخلاقی حالت ظاہر ہو رہی ہے۔ اور حجرِ اسود کو چادر پہ رکھ کر سب کو اس کارِ خیر میں شریک کر لینے سے اور سب کو خوش و خرّم کر دینے میں یہ راز مضمر تھا۔ کہ یہ جنگجو اور خونریز عرب آپ کے دستِ مبارک پر ایک متحدہ قوم بنجائیں گے۔ اور وہ سب مل کر توحیدِ الٰہی کے قائم کرنے میں آپ کے معاون و مددگار ہوں گے۔ اور صرف آپ ہی کے دستِ خاص سے پتھر کو کونے پر لگوانے کے معنی یہ تھے۔ کہ توحید کی بنیاد رکھنے کے قابل صرف آپ ہی کا دستِ مبارک تھا۔ دیگر کوئی نہ تھا۔ اور اسی طرح کے کئی ایک دیگر رموز و اشارات بھی ہیں۔ جنہیں ہم بہ نظرِ اختصار لکھ نہیں سکتے۔ وَاللّٰہُ اَعْلَمُ۔

علی بن ابی طالبؓ

سر ولیم میور لکھتے ہیں کہ تعمیر کعبہ کے تھوڑا عرصہ بعد

آنحضرتؐ کا لڑکا قاسم صغر سنی میں فوت ہوگیا۔ انہی ایام میں مکہ شریف میں قحط پڑا۔ آنحضرتؐ کے چچا ابو طالب قلیل المال اور کثیر العیال تھے۔ اور دُوسرے چچا حضرت عباسؓ بہت امیر تھے۔ آنحضرتؐ اپنے مربی چچا کی تکلیف کو برداشت نہ کر سکے، اور حضرت عباسؓ سے کہنے لگے، چچا جان! آپ کے بھائی جان ابو طالب کا کنبہ بھاری ہے، اور جو تنگی اس وقت سب لوگوں پر نازل ہے۔ وہ آپ سے مخفی نہیں۔ چلیئے! اُن کے بعض بچوں کی کفالت ہم برداشت کر لیں۔ ایک بچہ میں لے لوں گا۔ اور ایک آپ لے لیں۔ اس تجویز سے ہم اُن کا بوجھ ہلکا کر کے اُن کی امداد کر سکیں گے۔ حضرت عباسؓ نے اِس تجویز کو بخوشی منظور کیا۔ اور دونوں نے ابو طالب کے پاس جاکر یہ بات پیش کی۔ ابو طالب نے کہا۔ عقیل اور طالب کو میرے پاس چھوڑ کر باقیوں کی بابت آپ کو اختیار ہے۔ آنحضرتؐ نے حضرت علیؓ کو اور حضرت عباسؓ نے حضرت جعفرؓ کو لے لیا۔ حضرت علیؓ کی عمر اُس وقت غالباً پانچ یا چھ سال سے زیادہ نہ تھی۔ جو اُس وقت سے لیکر آئندہ ہمیشہ کے

لئے آنحضرتؐ کے ساتھ باپ اور بچے کی نسبت سے بود و باش رکھے رہے[1]۔

زید بن حارثہ

سر ولیم میور یہ بھی لکھتے ہیں کہ:۔
"آنحضرت کا دِل طبعًا فیاضی اور پائدار دوستیوں کی طرف مائل تھا۔ جب آپ نے حضرت علیؓ کو اپنی کفالت میں لیا۔ تو اُسی زمانہ کے قریب آپ نے ایک اور شخص کو جو رشتہ میں آپ سے کوئی تعلق نہیں رکھتا تھا۔ اپنی قلبی محبّت میں لیا۔ یہ زید بن حارثہ تھے"۔

"زید کی والدہ اپنے بچے زید کے ساتھ اپنے میکے سے اپنے گھر کو واپس آ رہی تھی، کہ رستے میں قزاقوں کی ایک جماعت نے زید کو پکڑ لیا۔ اور غلام کر کے فروخت کر ڈالا۔ آخر کار وہ حضرت حکیم بن حزام کے ہاتھ آئے۔ جنہوں نے اپنی پھوپھی جان حضرت خدیجہؓ کو بطورِ تحفہ دیدیا۔ اُس وقت آنحضرتؐ کے حضرت خدیجہؓ سے نکاح کرنے کو تھوڑا ہی عرصہ گذرا تھا۔ حضرت زید قد کے پست اور رنگت کے کالے تھے اور آپ کی ناک چھوٹی اور بیٹھی ہوئی تھی۔ لیکن اس کے ساتھ ہی

[1] لائف آف محمدؐ جلد ۲ صفحہ ۴۶ و ۴۷ - ۱۲ منہ

وہ ایک چست اور مفید کارکن تھے۔ آنحضرتؐ کے دل میں حضرت زیدؓ کی محبت بہت بڑھ گئی۔ اور حضرت خدیجہؓ نے آپ کو خوش کرنے کے لئے یہ (وفادار) غلام آنحضرتؐ کی خدمت میں پیش کر دیا۔

"قبیلہ بنی کلب کی ایک جماعت مکہ شریف میں حج کو آئی۔ تو اُنہوں نے زید کو پہچان لیا اور واپس جاکر یہ خوشخبری اُس کے باپ کو سنائی۔ جو اُس کی تلاش میں حیران و پریشان پھرتا تھا۔ زید کا باپ حارثہ یہ خوشخبری سنکر فوراً مکہ شریف کو روانہ ہوا۔ اور آنحضرتؐ کی ملاقات کرکے زید کی آزادی کے لئے آپؐ کو ایک بھاری رقم بطور فدیہ دینی چاہی۔ آنحضرتؐ نے (رقم تو نہ لی لیکن) حضرت زیدؓ کو بلایا۔ اور اُن کو اپنے باپ کے ساتھ چلے جانے یا آپ کے پاس ٹھیرے رہنے کا اختیار دیا۔ حضرت زیدؓ نے آپ کے پاس ٹھیرے رہنے کو ترجیح دی اور کہنے لگے۔ میں آپؐ کو کبھی نہیں چھوڑوں گا۔ آپؐ میرے لئے میری ماں اور باپ کی بجائے ہیں۔ آنحضرتؐ اُن کی وفاداری سے بہت خوش ہوئے اور اُن کو کعبہ شریف میں جاکر اور اپنی برادری کے لوگ

کے سامنے حجرِ اسود کے پاس کھڑے ہو کر کہا۔

" تمام لوگو جو تم حاضر ہو۔ گواہ رہو۔ کہ زید میرا بیٹا ہے میں اس کا وارث ہوں گا اور وہ میرا"

"زید کا باپ اس اعلان سے تسلی یاب ہو گیا۔ اور وہ خوشاں خوشاں وطن کو واپس پھرا۔ اُس وقت سے زید کو زید بن محمدؐ کہنے لگے۔"

" آنحضرتؐ نے زید کی شادی اپنی مرضی سے اپنی پرانی خادمہ اُم ایمن سے کر دی۔ جن سے ان کے بیٹے اسامہؓ پیدا ہوئے جو اس مہم میں جو آپ نے اپنی مرض الموت میں ملکِ شام کو روانہ کی تھی امیر لشکر کر کے بھیجے گئے تھے"۔ (انتہیٰ مترجماً) (لائف آف محمدؐ جلد ۲ صفحہ ۴۷۔۴۸)

سر ولیم میور کے اوہام اور اُن کے جوابات

سر ولیم میور باایں ہمہ علم و فضل اور وسعتِ مطالعہ وہم کا شکار ہیں۔ کیسی بھی دُور از قیاس بات ہو۔ عقل اُس کے خلاف شہادت دیتی ہو۔ تجربہ و مشاہدہ اُسے باطل قرار دیتا ہو۔ علمی تحقیق و تنقید اُسے افسانہ کہتی ہو لیکن صاحب موصوف کی قوّتِ واہمہ اُس کا بھی ڈھانچہ بنا کر

سامنے کھڑا کر دیتی ہے۔ گذشتہ نمونوں کے علاوہ تازہ نمونہ دیکھئے کہ زید بن حارثہ کا ذکر کرتے کرتے ایک عنوان قائم کرتے ہیں۔ "زید کا مسیحی اثر"۔ اول تو اس موقعہ پر یہ عنوان فنِ تصنیف کے لحاظ سے بے موقع ہے۔ اس کا موقع حالاتِ نبوّت کے ضمن میں چاہیئے اور وہ بھی بعد از ہجرت مدینہ کے حالات میں ہونا چاہیئے۔ جب قرآن شریف کا روئے سخن اہل کتاب (یہود و نصاریٰ) کی طرف بھی ہو گیا۔ خیر! صاحب موصوف اپنی عادت سے مجبور ہو کر عنوان "زید کا مسیحی اثر" کے ذیل میں فرماتے ہیں:۔

"عیسویت زید کے ننہال اور ددھیال سے دو قبیلوں میں شائع ہو چکی تھی۔ اور اگرچہ وہ اپنے گھر سے بہت چھوٹی عمر میں جُدا کیا گیا تھا۔ کہ اس عمر میں اصُولِ عیسویت کا وسیع اور مکمل علم نہیں ہو سکتا۔ لیکن تاہم غالبًا وہ اپنے ساتھ اُس کی تعلیم کا کچھ اثر اور بعض مذہبی روایات و واقعات کی بعض باتیں لایا ہوگا۔ نوجوان (زید) اور اُس کے متبنّٰی بنانے والے باپ (آنحضرتؐ) میں اِن باتوں کا تذکرہ اور گفتگو نتیجہ خیز ہوتے۔ جس کا دل اُس وقت ہر پہلو سے

مذہبی صداقت کی تلاش میں تھا" (لائف آف محمدؐ جلد ۲ صفحہ ۵۰)

سر ولیم میور کے اِن اوہام کی تردید کے لئے اُن کے اپنے شکی الفاظ اور اُن کا اپنا طریقِ بیان کافی ہے۔ لہٰذا ہمیں کسی مزید حاشیہ کی ضرورت نہیں۔ خط کشیدہ الفاظ پر معمولی نظر کرنے سے سب اوہام دُور ہو سکتے ہیں۔

موحّدین عرب

سابقاً ہم آیت وَجَعَلَهَا كَلِمَةً بَاقِيَةً فِي عَقِبِهِ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُونَ (زخرف پ۲۵) کی تفسیر میں بہ بسطِ تمام دلائل و براہین اور تاریخی حوالجات اور ائمۂ عظام کی تصریحات سے بیان کر چکے ہیں۔ کہ خدائے تعالےٰ نے آلِ ابراہیم اور اولاد اسمٰعیل علیہما السّلام میں ہر زمانہ میں کلمۂ توحید کے قائلین موجود رکھے[1] اور یہ بھی کہ "عمودِ نسب نبویؐ کے سب افراد کلمہ توحید کے اقرار کرنے والے اور سلسلۂ رسالت کے ماننے والے اور روزِ قیامت پر یقین رکھنے والے تھے۔ اور یہی تین باتیں اصولِ ایمان ہیں۔ یہ بھی یاد رہے۔ کہ بنائے کعبہ کے وقت حضرت

[1] باب اول۔ فصل دوم صفحہ ۱۲۲ سے صفحہ ۱۴۱ تک ۱۲ منہ

ابراہیمؑ اور اسماعیل علیہما السّلام کی مشترکہ دُعا تھی۔ ''وَمِنْ ذُرِّيَّتِنَآ اُمَّةً مُّسْلِمَةً لَّكَ'' یعنی خداوندا! ہم دونوں کی اولاد میں سے ایک ٹولہ اپنا فرمانبردار بنائے رکھنا۔''

اِس میں تو کسی کو بھی کلام نہیں۔ کہ حضرت اسمٰعیلؑ کے بعد عَمرِو بن لُحَیّ کے تغلّب و اشاعتِ مراسمِ شرک سے پہلے حضرتِ اسمٰعیلؑ کی تمام اولاد توحید پر قائم تھی۔ عَمرو بن لُحَیّ کے بعد گو عرب میں عام طور پر شرک پھیل گیا تھا۔ لیکن پھر بھی حضرت اسمٰعیلؑ کی اولاد کے تمام افراد گمراہ نہیں ہوگئے تھے۔ بلکہ اُن میں ہر زمانہ میں بعض ایسے آدمی پائے گئے ہیں۔ جو مُوَحِّد اور حنیفی کہلاتے تھے۔ حتیٰ کہ آنحضرتؐ کی بعثت کے قریب بھی اُن کا وجود پایا گیا ہے۔

سر ولیم میور نے چار کا خصوصیت سے ذکر کیا ہے۔

۱۔ **ورقہ بن نوفلؓ**۔ اِن کا ذکر ابتدائے نبوت کے بیان میں آگے آئے گا۔ انشاء اللہ!

۲۔ **عبید اللہ بن جحش**۔ جو آنحضرتؐ کے پھوپھی زاد بھائی تھے زمانہ مقدم میں مسلمان ہوئے ہجرت کر کے حبشہ میں گئے۔ وہاں پر عیسائی ہو کر

فوت ہوگئے۔ ابوسفیان کی دختر نیک اختر اُمّ حبیبہؓ انہی کے نکاح میں تھیں اور اس سفرِ ہجرت میں اِن کی رفیقِ سفر تھیں۔ اِن کی موت کے بعد حضرت ام حبیبہؓ کا نکاح آنحضرتؐ سے ہوا۔ یہ نکاح حضرت ام حبیبہؓ کے لئے بہتر دلداری اور تلافی کا موجب تھا۔ آپ کا مہر چار سو دینار نجاشیؓ شاہِ حبشہ نے اپنی گرہ سے ادا کیا[1]۔

۳۔ عثمان بن حویرث۔ یہ بھی حضرت خدیجہؓ کے رشتہ دار تھے۔ بُت پرستی سے بیزار تھے۔ شام کا سفر کیا۔ اور عیسائی بادشاہ کی امداد سے مکہ کی سرداری حاصِل کرنی چاہی۔ لیکن مقصود حاصِل نہ ہوا۔ آخر غسانی عیسائی حکمرانوں کے ہاں چلے گئے۔ اور وہیں فوت ہوگئے۔

۴۔ زید بن عمرو بن نفیلؓ:۔ یہ حضرت عمرؓ کے چچا کے بیٹے تھے۔ سعید جو حضرت عمرؓ کی ہمشیرہ فاطمہ کے شوہر تھے۔ انہی کے فرزند ارجمند تھے۔ فطری سلامتی پر قائم تھے۔ تمام قریشیوں۔ یہودیوں اور عیسائیوں کو جو حضرت ابراہیمؑ کی طرف منسوب ہوتے تھے دینِ ابراہیمی کے طریق پر نہ دیکھتے ہوئے کسی بھی فریق میں

---

[1] زاد المعاد جلد اول صفحہ ۲۷ مطبوعہ کانپور ۱۲

شامل نہ ہوئے۔[1]

۵۔ حضرت ابو بکر صدیق رضؓ:۔ سر ولیم میور نے ان موحدینِ عرب میں حضرت ابو بکرؓ کا ذکر نہیں کیا۔ لیکن دوسرے ذرائع سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت ابو بکرؓ بھی توحید پرست تھے۔ اور بتوں سے بیزار تھے۔ امام سیوطیؒ نے اپنے رسالہ مسالک الحنفاء میں اِس کی تصریح کی ہے۔ سر ولیم میور نے حضرت ابو بکرؓ کے متعلق اُن کا آنحضرتؐ کے دعوٰے نبوت کے وقت بلا تردد و تامل ایمان لے آنا ذکر کیا[2] ہے۔ اس سے بھی سمجھا جا سکتا ہے۔ کہ آپ پیشتر ہی بُت پرستی سے بیزار تھے۔ ضمادؔ بن ثعلبہ ازدی بھی موحدین جاہلیت میں سے تھے۔ سر ولیم میور نے ان کا ذکر نہیں کیا، صحیح مسلم میں ان کے اسلام لانے کا ذکر بالتفصیل مذکور ہے۔

مراسم شرک سے اجتناب

یہ تو معلوم ہو چکا ہے۔ کہ اولاد اسمٰعیلؑ میں سے ہر زمانہ میں بعض افراد توحید پر قائم رہے۔ اور خدائے عزّ و جل نے اپنی توحید کی کرنیں اولاد اسمٰعیلؑ

[1] ان کا باقی ذکر آئندہ ابھی منقول ہوگا۔ انشاء اللہ ۔ [2] لائف آف محمدؐ جلد دوم صفحہ

میں اِس لئے گمُ نہ ہونے دیں۔کہ یہ امانت فخرِ دودمانِ آلِ اسمٰعیلؑ تک بطورِ توارُث پہنچ جائے۔تو جان لینا چاہئیے کہ جس ذات ستودہ صفات کی خاطر خدا تعالےٰ نے صدہا سال پیشتر یہ سلسلہ جاری رکھا۔لازم ہے کہ وہ خود بھی ہر قسم کی آلودگی سے معصوم رہے۔مراسم شرک سے بھی۔رسوم جاہلیّت سے بھی۔کیریکٹر کی کمزوری سے بھی اور اخلاق کی پستی سے بھی۔یہی وجہ ہے کہ عہدِ نبوّت میں خونخوار دشمنوں کے سامنے آپ نے خدا کے حکم سے ڈنکے کی چوٹ بلند آواز سے کہا:۔

فَقَدْ لَبِثْتُ فِيْكُمْ عُمُرًا مِّنْ قَبْلِهٖ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ

(پ۱۱ یونس)"میں اس سے پیشتر تمہارے اندر ہی ایک خاصی عمر رہ چکا ہوں۔کیا تم عقل نہیں کرتے؟"

۲-تعمیرِ کعبہ کے بیان میں ہم ذکر کر آئے ہیں۔کہ قوم نے بالاتفاق آپ کو ھٰذَا الْاَمِیْنُ کے معزز لقب سے پکارا تھا۔اور یہ وہ لقب ہے جو سب خوبیوں کا جامع ہے۔

۳-آنحضرتؐ کی بچپن کی عمر کے واقعات میں ہم بیان کر آئے ہیں۔کہ آپ کس طرح قدرت کے تصرفِ غیبی سے مجلسِ مسامرہ کی شمولیت سے بچائے گئے۔

حالانکہ وہ منہیاتِ شرعیہ کی مجلس نہیں تھی۔ بلکہ صرف قِصّے کہانیاں بیان کرکے معمولی دل بہلاوے کی مجلس ہوا کرتی تھی۔ تو پھر کس طرح تصوّر میں آسکتا ہے۔ کہ جس پاک ہستی کے اخلاق کی حفاظت قدرت کو اس درجہ کی منظور ہے۔ اُس کے دامن کو مراسمِ شرک وکفر سے کبھی بھی آلودہ ہونے دے۔ پس یقین کیجئے کہ خدائے تعالےٰ نے آپؐ کو ہر قسم کی بُرائی سے بہ نظرِ خصوصی محفوظ رکھا۔ اور نبوّت کے لئے عِصمت شرطِ اوّلین ہے۔

۴۔ صحیح بخاری میں حضرت عمرؓ کے بیٹے عبداللہؓ سے مرفوع روایت ہے۔ کہ نبوّت سے پیشتر مقام بلدح پر آنحضرتؐ کی ملاقات زیدؔ بن عَمرو سے ہوئی۔ وہاں پر قریشیوں کی ایک دعوت میں دستر خوان پر گوشت بھی چُنا گیا۔ لیکن آنحضرتؐ نے اُس کے کھانے سے انکار کر دیا۔ زیدؔ بن عَمرو نے کہا کہ جو کچھ تم لوگ (بتوں کے لئے) اپنے تھانوں پر ذبح کرتے ہو۔ مَیں اُس میں سے نہیں کھایا کرتا۔ مَیں تو صرف وہی گوشت کھاتا ہُوں۔ جس پر اللہ جل شانہٗ کا نام لیا گیا ہو۔ زیدؔ بن عَمرو قریشیوں کے ایسے ذبیحوں کو بُرا جانتے تھے

اور کہا کرتے تھے۔ کہ بکری کو پیدا تو خدا نے کیا اور
اُسی نے اس کے لئے زمین سے (چارہ) اُگایا۔ پھر
تم لوگ اُسے اللہ کے نام کے سوا ذبح کرتے ہو؟
اس بیان کے بعد حضرت عبداللہ بن عمرؓ کے
قول سے زید بن عمرو کے سفرِ شام کا ذکر ہے جو
اُنہوں نے دینِ حق کی تلاش میں کیا۔ اور یہودیت اور
نصرانیت اور شرک ہر ایک سے بیزار ہو کر اور ہاتھ
اُٹھا کر یہ دُعا کی:۔ اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَشْھَدُ (یا) اُشْھِدُکَ
اَنِّیْ عَلٰی دِیْنِ اِبْرَاھِیْمَ یعنی "خداوندا! میں گواہی دیتا
ہوں اور تجھے گواہ رکھتا ہوں۔ کہ میں ابراہیمؑ کے دین
پر ہوں"

اس کے بعد حضرت ابو بکرؓ صدیق کی صاحبزادی حضرت
اسماءؓ کی روایت لکھی ہے۔ کہ اُنہوں نے کہا کہ میں نے
زید کو کعبہ کے ساتھ پُشت لگائے ہوئے دیکھا۔ اور وہ
(حاضرین کو) یہ کہتے تھے:۔

"اے گروہِ قریش! بخدا تم میں سے میرے سوا دینِ
ابراہیمؑ پر کوئی نہیں۔ اور آپ زندہ دفن کئے جانے
والی لڑکی کو زندہ رکھواتے تھے اور اُس زندہ دفن
کرنے والے باپ سے کہتے تھے۔ جب وہ اپنی بیٹی

کو اس طرح قتل کر دینا چاہتا تھا۔ کہ تو اُسے قتل نہ کر۔ اِس کے بوجھ کا کفیل مَیں بنتا ہوں۔ پس اُس لڑکی کو اُس باپ سے لے لیتے۔ جس وقت وہ لڑکی نشو و نما پاکر بڑی ہو جاتی۔ تو اُس کے باپ سے کہتے۔ کہ اگر تو چاہے۔ تو مَیں تجھے واپس دیدوں اور اگر چاہے تو آئندہ بھی اس کا بوجھ اُٹھائے رکھوں[1]۔

حافظ ابن کثیرؒ نے اپنی تاریخ میں قبل از نبوّت بھی آنحضرتؐ کے مراسمِ شرک اور رسوم جاہلیت سے الگ رہنے کے متعلق ایک خاص فصل قائم کی ہے۔ اُس میں سے ہم بعض وہ روایات بطورِ خلاصہ مطلب ذکر کرتے ہیں جو سابقاً ذکر نہیں ہوئیں اور دیگر سیرت نویسوں نے بھی اُنہیں کم ذکر کیا ہے۔

۱۔ زمانہ جاہلیت میں مشرک لوگ طواف کے وقت اساف و نائلہ بُت کو بھی چھُوتے تھے جو پیتل کا بنا ہُوا تھا۔ آنحضرتؐ جب طواف کرتے تو اُس کو ہاتھ نہ لگاتے۔ بلکہ منع کرتے۔ چنانچہ اپنے مُنہ بولے بیٹے زیدؓ بن حارثہ کو منع کیا۔ وُہی زید کہتے ہیں۔

---

[1] صحیح بخاری مطبوعہ دہلی جلد اول صفحہ ۵۲۹ - ۱۲ منہ

"قسم ہے اُس ذات کی جس نے آپؐ کو عزت بخشی اور آپؐ پر کتاب نازل کی۔ کہ آپؐ نے کبھی بھی کسی بُت کو نہ چوما نہ ہاتھ سے چھُوا۔ حتٰے کہ آپؐ کو نوازا اُس نوازش سے کہ نوازا اور آپؐ پر (کتاب اور وحی) نازل کی"۔

۲۔ بُحیرا راہب نے جب آپؐ کو لات و عُزّیٰ بتوں کی قسم دیکر سوال کیا (کیونکہ اُس نے سُنا تھا کہ قریش اِن بتوں کی قسم کھایا کرتے ہیں) تو آپؐ نے فرمایا "مجھ سے لات اور عزّیٰ کے نام سے کوئی بات نہ کرو۔ خدا کی قسم مجھے کبھی کوئی شئے ان سے زیادہ بُری نہیں لگی"۔ اُس وقت آپؐ کی عمر بیس یا پچیس برس کی تھی۔

۳۔ قریش اپنے آبائی فخر سے کہ ہم کعبہ کے متولی و محافظ ہیں۔ حج کے موقع پر دیگر لوگوں کے ساتھ عرفات میں نہیں جاتے تھے۔ اِسی نخوت کو دُور کرنے کے لئے اور شعائر ابراہیمیؑ کو قائم کرنے کے لئے خدائے تعالےٰ نے سورتِ بقرہ ۲۵ میں فرمایا ثُمَّ اَفِيْضُوْا مِنْ حَيْثُ اَفَاضَ النَّاسُ لیکن خدا کا حبیبؐ نبوت سے پہلے بھی اس رعونت

سے پاک اور سنتِ ابراہیمیؑ پر قائم تھا۔ چنانچہ امام احمدؒ اور امام بخاری و مسلم نے امام سفیان کے واسطے سے حضرت جُبیر بن مُطعمؓ سے روایت کیا کہ عَرفہ کے دن میرا اُونٹ گم ہو گیا۔ میں اُس کو ڈھونڈھنے کو نکلا تو رسُول اللہ صلعم کو عرفاتؔ میں کھڑے دیکھا۔ میں نے (تعجب سے) کہا۔ خدا کی قسم یہ تو حُمس (قریش) میں سے ہیں۔ اِن کا یہاں کیا کام؟ امام احمدؒ کی روایت میں تَوْفِیْقًا مِّنَ اللّٰہِ کے الفاظ بھی ہیں یعنی آنحضرتؐ کا پیش از نبوت شعائرِ ابراہیمیؑ پر قائم ہو کر عرفات میں جانا خدائے تعالےٰ کی توفیق اور غیبی تصرّف سے تھا۔

اِن واقعات سے صاف ظاہر ہے کہ آپؐ قبل از نبوت بھی مراسمِ شرک اور رسومِ جاہلیت سے بکلی مجتنب رہے۔ وَاللّٰہُ اَعْلَمُ۔

ازالۂ شک:۔ بعض عیسائی مصنفوں نے لکھا ہے۔ کہ عہدِ نبوّت سے پیشتر آنحضرتؐ کا طرزِ عمل اپنی قوم کی اکثریت کے خلاف نہ تھا۔ چنانچہ آپ کے سب سے بڑے صاحبزادے کا نام عُزیٰ دیوی کے نام پر عبد العزےٰ رکھا گیا تھا۔

مولٰنا شبلی مرحوم نے اس کے دو جواب ارقام فرمائے ہیں ۔ ایک یہ کہ یہ روایت تاریخ صغیر امام بخاریؒ میں اسمٰعیل بن ابی اُویس کی روایت سے ہے ۔ اور وہ محدّثین کی کثیر جماعت کے نزدیک ناقابلِ اعتبار ہے کسی نے اُسے کذّاب اور کسی نے ضعیف وغیر ثقہ کہا ہے ۔ دُوسرا جواب یہ دیا ہے کہ :-

"حضرت خدیجہؓ اسلام سے پہلے بُت پرست تھیں. اُنہوں نے یہ نام رکھا ہوگا ۔ آنحضرتؐ ابھی تک بمنصبِ ارشاد پر مامور نہیں ہوئے تھے ۔ اس لئے آپؐ نے تعرّض نہ فرمایا ہوگا"[1]

مولٰنا شبلی مرحوم نے اس عبارت میں حضرت خدیجہؓ کو اسلام سے پہلے بُت پرست قرار دیا ہے ۔ افسوس کہ ہم اس ثقیل فتوے میں مولٰنا ممدوح سے موافقت نہیں کرسکتے ۔ تفصیل حسبِ ذیل ہے :-

۱ ۔ اگر مولٰنا صاحب کے اِس فتوٰے کی بنا واقعات پر ہے ۔ تو حوالہ و ثبوت درکار ہے ۔ لیکن افسوس کہ اِس کا ذکر مولٰنا کے کلام میں بالکل نہیں ہے ۔ اور نہ مل سکتا ہے ۔

---

[1] سیرۃ النبیؐ مصنفہ مولٰنا شبلی مرحوم طبع اوّل جلد اوّل صفحہ ۱۳۹ ۔ ۱۲ منہ

۲- اور اگر اس بنا پر ہے۔ کہ اُن ایام میں مکہ شریف میں بُت پرستی عام طور پر شائع تھی۔ تو یہ عموم کسی خاص شخص کی نسبت بُت پرستی جیسا سنگین گناہ ثابت کرنے کے لئے کافی نہیں۔ کیونکہ اُسی زمانہ میں قریشیوں ہی میں سے کئی افراد بُت پرستی سے بیزار تھے، جیسا کہ قدرے تفصیل کے ساتھ اوپر بیان ہو چکا ہے۔ ہو سکتا ہے کہ حضرت خدیجہؓ بھی اُن کی طرح خدا پرست ہوں۔ پس حضرت خدیجہؓ کا نام لیکر (معاذاللہ) اُن کو بُت پرست کہنے کے لئے کسی خاص دلیل کی ضرورت ہے۔ جو نہیں ہے۔ پس کفِّ لسان بہتر ہے۔

۳- حضرت خدیجہؓ اسلام سے پیشتر بھی طہارتِ نفس کی ہر خوبی سے آراستہ تھیں۔ اور بی بی طاہرہ[1] کے پاک لقب سے یاد کی جاتی تھیں۔ عام طور پہ فیاض اور سخی تھیں۔ اُن کے مال سے فقراء و مساکین اقارب واجانب (اپنے۔ بیگانے)، مسافر و مہمان۔ قرضخواہ و حاجتمند غرض سب لوگ برابر فائدہ اُٹھاتے تھے اور اُن کو سیّدۃ نساءِ قُرَیْش بھی کہتے تھے۔ یہ تو سب کچھ منقول ہے،

لہ شرح سیرت ابن ہشام للامام ابی القاسم السہیلی جلد اول صفحہ ۱۲۲ مطبوعہ مصر

لیکن یہ بات کہ اُنہوں نے کبھی کسی بُت پر نذر چڑھائی یا اُسے سجدہ کیا۔ یا اُس سے دُعا کی۔ کہیں بھی مذکور نہیں

۴۔ جب اِن باتوں میں سے کچھ بھی ثابت نہیں۔ تو اُن کے پاک دامن کو بُت پرستی جیسی نجاست سے آلودہ قرار دینا۔ چھوٹا مُنہ بڑی بات کا مصداق ہے۔ خدائے جبّار کے ہاں اپنی ذِمّہ داری کو ملحوظ رکھتے ہوئے اور آیت وَلَا تَقْفُ مَا لَيْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ (بنی اسرائیل پ۱۵) پر عمل پیرا ہوتے ہوئے ع

ارے لوگو! زباں اپنی کو روکو

اگر مولٰنا مرحوم حضرت خدیجہؓ کو بُت پرست کہنے کی بجائے یوں لکھتے کہ وہ زمانہ جاہلیت کا تھا۔ عام طور پر توحید کے نشان مٹ چکے تھے۔ اور بُتوں کی طرف اضافت کرکے نام رکھنے کا رواج عام ہو چکا تھا۔ اُسی رواج عام کے ماتحت حضرت خدیجہؓ نے بھی لڑکے کا نام عبد العزّٰے رکھ دیا ہوگا۔ تو اگرچہ یہ جواب بھی کمزور ہے۔ لیکن قبیح نہیں ہے۔ لیکن صاف الفاظ میں بُت پرست قرار دینا تو بہت ہی قبیح ہے۔ عاذنا اللہ منہا۔

انکشافِ حقیقت

مولانا مرحوم کی کتاب "سیرت النبی" میں مسند امام احمدؒ کے

حوالجات کثرت سے ہیں۔ معلوم نہیں کہ یہ روایت جو ہم نقل کر رہے ہیں۔ مولانا کی نظر سے کس طرح رہگئی، مسند میں امام احمدؒ کے بیٹے عبد اللہ کی روایت سے ہے کہ حضرت خدیجہؓ کے ایک ہمسائے نے رسُولِ خداؐ کو فرماتے سُنا۔ کہ آپؐ حضرت خدیجہؓ کو فرما رہے تھے۔ خُدا کی قسم! میں لات اور عُزّٰی کی عبادت نہیں کرتا۔ خُدا کی قسم! مَیں اِن کی عبادت ابد تک کبھی نہیں کروں گا۔ اِس پر حضرت خدیجہؓ کہتی تھیں کہ لات کو بھی چھوڑیئے اور عُزّٰی کو بھی چھوڑیئے۔ الحدیث (مسند احمدؒ جلد ۴ صفحہ ۲۲۲) اگرچہ اِس میں زمانہ مذکور نہیں لیکن ہمیں مضر نہیں، اور صحابی کا نام معلوم نہ ہونا بھی مضر نہیں کما تقرر فے الاصول اَن مراسیل الصحابۃ حجۃ (حاشیہ عراقی وغیرہ) ۱۲

پس مولانا کا حضرت خدیجہؓ کو قبل از زمانۂ نبوت مشرک قرار دینا ایک واجب الاصلاح مسامحت ہے۔ وھذا مِن فضل ربّی۔

نکاح کے بعد آپؐ کے اشغال

معزز ناظرین! بچپن میں آنحضرتؐ کی گلہ بانی اور جوانی کی عمر میں شغل تجارت کا تذکرہ فصول سابقہ میں گزر چکا ہے۔ اور سر ولیم میور

صاحب کا یہ قول بھی کہ آنحضرتؐ مال و دولت کے خواہشمند کبھی بھی نہیں ہوئے۔ اور یہ بھی کہ آپ طبعًا اطمینان و فراغِ قلبی کی زندگی کو تحصیلِ مال کی تگ و دو اور تفکرات پر ترجیح دینے والے تھے۔

پس جب خدائتعالےٰ نے آپ کی طبع حرص و ہوا سے پاک کرکے قانع و بے طمع پیدا کی تھی۔ تو بقاعدہ۔ ع

خدا خود میر سامانست اربابِ توکل را

آپؐ کو حضرت خدیجہؓ کے نکاح نے کسبِ معاش کی طرف سے بالکل فارغ کر دیا۔ اور آپ کے سب قلبی اور دماغی قویٰ کو اپنی طرف کھینچ لیا۔ چنانچہ تبلیغِ رسالت کے وقت جب آپؐ کو مشکلات پیش آئیں۔ تو خدائتعالےٰ نے آپؐ کی حوصلہ افزائی اس طرح فرمائی:۔ وَوَجَدَكَ عَآئِلًا فَأَغْنٰى (والضحیٰ پ۳۰) "یعنے پایا آپؐ کو بے مال پس غنی کر دیا۔"

تفسیر معالم میں اس آیت کے ذیل میں کہا ہے۔ بِمَالِ خَدِیْجَۃَ یعنی غنی کیا خدیجہؓ کے مال سے۔

اس غنائے ظاہری کے علاوہ غنائے باطنی بھی عطا کی۔ اور حقیقت غنا کی یہی ہے۔ اس غنائے باطنی سے تمام انبیاءؑ بہرہ ور ہوتے ہیں۔

غرض فراغِ معاش کی وجہ سے آپ کو یکسوئی حاصل ہوئی تو قدرت نے آپ کے دل میں خلوت نشینی کی محبّت ڈالدی۔ مکّہ شریف سے باہر ایک غار تھی۔ جسے حِرآء کہتے تھے۔ چند روز کا کھانا ہمراہ لیکر آپ اُس میں چلے جاتے اور خدا کو یاد کرتے رہتے۔

عُزلت و گوشہ نشینی

آنحضرتؐ طبعاً زاہد تھے۔ مال و متاع اور تمتّعاتِ دنیویہ سے آپ کو ہرگز محبت نہ تھی۔ پادری برکت اللہ صاحب ایم۔ اے عیسائیؐ اپنی بہترین تصنیف "محمدؐ عربیؐ" میں سنہ ۹ھ کے واقعات زیر عنوان "حضرت کی سادہ زندگی کا خاکہ" میں فرماتے ہیں:۔

"۱۔ حضرت محمدؐ اب عرب کے حکمران تھے۔ لیکن اُن کی فطرت میں سادگی کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی۔ آپ کہا کرتے تھے۔ کہ دُنیا کی محبّت ہر گناہ کی جڑ ہے۔"

"۲۔ دُنیا کی ، ، و شوکت کا آپ کے گھر میں نشان تک نہ تھا۔ فقر، فاقہ کی زندگی اور سادگی آپ کو پسند تھی" (صفحہ ۱۷۱)

اسی طرح مسٹر ولیم میور کی عبارت سابقاً گذر چکی ہے۔

(حضرت) محمدؐ (صلعم) کبھی بھی مال و دولت کے خواہشمند

نہیں ہوئے۔ یا آپ اپنی زندگی کے کسی زمانہ میں بھی اپنی ذات کی خاطر دولت کمانے کے پیچھے آپ نے سرگرمی کی ہو (یہ بھی کبھی نہیں ہوا) اگر آپ کو اپنی مرضی پر چھوڑ دیا جاتا۔ تو آپ غالبًا موجودہ طرز زندگی کو تگ و دو اور تفکرات پر ترجیح دیتے۔"

(لائف آف محمدؐ صفحہ ۱۶ ج اوّل)

۲۔ زُہد کے معنے ہیں "بے رغبتی" زاہد دُنیا کے مال اور اسبابِ تعیش سے بے رغبت ہوتا ہے، اور تھوڑا یا بہت۔ اچھا یا بُرا جو کچھ بھی اور جیسا کچھ بھی میسّر آجائے، خدا کا شکر کرکے اُس پر قناعت کرتا ہے۔

۳۔جس شخص میں خدائے تعالےٰ یہ صفت پیدا کرتا ہے۔ اُس کے مناسبِ حال اُس کی رغبت خلوت و گوشہ نشینی میں لگا دیتا ہے۔ وہ اپنے اوقاتِ فرصت کو رائگاں نہیں گنواتا۔ بلکہ یادِ خدا میں صرف کرتا ہے۔ کیونکہ زُہد کے ساتھ تجرد[1] (خلوت) اور تعبّد ہی کو جوڑ ہے۔

---

[1] تجرّد و تاہّل ایک معنی کے رُو سے دو متضاد اصطلاحیں ہیں۔ تجرّد کا ایک مفہوم یہ ہے۔کہ آدمی نکاح نہ کرے۔ اور کسبِ مال سے بھی باز رہے اور بیوی بال بچوں کے تعلقات (باقی صفحہ ۳۲۳)

۴ - آنحضرتؐ میں یہ تینوں اوصاف (زہد و تجرّد بتعبّد) بدرجۂ اتم تھے۔ خدا کے علم میں جوں جوں عہدۂ نبوت کی تفویض کا زمانہ قریب آتا جاتا تھا۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۲۲۲ کا) سے الگ رہ کر مجردانہ زندگی گزارے، اور دنیا داری کے مخصوص یا گناہوں سے بچا رہے، اسلام اس طرزِ زندگی کو پسند نہیں کرتا۔ کیونکہ اس میں امانتِ فطرت ضائع ہوتی ہے۔ اور قوائے انسانیہ جو قدرت کا گراں بہا عطیہ ہیں۔ ان کو بیکار کرنا پڑتا ہے۔ چنانچہ حدیث میں ہے لارھبانیۃ فی الاسلام یعنی اسلام میں رہبانیت یعنی ترکِ دُنیا نہیں ہے۔ لیکن تجرد کا ایک مفہوم یہ بھی ہے۔ کہ آدمی بہ اہل و عیال کے ہوتے اور لوگوں میں بود و باش رکھتے ہوئے خدا کی طرف کشش غالب رہے۔ وہ قوائے انسانیہ کو استعمال میں لاتے ہوئے پرہیزگاری کی زندگی بسر کرے۔ اور دنیوی تعلقات اُسے یادِ خدا سے غافل نہ کر سکیں۔ بلکہ وہ دُنیا کے فرائض مفوضہ کو نہایت دیانتداری سے انجام دے کر عبادتِ خدا میں مشغول رہے۔ یا یوں سمجھئے کہ "دست با کار و دل با یار" کا مصداق ہو کر بظاہر دُنیا میں شاغل اور بہ دل خدا سے واصل رہے۔ چنانچہ فرمایا۔ رِجَالٌ لَّا تُلْهِيهِمْ تِجَارَةٌ وَلَا بَيْعٌ عَن ذِكْرِ اللَّهِ وَإِقَامِ الصَّلَاةِ وَإِيتَاءِ الزَّكَاةِ یعنی وہ مردانِ خدا جن کو تجارت اور بیع خُدا کے ذکر اور نماز اور زکوٰۃ سے (باقی صفحہ ۲۲۴ پر)

قدرتی طور پر آپ کی طبیعت میں جذب الی اللہ کا شوق بڑھتا جاتا تھا۔ زاہد کو خلوت وتنہائی طبعاً پسند ہوتی ہے اس لئے مکہ شریف سے باہر تین میل کے فاصلے پر ذکرِ خدا کے لئے کوہ حرا کی غار میں چلے جاتے تھے۔ متواتر کئی

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۳۲۳ کا) غافل نہیں کرتی۔ نیز فرمایا۔ یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تُلْھِکُمْ اَمْوَالُکُمْ وَلَآ اَوْلَادُکُمْ عَنْ ذِکْرِ اللّٰہِ یعنی اے مسلمانو! تمہارے مال اور اولاد تم کو خدا کے ذکر سے غافل نہ کردیں۔ پس آنحضرتؐ کے تجرد وعزلت اور گوشہ نشینی وخلوت کی یہی صورت ہے۔ کہ جب خدائے تعالےٰ نے آپ کو حضرت خدیجہؓ کے مال سے فکر معیشت سے فارغ کر دیا تو آپ اپنے اوقات کو ضائع نہیں کرتے تھے، بلکہ یادِ خدا میں صرف کرنے کو غارِ حرا میں چلے جاتے تھے جیسا کہ متن میں مفصل مذکور ہوگا۔ انتہٰی ۱۲ منہ

(حاشیہ صفحہ ۳۲۳ کا) لے پچیس سال کی عمر میں آپ نے شادی کی۔ گویا اس عمر تک آپ نے نہایت معصومیت وپاکدامنی سے برہمچرج کا زمانہ پورا کیا۔ پھر حضرت خدیجہؓ سے شادی کی بعد ازاں نہایت خوش اسلوبی سے تربیتِ اولاد اور امور خانہ داری کو پورا کیا۔ پھر منصب نبوت پر فائز ہوکر تبلیغ دین اور اصلاحِ خلق اللہ کا فرض ادا کرتے رہے۔ پھر ضعفائے قوم سے ظلم دور کرنے اور دینِ حق کی آزادی کے لئے موذی دشمنوں کا مقابلہ نہایت استقلال اور استقامت سے کرتے رہے۔ پھر جب خدا نے قدرت وحکومت بخشی تو انتظامی وسیاسی امور کو عدل وانصاف سے سرانجام دیکر گرہستی زندگی گذاری۔ اور آخری عمر میں فتح مکہ کے بعد سے وفات شریف تک بحکم آیت اِذَا جَآءَ نَصْرُ اللّٰہِ وَالْفَتْحُ۔ الی قولہ فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّکَ (باقی بر صفحہ ۳۲۵)

کئی روز تک وہاں رہتے اور جب زاد ختم ہو جاتا۔ گھر پر تشریف لاتے اور مزید زاد لیکر پھر چلے جاتے۔ چونکہ زاہد کو مالِ دُنیا سے رغبت نہیں ہوتی۔ اس لیئے ایثار و فیض رسانی اس کی طبع میں فوارہ کی طرح جوش مارتی ہے۔ جہاں موقع ملتا ہے۔ پانی کی طرح بہ پڑتی ہے۔ قیامِ حرا کے ایام میں ہرچند کہ اُس جگہ زاد بقدر کفایت قلیل ہوتا تھا۔ لیکن طبعی فیاضی سے آپ کا دستِ کرم وہاں بھی کشادہ رہتا تھا۔ چنانچہ مساکین و رہگزر جو وہاں پر آنکلتے، آپ اُن کو کھانا کھلاتے۔ علّامہ طبریؒ فرماتے ہیں:۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۳۲۴ کا) جسم تن یادِ خدا میں رہتے ہوئے سنیاس کی زندگی بسر کی۔ جس شخص کی زندگی کے یہ تینوں زمانے طہارت و عبادت سے گذریں اس کی زندگی پاک زندگی ہے' اور وہ اس لائق ہے۔ کہ اس کی اقتدا کی جائے اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّ اٰلِہٖ۔ اس نوٹ میں ہم نے الفاظ برہمچرج اور گرہستی اور سنیاس سنجیدہ مزاج۔ خوش فہم۔ تعلیم یافتہ ہندوؤں اور منہ پھٹ گستاخ آریوں کے تنکر کے لیئے استعمال کیئے ہیں کہ اُن کے ہاں عمر کی جو تین سٹیجوں کی تقسیم اور اُن میں انسان کے اشغال اور فرائض لکھے ہیں اُن کے رُو سے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی طرزِ زندگی پر نظر کریں۔ واللہ الہادی ۱۲ منہ

"رسولِ کریمؐ حراء میں ہر سال میں ایک مہینہ تک گوشہ نشینی کرتے تھے۔ جو مسکین وہاں آجاتا۔ آپؐ اُسے کھانا کھلاتے تھے۔[1]

اس روایت کو ابن ہشامؒ نے بھی نقل کیا ہے۔[2] صحیح بخاری میں اس خلوت کے متعلق حضرت عائشہؓ کے یہ الفاظ ہیں:۔ ثُمَّ حُبِّبَ اِلَیْهِ الْخَلَاءُ[3] یعنے" پھر آپؐ کے دل میں خلوت نشینی کی محبّت ڈال دی گئی"۔
حُبِّبَ ماضی مجہول کا صیغہ اِس لئے ذکر کیا گیا ہے۔ کہ یہ محبت قدرتی کشش سے تھی' بشری محبّت و باعث کو اس میں دخل نہیں تھا۔ چنانچہ اسی کے مناسب حال کہا گیا ہے ؎

رشتۂ در گردنم افگندہ دوست
مے بُرد ہر جا کہ خاطر خواہِ اوست

علّامہ قسطلانیؒ اس کے متعلق مزید فوائد لکھتے ہیں:۔

"(مجہول کا صیغہ) اس تنبیہ کے لئے ہے۔ کہ یہ کشش کسی بشری باعث سے نہ تھی۔ اور یہ خلوت نشینی

---

[1] تاریخ طبری جلد ۲ صفحہ ۲۰۲ نیز تاریخ حافظ ابن کثیر جلد ۳ صفحہ ۵ نیز سیرت ابن ہشام بہ حاشیہ الروض الانف جلد اول صفحہ ۱۵۲

[3] صحیح بخاری کتاب الوحی ج ۱ صفحہ ۳' ۱۲ منہ

آپ کے دل میں اس لئے محبوب کی گئی۔ کہ اس سے قلب کو فراغت اور خلقت سے انقطاع حاصل ہوتا ہے۔ تاکہ وحی الٰہی خالی مکان پاکر خوب پختہ طور پر جاگیر ہو۔ جیسے کہ شاعر نے کہا ہے:۔ عشق و محبت نے میرے قلب کو فارغ پایا۔ تو وہ اُس میں متمکن و جاگیر ہوگیا۔ اور اس میں عزلت کی فضیلت بھی ہے کیونکہ عزلت، دل کو دنیا کے اشغال سے راحت دیکر اور فارغ کرکے خدا کے لئے خالص کر دیتی ہے۔ پس دل سے حکمت و دانائی کے چشمے پھوٹتے ہیں، اور خلوت یہ ہے۔ کہ انسان اپنے غیر سے بلکہ اپنے آپ سے بھی خالی ہو کر خدا کے ساتھ جوڑ لگالے۔ پس ایسے حال میں وہ اس لائق ہو جاتا ہے۔ کہ اُس کا قالب علوم غیب کی واردات کی گذرگاہ اور اس کا قلب اُس کی قرارگاہ بنجاتا ہے اور آنحضرتؐ کی یہ خلوت قرب الٰہی کو حاصل کرنے کے لئے تھی۔ اس کے یہ معنی نہیں ہیں۔ کہ نبوت اکتسابی چیز ہے (ارشاد الساری مطبوعہ مصر ج ۱ صفحہ ۶۰)

طریقۂ عبادت

اس امر کے بیان میں کہ غارِ حراء میں آنحضرتؐ کس

طریق پر عبادت کرتے تھے، شارحینِ حدیث نے مختلف قول نقل کئے ہیں :-

عرب کی آبادی عام طور پر ملتِ ابراہیمی کے لوگوں پر مشتمل تھی اور اُس کے تین گروہ تھے۔ آلِ اسمٰعیلؑ جو عام طور پر صنم پرست تھے، یہُود جو حضرت عُزیر علیہ السلام کو خدا کا بیٹا جانتے تھے۔ نصاریٰ جو حضرت عیسےٰ علیہ السّلام کو خُدا کا بیٹا ماننے کے علاوہ توحید کی جگہ تثلیث کے بھی قائل تھے۔ علاوہ بریں اِن سب میں کئی قسم کی بدعات و رسومِ جاہلیت جاری تھیں، جن کو وہ دینی مراسم سمجھتے تھے۔ ان ہر سہ گروہوں میں سے کوئی بھی گروہ انبیاء علیہم السلام کے تعلیم کردہ طریق عبادت پر قائم نہیں تھا۔ اور خود آنحضرتؐ ابھی تک وحی الہٰی سے مشرف نہیں ہوئے تھے۔ تو پھر غارِ حرآء میں آپ کس طریق پر عبادت کرتے تھے؟ اس کا جواب اصل میں تو خود آنحضرتؐ کی زبانِ مبارک سے معلوم ہونا چاہئیے یا اُس وقت کے واقفانِ حال سے مروی ہونا چاہئیے۔ لیکن افسوس اسفارِ حدیث اِن ہر دو قسم کے جواب سے خاموش ہیں۔ جس سے صاف ظاہر ہے۔ کہ

صحابہؓ میں یہ سوال پیدا نہیں ہوا تھا۔ اور انہوں نے اسے دربارِ رسالت میں پیش نہیں کیا تھا۔ پس ہمیں بھی اس امر میں کرید کرنے کا کوئی حق نہیں۔ اور محض قیاس آرائیوں سے کسی امر کی صورتِ واقعی معین نہیں ہوسکتی۔ یا یوں سمجھ لیجئے۔ کہ قیاس سے Fact (فیکٹ) نہیں بنایا جا سکتا۔ ہم صرف اجمالی طور پر اتنا کہہ سکتے ہیں۔ جتنا حضرت عائشہؓ کی روایت میں وارد ہے۔ کہ آپؐ یادِ الٰہی کے لئے متواتر کئی راتوں تک غارِ حرا میں خلوت نشینی کرتے تھے۔ حتٰی کہ اسی حالت میں (ماہ رمضان مبارک کی سترہویں یا چوبیسویں[1] تاریخ کو بروز دو شنبہ جو خدا کے علم میں مقرر تھا) آپ پر وحی نازل ہوئی۔ اور آپ کو منصبِ نبوت سونپا گیا۔

علامہ قسطلانیؒ اپنی شرح صحیح بخاری میں حضرت عائشہؓ کی اس روایت کی شرح میں فرماتے ہیں:۔

"وَلَمْ یَاْتِ التَّصْرِیْحُ بِصِفَۃِ تَعَبُّدِہٖ عَلَیْہِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ یعنی آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے اس تعبد کی صفت وکیفیت کی صراحت ثابت نہیں"

---

[1] تاریخ طبری وتاریخ ابن کثیر جلد ۳ صفحہ ۶ - ۱۲ منہ

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ کہ آج ۲۸ جمادی الاولےٰ ۱۳۶۱ھ مطابق ۱۳ جون ۱۹۴۲ء کو بروز شنبہ (ہفتہ) بوقتِ اذانِ ظہر اس کتاب مستطاب **سیرت المصطفےٰ ؐ** کی پہلی جلد اختتام کو پہنچی۔

خداوندا! جس طرح تو نے محض اپنے فضل سے باوجود میری جملہ تقصیروں اور کمزوریوں کے اِس طرزِ بدیع پر پہلی جلد ختم کرنے کی توفیق بخشی ہے۔ اسی طرح دوسری[1] جلد کے اختتام میں بھی مجھ ضعیف و نحیف کی مدد کرنا۔ آمین ؎

کَمَا اَحْسَنَ اللّٰہُ فِیْمَا مَضٰی کَذٰلِکَ یُحْسِنُ فِیْمَا بَقِیْ[2]

نیاز مندِ درگاہِ خدائے عظیم و امیدوارِ شفاعت رسولِ کریم ؐ

عاجز محمد ابراہیم میر سیالکوٹی

---

[1] دوسری جلد طبع ہو کر ہاتھوں ہاتھ بک رہی ہے!

[2] باب سَمِعَ اور ضَرَبَ ہر دو سے آتا ہے (صراح وغیرہ) ۱۲ منہ

فہرست مضامین !

کتاب مستطاب سیرت المصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم

جلد اوّل

نمبر صفحہ	مضمون	مضمون	نمبر صفحہ
۱	دیباچہ طبع ثانی	بائبل میں حضرت ہاجرہ کو لونڈی	
۲	طرز تحریر و طریق بیان	لکھا ہے یہ غلط ہے۔	۳۳
۳	دیباچہ و باعث تالیف	حضرت ہاجرہ اور حضرت اسمٰعیلؑ	
	باب اوّل	پر الہی برکات	۳۹
	فصل اوّل	حضرت ہاجرہؑ اور حضرت اسمٰعیلؑ	
	نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے	کی ھجرت	۴۲
۱۴	آباؤ اجداد	قربانی حضرت اسمٰعیلؑ کی۔ یا	
۱۴	اس موضوع کی اہمیت	حضرت اسحٰق کی ؟	۴۴
۲۰	سلسلۂ نسب	حضرت اسمٰعیل کے اوصاف	
۲۳	خاندانی حیثیت	قرآن مجید میں	۵۰
	آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے	حضرت اسمٰعیلؑ کے اولیات	۵۴
۲۶	آبار کا مجمل بیان	باپ بیٹے کی ملاقاتیں	۵۵
۲۸	مفصل بیان حضرت ابراہیم علیہ السلام	بنا رخانہ کعبہ	۶۱
۳۱	حضرت ہاجرہ علیہا السلام	تحقیق انیق (حافظ ابن کثیرؒ کی)	۷۵

نمبر صفحہ	مضمون
۷۶	معدؑ بن عدنان رضؓ
۷۹	مضر۔ کنانہ
۸۰	نضر۔ فہر
۸۱	قصی۔ عبد مناف
۸۲	ہاشم
۸۷	حضرت ہاشم کی وفات اور مطلب کی خدمات۔
۸۸	عبدالمطلب بن ہاشم۔ ولادت اور تربیت۔
۹۳	عبدالمطلب کے فضائل پر اجمالی نظر۔
۹۵	صورت و سیرت
۹۷	فیاضی۔ مقبولیت۔ دینداری و پرہیزگاری۔
۹۸	عدل و انصاف
۹۹	عبدالمطلب کے کارنامے
۱۰۰	واقعہ اصحاب الفیل
۱۰۶	قرآن اور واقعہ اصحاب الفیل

مضمون	نمبر صفحہ
آنحضرتؐ کے والد عبداللہ بن عبدالمطلب	۱۱۱
حضرت عبداللہ کی پرہیزگاری	۱۱۴
آنحضرتؐ کے ننہال۔ اس موضوع میں اردو مصنفین سیرت کی فروگذاشت	۱۱۶
آنحضرتؐ کی والدہ، جدہ حضرت آمنہ خاتون رضؓ	۱۱۹
فصل دوم	
آنحضرتؐ کے آباء کا مذہب	۱۲۲
علمائے اہلسنت کے اقوال	۱۲۵
علامہ محمود شکری اور موحدین عرب کا ذکر	۱۳۴
سلسلہ نسب نبویؐ میں سے حضرت کعب بن لؤیؓ	۱۳۶
حضرت قصی بن کلاب	۱۳۹
عمرو بن لحیؓ خزاعی اور بت پرستی	۱۴۰
تولیت کعبہ	۱۴۱

نمبر صفحہ	مضمون
۱۴۲	عبد مناف
۱۴۳	ہاشم
۱۴۵	عبد المطلب
	آنحضرت ﷺ کے والد ماجد
۱۵۰	حضرت عبد اللہ
	باب دوم
	آنحضرت ﷺ کے شخصی حالات
۱۵۴	ولادت و خاندان
۱۵۸	نام اور عقیقہ ۔ رضاعت
	۲۔ ثویبہ مرضعہ سے آپ کا
۱۵۹	حسن سلوک
	مولنا شبلی مرحوم اور ایک
۱۵۹	مباحثت (حاشیہ)
۱۶۱	۳۔ ام ایمن رضی اللہ عنہا
۱۶۴	۴۔ حلیمہ سعدیہ رضی اللہ عنہا
۱۶۹	آنحضرت ﷺ کا رستہ میں گم ہو جانا
	حضرت حلیمہ رضی اللہ عنہا کا اسلام اور
۱۷۰	آنحضرت ﷺ کے نزدیک انکا اکرام
۱۷۴	حضرت حلیمہ رضی اللہ عنہا کے خاوند کا اسلام
۱۷۶	حضرت حلیمہ رضی اللہ عنہا کی اولاد اور انکا اسلام
۱۷۹	آنحضرت ﷺ کو ہوازن کا لحاظ
	حضرت حلیمہ رضی اللہ عنہا کی زبانی آنحضرت ﷺ
۱۸۱	کی عادات بچپن میں
۱۸۲	آنحضرت ﷺ آغوش مادر میں
۱۸۳	ماں بیٹے کی ملاقات
۱۸۴	سفر مدینہ
۱۸۵	یہ سفر کیوں ہوا؟
	مدینہ سے واپسی اور رستہ میں
۱۸۶	حضور ﷺ کی والدہ کی وفات
۱۸۶	مدینہ میں کہاں ٹھہریں؟
۱۸۷	قیام مدینہ کی یادداشت
۱۸۷	آنحضرت ﷺ اپنے دادا کی کفالت میں
	عبد المطلب کی وفات اور آنحضرت ﷺ
۱۸۹	ابوطالب کی کفالت میں
	آنحضرت ﷺ کی چچی حضرت علی رضی اللہ عنہ کی
۱۹۴	والدہ

نمبر صفحہ	مضمون
۱۹۹	پہلا سفرِ شام
۲۰۲	دوسرا سفرِ شام
۲۰۴	رُخِ انور کے انوار و آثار
۲۰۹	بشارات محمدیہ صلی اللہ علیہ وسلم
۲۲۳	بعض ارہاصات
۲۲۸	بچپن میں آنحضرتؐ کی گلہ بانی
۲۳۱	حربِ فجار
۲۳۳	جزیرہ جاوہ سے ایک دوست کا خط اور کتاب سیرت محمدیہؐ کی تصنیف
۲۴۰	خاتمۂ جنگ
۲۴۱	شوقِ ملاحظہ
۲۴۸	حِلف الفضول
۲۵۱	آنحضرتؐ کی شرکت۔ وجہ تسمیہ
۲۵۴	اس حلف کا زمانہ
۲۵۵	حلف کے متعلق حل اشکال (دفع شبہ)
۲۵۶	آنحضرتؐ کا شغل تجارت اور اس میں صدق وامانت
۲۶۰	آنحضرتؐ کا حضرت خدیجہؓ سے سابقہ

مضمون	نمبر صفحہ
اس سفر کی برکات وارہاصات	۲۶۰
حضرت خدیجہؓ کی شخصیت	۲۶۲
آنحضرتؐ کا نکاح حضرت خدیجہؓ سے	۲۶۵
آنحضرتؐ کا کفیل کون ہوا؟	۲۶۸
حضرت خدیجہؓ کا ولی نکاح کون تھا؟	۲۶۹
آنحضرتؐ۔ حضرت عبداللہ بن عباسؓ۔ جبیرؓ بن مطعم۔ حضرت خدیجہؓ اور حضرت عائشہؓ کا شجرہ نسب	۲۷۴
آنحضرتؐ کے نکاح کا خطبہ	۲۷۵
حضرت خدیجہؓ کے مال کا مصرف	۲۷۷
آنحضرتؐ کے اخلاق قبل نبوت کے متعلق حضرت خدیجہؓ کی شہادت	۲۸۰
آنحضرتؐ کی مقبولیت عامہ	۲۸۲
تعمیر کعبہ	۲۸۵
سر ولیم میور کے وہم اور شک کا ازالہ (ازالۂ شک)	۲۸۷
نوٹ ضروری	۲۹۲
سر ولیم میور کی گواہی دربارہ آنحضرتؐ کی زندگی کے	۲۹۶

مضمون	نمبر صفحہ
نبوت سے پہلے لوگ آنحضرت ﷺ کو الامین کہتے تھے۔	۲۹۹
حجر اسود کے رکھنے اور خندق کے کھودنے کی پیشگوئی ویدوں میں۔ حاشیہ ۱	۲۹۷
سر ولیم میور کا ایک اور وہم اور اسکا ازالہ۔ حاشیہ ۲	۲۹۷
بعض ضروری رموز واشارات	۳۰۰
حضرت علی بن ابی طالب ؓ کی کفالت۔	۳۰۰
حضرت زید بن حارثہ ؓ کی تبنیت	۳۰۲
سر ولیم میور کے کئی ایک توہمات اور ان کے جوابات۔	۳۰۴
موحدین عرب	۳۰۶
ورقہ بن نوفل عبداللہ بن جحش	۳۰۷
عثمان بن حویرث۔ زید بن عمرو بن نفیل۔	۳۰۸
حضرت ابوبکر ؓ اور حضرت حمزہ [illegible]	۳۰۹
آنحضرت ﷺ کا مراسم شرک سے اجتناب	۳۰۹
بقیہ ذکر زید بن عمرو بن نفیل	۳۱۱
ازالۂ شک دربارۂ اسم فرزند آنحضرت ﷺ اور حضرت خدیجہ ؓ کی شرک سے براءت	۳۱۵
انکشاف حقیقت	۳۱۸
نکاح کے بعد آنحضرت ﷺ کے اشغال (غار حرا میں) عزلت وگوشہ نشینی۔	۳۱۹
	۳۲
تجرد و تبتل میں اعتدال (حاشیہ)	۳۲۲
آنحضرت ﷺ کی زندگی ہندو نقطہ نگاہ سے یعنی برہمچرج گرہست آشرم اور سنیاس حاشیہ ۱	۳۲۴
غار حرا میں طریقہ عبادت	۳۲۷
خاتمہ جلد اول	۳۳۰
حضرت خدیجہ ؓ کے بطن سے آنحضرت ﷺ کی اولاد	۳۳۱
التماس مصنف از ناظرین سے [illegible]	

حضرت خدیجہؓ سے آنحضرتؐ کی اولاد

حضرت خدیجہؓ سے آنحضرتؐ کے دو لڑکے قاسم اور عبداللہ اور چار لڑکیاں زینب ام کلثوم۔ رقیہ اور فاطمہ پیدا ہوئیں (رضی اللہ عنہم اجمعین) ان سب کی ولادت کی تاریخیں اور سنہ معلوم نہیں ہو سکے ان کی ترتیب ولادت میں بھی مورخین کا اختلاف ہے ہاں اس بات پر سب متفق ہیں۔ کہ لڑکوں میں سے سب سے بڑے حضرت قاسم تھے جن کے نام پر آپ کی کنیت ابوالقاسم تھی۔ بعطاء نبوت سے پہلے پیدا ہوئے اور چلنے پھرنے کی عمر تک پہنچے تو فوت ہو گئے (انا للہ) حضرت عبداللہ کی بابت ایسی روایتیں موجود ہیں کہ یہ زمانۂ نبوت میں پیدا ہوئے اور شیر خوارگی کی عمر میں فوت ہو گئے جس پر منکروں نے طعنہ مارا اور اللہ تعالیٰ نے آپ کی تسلی کیلئے سورت انا اعطیناک الکوثر نازل فرمائی۔ طیب و طاہر انہی کے دو لقب تھے اس پر بھی سب کا اتفاق ہے کہ لڑکیوں میں سب سے بڑی زینب تھیں۔ باقیوں کی نسبت مورخین میں اختلاف ہے بعض حضرت رقیہ کو اور بعض حضرت فاطمہ کو سب سے چھوٹی کہتے ہیں واللہ اعلم۔ تیسرے بیٹے آپ کے حضرت ابراہیم تھے جو ۸ھ میں مدینہ طیبہ میں ہجرت کے بعد پیدا ہوئے۔ یہ حضرت ماریہ قبطیہؓ کے شکم مبارک سے تھے ان کا ذکر مدینہ شریف کے حالات میں مذکور ہوگا انشاء اللہ اس جگہ اُسی اولاد کا ذکر کیا گیا ہے جو حضرت خدیجہؓ سے پیدا ہوئی ۔ ۲۴ ۱۲/۵۷

خاکپائے اطہر و اشرف حافظ محمد ابراہیم میر سیالکوٹی

تجزیہ و تقسیم مضامین کتاب مستطاب

سیرت المصطفٰی صلعم

اس کتاب کے مضامین کی تقسیم اور اُن کا تجزیہ جو اس عاجز کے ذہن میں ہے حسب ذیل ہے

جلد اوّل۔ آپ کی نظر کے سامنے ہے محتاجِ بیان نہیں۔

جلد دوم۔ غارِ حرا میں عطائے نبوت سے غارِ ثور میں سفرِ ہجرت مشتمل بر آغازِ دعوت و ابتدائی مسلمان توحیدِ الٰہی کی آواز پر مشرکین کا اشتعال اور مسلمانوں پر سختیاں اور اُن میں اُن کی استقامت ہجرت حبشہ۔ ہجرت مدینہ طیبہ اور ان سب امور کی متعلقہ قرآنی آیات اور واقعات سے اُن کی مناسبت طبع ہو چکی ہے۔ قیمت بلا جلد تین روپے۔

جلد سوم۔ مشتمل بر قیام مدینہ شریف اور اشاعت اسلام سلسلہ غزوات۔ فتح مکہ اور غلبہ اسلام مواعید الٰہیہ کے مطابق آنحضرت صلعم کا اپنے مقاصد میں کامیاب ہو کر اس دُنیا سے رحلت کرنا ملک عرب کی ہر دو حالتوں یعنی قبل از نبوت اور بعد از فتح مکہ کا مقابلہ اور اس میں آنحضرت صلعم کی صداقتِ نبوت۔

جلد چہارم۔ جو بطور تتمہ ہوگی مشتمل بر انعقادِ خلافت و فتوحاتِ اسلامیہ اور بیرونی دنیا میں اشاعت اسلام —— یہ خاکہ اس نقشہ کا ہے جو میرے ذہن میں ہے لیکن اس کی تکمیل خدا کے ہاتھ میں ہے۔ الٰہی! تو اس ضعیف بندے کو تکمیل کی قوت و توفیق دے اور اس کے اس حقیر کام کو اس ذاتِ اقدس کی طفیل قبول فرما جس کی محبت کا جذبہ تو نے میرے دل میں اکیا اور مجھے جوانوں کی سی محنت سے اس کام میں مصروف کردیا۔ ورحم اللہ عبداً قال آمینا

بندۂ حقیر عاجز محمد ابراہیم میر سیالکوٹی